BNIS301DCT

اموی دور

(The Umayyad Period)

بی۔اے۔(آنرس)

چار سالہ پروگرام

تیسرا سمسٹر (اسلامک اسٹڈیز)

مرکز برائے فاصلاتی و آن لائن تعلیم

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی

حیدرآباد۔32، تلنگانہ، بھارت

Copyright © 2026, Maulana Azad National Urdu University, Hyderabad
All right reserved. No part of this publication may be reproduced or transmitted in any form or by any means, electronically or mechanically, including photocopying, recording or any information storage or retrieval system, without prior permission in writing form the publisher (registrar@manuu.edu.in)

ISBN **:** 978-81-689664-4-4
Course **:** The Umayyad Period
First Edition : July 2026
Copies : 2000
Price : 210 /- (The price of the book is included in admission fee of distance mode students)

Course Coordinator

Dr. Alim Ashraf, Prof. (Arabic), Dept. of Arabic, MANUU

Editorial Board/Editors

Prof. Abdul Ali, Former Head, Dept. of Islamic Studies, AMU, Aligarh

Prof. Mohammad Ishaque
Prof. of Islamic Studies, JMI, New Delhi

Prof. Mohammad Habib, HOD, Dept of Islamic Studies MANUU

Prof. Mohd. Fahim Akhter
Dept. of Islamic Studies, MANUU

Prof. Ghazanfar Ali Khan
Dept. of Islamic Studies, Kashmir Campus, MANUU

Prof. Ziauddin
Dept. of Islamic Studies, Aligarh Muslim University, Aligarh

Dr. Mohammad Haziq
Assistant Professor, Islamic Studies, CDOE, MANUU

Dr. Syeda Amina
Assistant Professor (C), Islamic Studies, CDOE, MANUU

Production

Prof. Nikhath Jahan,
Professor (Urdu),
CDOE MANUU

Mr. P Habibulla,
Assistant Registrar, Purchase & Stores Section, MANUU

Dr. Mohd Akmal Khan,
Assistant Professor (C),
CDOE MANUU

Mohd Abdul Naseer,
Section Officer, CDOE MANUU

Shaik Ismail,
UDC, CDOE, MANUU

Syed Faheemuddin,
LDC, Purchase & Stores Section, MANUU

On behalf of the Registrar, Published by:
Centre for Distance and Online Education
Maulana Azad National Urdu University
Gachibowli, Hyderabad-500032 (TG), India
*Director:*dir.dde@manuu.edu.in*Publication:*ddepublication@manuu.edu.in
Phone number: 040-23008314 Website: manuu.edu.in

CRC Prepared by Dr. Syeda Amina, Faculty of Islamic Studies, CDOE, MANUU
Printed at: Print Time & Business Enterprises, Hyderabad.

فہرست

پیغام	وائس چانسلر مولاناآزاد نیشنل اردو یونیورسٹی	5
پیغام	ڈائرکٹر مرکز برائے فاصلاتی وآنلائن تعلیم	6
کورس کا تعارف	کورس کوآرڈی نیٹر (اسلامک اسٹڈیز)	7

اکائی نمبر	اکائی کا نام	مصنف	صفحہ نمبر
1۔	اموی حکومت کا قیام واستحکام	ڈاکٹر مشتاق تجاروی	9
2۔	اہم حکمراں حصہ اول: حضرت امیر معاویہ	ڈاکٹر محمد اسامہ	25
3۔	اہم حکمراں حصہ دوم: عبدالملک بن مروان	ڈاکٹر جمشید احمد	42
4۔	اہم حکمراں حصہ سوم: ولید بن عبدالملک	ڈاکٹر محمد اسامہ	59
5۔	اہم حکمراں حصہ چہارم: عمر بن عبدالعزیز، ہشام بن عبدالملک	ڈاکٹر جمشید احمد	71
6۔	فتوحات کا اجمالی خاکہ	ڈاکٹر عاطف عمران	89
7۔	اموی حکومت کا زوال	ڈاکٹر مشتاق تجاروی	107
8۔	اموی حکومت کا نظم ونسق حصہ اول	مولانا اجمل فاروق ندوی	121
9۔	اموی حکومت کا نظم ونسق حصہ دوم	مولانا اجمل فاروق ندوی	133
10۔	اموی حکومت کے سماجی ومعاشی حالات	ڈاکٹر محمد عبدالباری	153

11۔	اموی حکومت کی تعمیرات حصہ اول	ڈاکٹر سیدہ آمنہ	166
12۔	اموی حکومت کی تعمیرات حصہ دوم	مولانا اجمل فاروق ندوی	182
13۔	اموی حکومت میں فنون لطیفہ	ڈاکٹر عمر فاروق	196
14۔	علوم کا ارتقا نقلی علوم	ڈاکٹر محمد ارشد	214
15۔	علوم کا ارتقا عقلی علوم	ڈاکٹر سید عبدالرشید	229
16۔	علوم کا ارتقا سماجی و ادبی علوم	ڈاکٹر جمشید احمد	242
	نمونہ امتحانی پرچہ		259

مصنفین کی تفصیلات

(Writer's Details)

Dr. Mohammad Mushtak Assistant Professor, DOIS, JMI, New Delhi	ڈاکٹر محمد مشتاق، اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اسلامک اسٹڈیز، جامعہ ملیہ اسلامیہ، دہلی
Dr. Mohd Usama Guest Faculty, DOIS, JMI, New Delhi	ڈاکٹر محمد اسامہ، گیسٹ فیکلٹی، شعبہ اسلامک اسٹڈیز، جامعہ ملیہ اسلامیہ، دہلی
Dr. Jamshed Ahmad, Assistant. Prof., Dept of Arabic, Mumbai University.	ڈاکٹر جمشید احمد، اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ عربی، ممبئی یونیورسٹی، ممبئی
Dr. Atif Imran Assistant. Prof. (Cont), DOIS MANUU	ڈاکٹر عاطف عمران، اسسٹنٹ پروفیسر (کانٹریکچول)، شعبہ اسلامک اسٹڈیز، مانو
Maulana Ajmal Farooq Nadwi Incharge Urdu Section, Institute of Objective Studies, New Delhi	مولانا اجمل فاروق ندوی، انچارج اردو سکشن، انسٹی ٹیوٹ آف آبجیکٹیو اسٹڈیز، دہلی
Dr. Mohd Abdul Bari Aligarh Muslim University	ڈاکٹر محمد عبدالباری، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ
Dr. Mohd. Umar Farooque Assistant Professor, DOIS, JMI, New Delhi	ڈاکٹر محمد عمر فاروق، اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اسلامک اسٹڈیز، جامعہ ملیہ اسلامیہ، دہلی
Dr. Syeda Amina, Assistant. Prof. (Cont), Dept. Islamic Studies , CDOE,MANUU	ڈاکٹر سیدہ آمنہ، اسسٹنٹ پروفیسر (کانٹریکچول)، اسلامک اسٹڈیز، سی ڈی اوای، مانو
Dr. Syed Abdur Rasheed Asst. Professor, & HoD Islamic Studies, Aliya University, Kolkata	ڈاکٹر سید عبدالرشید، اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اسلامک اسٹڈیز، عالیہ یونیورسٹی، کلکتہ

نوٹ: زیر نظر کتاب کا علمی مواد (**Study Material**) مختلف مصنفین نے تیار کیا ہے اور اس سے کو آرڈی نیٹر وایڈیٹر کا اتفاق کرنا ضروری نہیں ہے۔

پروف ریڈرس (Proofreaders):

اول :ڈاکٹر محمد حاذق

دوم :ڈاکٹر سیدہ آمنہ

ٹائٹل پیج (Title Page): ابراہیم اکرم صدیقی

پیغام

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی (MANUU) 1998 میں پارلیمنٹ کے ایک ایکٹ کے ذریعے قائم کی گئی۔ یہ ایک مرکزی جامعہ ہے جس نے این اے اے سی کی جانب سے گریڈ +A حاصل کیا ہے۔ اس جامعہ کے قیام کے مقاصد ہیں: (1) اردو زبان کا فروغ، (2) پیشہ ورانہ اور تکنیکی تعلیم کو اردو میڈیم میں قابل رسائی اور دستیاب بنانا، (3) روایتی اور فاصلاتی طریقۂ تعلیم کے ذریعے تعلیم فراہم کرنا، اور (4) خواتین کی تعلیم پر خصوصی توجہ دینا۔ یہ وہ نکات ہیں جو اس مرکزی جامعہ کو دیگر تمام مرکزی جامعات سے ممتاز کرتے ہیں اور اسے ایک انفرادیت بخشتے ہیں۔ قومی تعلیمی پالیسی 2020 میں بھی مادری زبانوں اور علاقائی زبانوں میں تعلیم حاصل کرنے پر زور دیا گیا ہے۔

اردو کے ذریعے علم کے فروغ کا مقصد یہی ہے کہ اردو جاننے والے طبقے کے لیے عصری علوم اور مضامین تک رسائی آسان بنائی جائے۔ ایک طویل عرصے تک اردو میں درسی مواد کی کمی رہی ہے۔ اردو یونیورسٹی کے پاس اب اردو میں 350 سے زیادہ کتابوں کا ذخیرہ موجود ہے اور ہر سمسٹر کے ساتھ اس تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے۔ اردو یونیورسٹی این ای پی 2020 کے وژن کے مطابق مادری/گھریلو زبان میں تعلیمی مواد فراہم کرنے کے قومی مشن کا حصہ بننے کو اپنے لیے ایک اعزاز سمجھتی ہے۔ مزید یہ کہ اردو بولنے والا طبقہ اردو میں مطالعہ کے مواد کی عدم دستیابی کے سبب نئے اُبھرتے شعبوں اور جدید تر معلومات کے موجودہ میدانوں میں تازہ ترین معلومات واطلاعات کے حصول سے محروم نہیں رہے گا۔ مذکورہ بالا میدانوں میں مواد کی دستیابی کی بدولت حصولِ معلومات کا نیا شعور بیدار ہوا ہے جو یقیناً اردو داں طبقے کی دانشورانہ ترقی پر اثر انداز ہوگا۔

فاصلاتی اور آن لائن طلبہ کے لیے تعلیم وتدریس کے عمل کو سہل بنانے کے لیے یونیورسٹی کا سینٹر فار ڈسٹنس اینڈ آن لائن ایجوکیشن (CDOE) اردو اور متعلقہ مضامین میں خود اکتسابی مواد (SLM) کی تیاری کو یقینی بناتا ہے۔

MANUU فاصلاتی اور آن لائن لرننگ کے طلبہ کے لیے SLM بلا معاوضہ فراہم کرتا ہے۔ یہ مواد اُردو کے ذریعے علم حاصل کرنے میں دلچسپی رکھنے والے ہر شخص کے لیے برائے نام قیمت پر دستیاب ہے۔ تعلیم تک رسائی کے دائرے کو مزید پھیلانے کے مقصد سے، اردو/ہندی/انگریزی/عربی میں eSLM یونیورسٹی کی ویب سائٹ پر مفت ڈاؤن لوڈ کے لیے دستیاب رکھا گیا ہے۔

مجھے بے حد خوشی ہے کہ متعلقہ فیکلٹی کی محنت اور مصنفین کے مکمل تعاون کی بدولت FYUG بی۔اے، بی۔ایس سی اور بی۔کام کی کتابوں کی اشاعت کا عمل بڑے پیمانے پر شروع ہو گیا ہے۔ فاصلاتی اور آن لائن لرننگ کے طلبہ کی سہولت کے لیے خود اکتسابی مواد (SLM) کی تیاری اور اشاعت کا عمل یونیورسٹی کے لیے اہمیت رکھتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ ہم اپنے خود تعلیمی مواد کے ذریعے اردو جاننے والے ایک بڑے طبقے کی ضروریات کو پورا کرنے کے قابل ہوں گے اور اس یونیورسٹی کے مقصدِ قیام کو پورا کریں گے اور اپنے ملک میں اپنی موجودگی کو جائز ٹھہرا سکیں گے۔

نیک تمناؤں کے ساتھ!

پروفیسر سید عین الحسن
شیخ الجامعہ، مانو

پیغام

موجودہ دور میں فاصلاتی تعلیم کو دنیا بھر میں ایک نہایت مؤثر اور مفید طریقۂ تعلیم کے طور پر تسلیم کیا جاتا ہے اور بڑی تعداد میں لوگ اس طریقۂ تعلیم سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی نے بھی اردو زبان بولنے والے عوام کی تعلیمی ضروریات کو مد نظر رکھتے ہوئے اپنے قیام کے وقت سے ہی فاصلاتی تعلیم کا طریقہ متعارف کرایا۔ مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی نے 1998 میں ڈائریکٹوریٹ آف ڈسٹنس ایجوکیشن (نظامتِ فاصلاتی تعلیم) کے ساتھ کام کا آغاز کیا اور 2004 سے باقاعدہ پروگرام شروع ہوئے، اس کے بعد مختلف شعبہ جات قائم کیے گئے۔

یو جی سی نے ملک میں نظام تعلیم کو مؤثر طور پر منظم کرنے میں ایک اہم کردار ادا کیا ہے۔ اوپن اینڈ ڈسٹنس لرننگ (ODL) موڈ کے تحت چلنے والے مختلف پروگرام، جو سینٹر فار ڈسٹنس اینڈ آن لائن ایجوکیشن (CDOE) میں چل رہے ہیں، یو جی سی-ڈی ای بی کے منظور شدہ ہیں۔ یو جی سی-ڈی ای بی نے فاصلاتی اور باقاعدہ تعلیم کے نصاب کو ہم آہنگ کرنے پر زور دیا ہے تاکہ فاصلاتی تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ کے معیار کو بہتر بنایا جاسکے۔ چونکہ مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی ایک دُہرے طرز (ڈوئل موڈ) کی یونیورسٹی ہے جو فاصلاتی اور روایتی دونوں طریقۂ تعلیم کی خدمات فراہم کرتی ہے، اس لیے اپنے مقاصد کو یو جی سی-ڈی ای بی کے رہنما خطوط کے مطابق حاصل کرنے کے لیے اس نے چوائس بیسڈ کریڈٹ سسٹم (CBCS) متعارف کرایا گیا جس کا خود اکتسابی مواد (Self-Learning Materials) یو جی سی کے قوانین اور کریڈٹ فریم کے مطابق نئے سرے سے تیار کیے جاچکا ہے۔

سینٹر فار ڈسٹنس اینڈ آن لائن ایجوکیشن (CDOE) کل انیس (19) پروگرام پیش کرتا ہے جن میں یو جی، پی جی، بی ایڈ، ڈپلومہ اور سرٹیفکیٹ پروگرام شامل ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ تکنیکی مہارتوں پر مبنی پروگرام بھی شروع کیے جارہے ہیں۔ سی ڈی اوای نے جولائی 2025 سے این ای پی-2020 کے مطابق چار سالہ یو جی پروگرام کا آغاز کیا ہے۔ بی اے، بی ایس سی اور بی کام کے آنرز پروگراموں کو این سی ایف کے مطابق ڈیزائن کیا گیا ہے جس سے طلبہ کو آنرز ڈگری حاصل کرنے میں مدد ملے گی۔ سال 2025-2026 سے ایم بی اے پروگرام او ڈی ایل موڈ میں متعارف کرایا گیا ہے۔

مانو نے طلبہ کی سہولت کے لیے نو ریجنل سنٹرز (بنگلورو، بھوپال، دربھنگہ، دہلی، کولکاتا، ممبئی، پٹنہ، رانچی اور سری نگر) اور چھ سب ریجنل سنٹرز (حیدر آباد، لکھنؤ، جموں، نوح، وارانسی اور امراوتی) کا ایک وسیع نیٹ ورک قائم کیا ہے۔ اس کے علاوہ وجے واڑا میں ایک ایکسٹینشن سنٹر بھی قائم کیا گیا ہے۔ ان ریجنل اور سب ریجنل سنٹروں کے تحت ایک سو پچاس سے زیادہ لرنر سپورٹ سنٹر (LSCs) اور بیس پروگرام سنٹر بیک وقت چلائے جارہے ہیں تاکہ طلبہ کو تعلیمی اور انتظامی سہولیات فراہم کی جاسکیں۔ سینٹر فار ڈسٹنس اینڈ آن لائن ایجوکیشن اپنی تعلیمی اور انتظامی سرگرمیوں میں آئی سی ٹی کا بھرپور استعمال کرتا ہے اور اپنے تمام پروگراموں میں صرف آن لائن موڈ کے ذریعے ہی داخلے فراہم کرتا ہے۔

طلبہ کے لیے سیلف لرننگ میٹیریل (SLM) کی سوفٹ کاپی سینٹر فار ڈسٹنس اینڈ آن لائن ایجوکیشن کی ویب سائٹ پر دستیاب کرائی جاتی ہیں اور آڈیو و ویڈیو ریکارڈنگ کے لنک بھی ویب سائٹ پر فراہم کیے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ طلبہ کو ای۔ میل اور واٹس ایپ گروپ کی سہولت بھی فراہم کی جارہی ہے جن کے ذریعے انہیں پروگرام کے مختلف پہلوؤں جیسے کورس رجسٹریشن، اسائنمنٹ، کاؤنسلنگ، امتحانات وغیرہ کے بارے میں مطلع کیا جاتا ہے۔ باقاعدہ کاؤنسلنگ کے علاوہ گزشتہ دو برسوں سے طلبہ کے تعلیمی معیار کو بہتر بنانے کے لیے زائد تدارکی (Remedial) آن لائن کاؤنسلنگ بھی فراہم کی جارہی ہے۔

امید کی جاتی ہے کہ سینٹر فار ڈسٹنس اینڈ آن لائن ایجوکیشن تعلیمی اور معاشی طور پر پسماندہ آبادی کو عصری تعلیم کے دھارے میں شامل کرنے میں ایک اہم کردار ادا کرے گا۔ تعلیمی ضروریات کو مد نظر رکھتے ہوئے نئی تعلیمی پالیسی (NEP-2020) کے مطابق مختلف پروگرامز میں تبدیلیاں کی گئی ہیں اور توقع ہے کہ اس سے اوپن اینڈ ڈسٹنس لرننگ کے نظام کو مزید مؤثر اور کارآمد بنانے میں مدد ملے گی۔

پروفیسر محمد رضا اللہ خان

ڈائرکٹر، سی ڈی اوای، مانو

کورس کا تعارف

مرکز برائے فاصلاتی اور آن لائن تعلیم، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد کے لیے یہ بات انتہائی باعث مسرت ہے کہ یونیورسٹی گرانٹس کمیشن (یو جی سی)، ڈسٹنس ایجوکیشن بیورو (ڈی ای بی) کے 2017 ضابطوں اور دوسرے ترمیمی ضوابط 2018 کے مطابق اسلامک اسٹڈیز کے موضوع پر اردو زبان میں درسی مواد تیار کیا گیا ہے۔ یو جی سی ہدایت کے تحت یونیورسٹی کے روایتی اور فاصلاتی نظام تعلیم کے لیے ایک ہی نصاب لازمی قرار دیا گیا ہے؛ تاکہ نہ صرف ان دونوں نظام تعلیم کے طلبہ کا معیار یکساں ہو، بلکہ حصول تعلیم کے لیے فراہم کی جانے والی مختلف سہولیات کے اس دور میں ایک نظام تعلیم کے طلبہ کے لیے دوسرے نظام تعلیم کی طرف منتقلی بھی قابل عمل ہو۔

موجودہ تعلیمی ضروریات کے پیش نظر نئی تعلیمی پالیسی (NEP-2020) کے تحت اسلامک اسٹڈیز کی کتابیں تیار کرائی جارہی ہیں۔ ان ضوابط کے تحت یونیورسٹی میں فراہم کیے جارہے تمام مضامین میں روایتی اور فاصلاتی نظام تعلیم کا ایک ہی نصاب تیار کیا گیا، اور اس کے مطابق درسی مواد کی تیاری کی گئی جو بیک وقت دونوں نظام تعلیم کے طلبہ وطالبات کے لیے استفادہ کا ذریعہ بن سکے۔ یہ مواد بی اے کے چار سالہ (آٹھ سمسٹر) کورس کے لیے تیار کروایا گیا ہے۔ اس درسی مواد کی تیاری میں یونیورسٹی کو ملک بھر کے ماہرین اسلامک اسٹڈیز، دانشوران اور اسلامی علوم پر گہری نظر رکھنے والے علما کی معیاری خدمات حاصل رہیں، اور اس میں اسلامک اسٹڈیز کے تقریباً تمام موضوعات اور پہلوؤں کا جامع احاطہ کیا گیا۔ اس طرح یونیورسٹی کے ذریعے تیار ہونے والا یہ درسی مواد ایک معیاری، ہمہ گیر اور اسلامک اسٹڈیز کے پورے کورس پر محیط بن کر تیار ہوا، جس سے نہ صرف یہ کہ اسلامک اسٹڈیز کے طلبہ وطالبات کی ایک بڑی ضرورت کی تکمیل ہوئی بلکہ اسلامی مطالعات کے میدان میں قابل قدر اضافہ ہوا۔ امید ہے کہ یہ کتاب طلبہ کے لیے معاون ثابت ہوگی۔

اس نصاب کی تیاری میں قدیم نصاب کی خوبیوں کو باقی رکھتے ہوئے ضروری حذف واضافہ اور جدید تحریر کے ساتھ مضامین کی ایسی ترتیب اختیار کی گئی جو دونوں روایتی اور فاصلاتی تعلیم کے نظام کی ضرورت بیک وقت پوری کرسکے۔

یکساں نصاب کی تیاری کے بعد اسی کے مطابق درسی مواد کی تیاری بھی مطلوب تھی جس میں نئے نصاب کے مطابق پرانے تحریر شدہ مواد میں کہیں کم اور کہیں زیادہ حذف وترمیم اور تبدیلی کی ضرورت تھی۔ بعض ذیلی عناوین پر بالکل نئی تحریر لکھنے کی ضرورت تھی اور بعض جگہوں پر مکمل اکائی کے اضافہ کی بھی ضرورت پیش آئی۔ ان سب کے علاوہ مواد کی ترتیب کو نئے نصاب کے مطابق تیار کیا گیا۔ نیز ہر اکائی کے تحت اکتسابی نتائج اور متنوع قسم کے سوالات کے تفصیلی نمونے شامل کیے گئے۔ ان تبدیلیوں کے بعد تیار ہونے والا مواد قدیم وجدید کا مجموعہ بن کر سامنے آیا ہے۔

ہمیں خوشی ہے کہ ہم بی۔اے۔ تیسرے سمسٹر کے لیے کورس کی یہ کتاب پیش کررہے ہیں۔ سمسٹر سوم کے اس تیسرے پرچہ کا عنوان 'اموی دور' ہے۔ یہ روایتی تعلیم کے تحت بی اے سمسٹر سوم کے لیے ہے۔ اس پرچہ میں کل سولہ اکائیاں ہیں۔ اس میں عہد اموی قیام واستحکام، فتوحات کے ساتھ ساتھ اہم حکمرانوں کی خدمات، اہم واقعات، سماجی ومعاشی احوال، فن تعمیر، فنون لطیفہ پر معلومات فراہم کی گئیں ہیں اس کے علاوہ اموی عہد میں مختلف علوم کے ارتقاء سے متعلق تحریری مواد مہیا کیا گیا ہے۔

پروفیسر سید علیم اشرف

کورس کوآرڈی نیٹر

اکائی 1: اموی حکومت کا قیام واستحکام

اکائی کے اجزا:

1.0 تمہید

1.1 مقاصد

1.2 خلافت بنوامیہ کے قیام کے اسباب

1.2.1 داخلی اسباب

1.2.2 شہادت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ

1.2.3 دارالخلافہ کی تبدیلی

1.2.4 جنگ جمل (36ھ مطابق 656ء)

1.2.5 جنگ صفین (صفر 37ھ مطابق جولائی 657ء)

1.2.6 خوارج کا ظہور

1.2.7 حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ کی آویزش

1.2.8 حضرت علیؓ کی شہادت

1.2.9 حضرت حسنؓ کی خلافت اور امیر معاویہؓ کے ہاتھ پر بیعت

1.3 خارجی اسباب

1.3.1 سبائی تحریک

1.3.2 غیر مسلم عناصر

1.3.3 ناتربیت یافتہ مسلم نوجوان

1.3.4 کوفہ اور بصرہ کے شیوخ

1.4 بنوامیہ کی خلافت کا استحکام

1.4.1 امیر معاویہؓ (641ء تا 680ء)
1.5 فرہنگ
1.6 اکتسابی نتائج
1.7 نمونہ امتحانی سوالات
1.7.1 معروضی جوابات کے متقاضی سوالات
1.7.2 مختصر جوابات کے متقاضی سوالات
1.7.3 طویل جوابات کے متقاضی سوالات
1.8 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1.0 تمہید

اللہ کے رسول حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے دنیا تشریف لے جانے کے بعد یہ مسئلہ زیر بحث آیا تھا کہ رسول ﷺ کا جانشیں کون ہوگا۔ سقیفہ بنو ساعدہ میں صحابہ کرام نے باہمی مشورے سے فیصلہ کیا کہ قریش میں سے جس پر سب متفق ہوں وہ خلیفہ ہوگا۔ اس اصول کے تحت حضرت ابو بکر صدیقؓ پہلے خلیفہ منتخب ہوئے، پھر حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے ادوار آئے۔ حضرت امام حسنؓ کے حضرت معاویہؓ سے صلح کرنے اور ان کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے بعد خلافت راشدہ کا دور ختم ہو گیا اور بنو امیہ کی خلافت قائم ہوئی۔

خلافتِ راشدہ تقریباً 30 سال قائم رہی اور اس کی بنیاد عوام کی آزادانہ رائے اور مشاورت پر تھی۔ بعد میں جب بنو امیہ نے خلافت سنبھالی، اگرچہ اس کی ابتدا صحابی حضرت معاویہؓ نے کی، مگر یہاں خلافت موروثی شکل اختیار کر گئی، یعنی باپ کے بعد بیٹا خلیفہ بننے لگا۔ یوں خلافت کی اصل روح یعنی عوامی انتخاب باقی نہ رہی، صرف نام اور ظاہری ڈھانچہ برقرار رہا۔

اموی حکومت رقبے اور فتوحات کے اعتبار سے اسلامی دنیا کی اور اپنے وقت کی سب سے بڑی خلافت اور حکومت تھی، جس کی حدود یوروپ میں فرانس سے لے کر چین اور ہندوستان تک پھیلی ہوئی تھیں۔ یہ خلافت تقریباً 90 سال تک قائم رہی۔

1.1 مقاصد

اس اکائی کا مقصد ہے کہ آپ:

- خلافت راشدہ کے خاتمہ اور خلافت بنو امیہ کے قیام کے اسباب کا تجزیہ کر سکیں گے۔
- خلافت بنو امیہ کے استحکام کے عوامل پر روشنی ڈال سکیں گے۔

- خلافت اسلامیہ 'خلافت علی منہاج النبوتؐ سے تبدیل ہو کر ایک خاندانی و موروثی خلافت بننے کے اثرات و نتائج پر تبادلہ خیال کر سکیں گے۔

1.2 خلافت بنوامیہ کے قیام کے اسباب

خاندان بنوامیہ کی خلافت ایک طویل سلسلہ واقعات کے بعد قائم ہوئی تھی۔ مورخین نے ان اسباب و عوامل کی فہرست بنائی ہے اور ان کا جائزہ لینے کی کوشش کی ہے جن کی وجہ سے یہ خلافت قائم ہوئی تھی۔ یہ اسباب مختلف نوعیت کے ہیں اس لیے مورخین عمومی طور پر ان اسباب کو دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں: 1۔ داخلی اسباب 2۔ خارجی اسباب

1.2.1 داخلی اسباب

خلافت راشدہ کے زوال اور خلافت بنوامیہ کے قیام کے داخلی اسباب سے مراد وہ اہم واقعات ہیں جو براہ راست خلافت راشدہ میں پیش آئے ایسے اہم اسباب تعداد میں آٹھ ہیں۔

1.2.2 شہادت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ

داخلی اسباب میں حضرت عثمانؓ کی شہادت ایک اہم سبب ہے جس کی وجہ سے خلافت راشدہ کا خاتمہ ہوا اور خلافت بنوامیہ کے لیے راہ ہموار ہوئی۔ حضرت عثمانؓ کی خلافت کے بعد حضرت علیؓ خلیفہ مقرر ہو چکے تھے۔ لیکن حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد مسلمان دو گروہوں میں تقسیم ہو گئے تھے۔ ایک گروہ شروع میں یہ مطالبہ لے کر اٹھا تھا کہ حضرت عثمانؓ کے قاتلین کو سزا دی جائے۔ یہ مطالبہ جن لوگوں نے کیا تھا ان میں کئی جلیل القدر صحابی شامل تھے۔ بلکہ بعض صحابہ ایسے بھی تھے جو عشرہ مبشرہ میں بھی شامل تھے۔ چونکہ حضرت عثمانؓ کی شہادت ایام حج میں ہوئی تھی اور حضرت عائشہؓ اس زمانے میں حج کے لیے تشریف لے گئیں تھی۔ حضرت عثمانؓ کے قصاص کا مطالبہ کرنے والا یہ گروہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے گرد جمع ہو گیا۔ انہوں نے اپنے مطالبہ کے پورے نہ ہونے پر باضابطہ فوج کی شکل اختیار کر لی اور اس کے نتیجہ میں ایک جنگ ہوئی جس کو جنگ جمل کہتے ہیں۔ بعد میں اسی مطالبہ کو لے کر ایک حضرت علی اور امیر معاویہ کے درمیان دوسری جنگ بھی ہوئی جو جنگ صفین کہلاتی ہے۔ ان جنگوں کا ذکر آگے آرہا ہے۔

حضرت عثمانؓ کی مظلومانہ شہادت کے قصاص کے حوالے سے مسلمانوں میں جو دو گروہ بنے ان میں سے ایک گروہ حضرت علیؓ کے ساتھ تھا اور دوسرا امیر معاویہؓ کے ہمراہ تھا۔ تاریخ میں اول الذکر گروہ بتدریج کم ہوتا گیا اور ثانی الذکر گروہ کو بتدریج ترقی ہوتی گئی۔ اسی کے نتیجے میں امیر معاویہؓ کو طاقت ملتی رہی اور نتیجتاً بنوامیہ کی خلافت قائم ہوئی۔

1.2.3 دارالخلافہ کی تبدیلی

خلافت راشدہ کے زمانے میں مسلم حکومت کا دارالخلافہ مدینہ منورہ رہا۔ مدینہ منورہ حرم نبویؐ ہے اس لیے مدینہ سے مسلمانوں کو خصوصی عقیدت بھی ہے اور دارالخلافہ ہونے کی وجہ سے مدینہ طیبہ کو استحکام بھی حاصل تھا۔ لیکن حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد جو

مسائل پیدا ہوئے ان کا تقاضا یہ ہوا کہ دارالخلافہ ایسی جگہ ہونا چاہیے جہاں سے تمام مخالفین سے گفت و شنید بھی آسانی سے ہو سکے اور اگر کہیں شورش پیدا ہو تو اس کا جواب بھی دیا جا سکے۔ اس لیے حضرت علیؓ نے دارالخلافۃ کو تبدیل کر کے مدینہ کی جگہ کوفہ کو دارالخلافہ بنالیا۔

دارالخلافہ کی تبدیلی سے بہت سے فائدے بھی ہوئے لیکن اس کے بعض نقصانات بھی ہوئے۔ ایک نقصان تو یہ ہوا کہ دارالخلافہ سے مسلمانوں کی جذباتی عقیدت نہیں رہی اس لیے کہ مدینہ سے مسلمانوں کو جو عقیدت کا تعلق ہے، وہ کوفہ سے نہیں ہے۔ دوسرا بڑا نقصان یہ ہوا کہ اہل کوفہ کی وفاداریاں اتنی پائیدار ثابت نہیں ہوئیں جتنی اہل مدینہ کی تھیں۔ اس لیے دارالخلافہ کا تبدیل کرنا بھی خلافت راشدہ کے خاتمے کا ایک سبب بنا اور اس کی وجہ سے بنوامیہ کی حکومت کے قیام میں بھی مدد ملی۔

1.2.4 جنگ جمل (36ھ مطابق 656ء)

جنگ جمل مسلمانوں کے درمیان ہونے والی پہلی جنگ ہے۔ اس جنگ کا سبب جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے حضرت عثمانؓ کے قصاص کا مطالبہ تھا۔ حضرت عثمان کی شہادت 18 ذی الحجہ کو ہوئی تھی۔ حضرت عائشہؓ ان دنوں میں حج کرنے کے لیے مکہ مکرمہ میں تھیں۔ جب لوگوں نے حضرت عثمانؓ کے قصاص کا مطالبہ شروع کیا تو حضرت عائشہ نے بھی اس مطالبے کی تائید کی۔ حضرت زبیر بن عوامؓ اور حضرت طلحہؓ بھی ان کے ساتھ شامل ہو گئے۔ رفتہ رفتہ ان حضرات کے ساتھ ایک بڑی جمعیت اکٹھا ہو گئی۔ حضرت عائشہؓ نے بصرہ کا رخ کیا۔ بصرہ کے حاکم نے اگرچہ مخالفت کی تھی لیکن عوام حضرت عائشہؓ کے ساتھ تھی۔ اس لیے معمولی سے مقابلے کے بعد بصرہ کے حاکم عثمان بن حنیف قید کر لیے گئے اور بصرہ پر حضرت عائشہ کے حامیوں کا قبضہ ہو گیا۔ عثمان بن حنیف کو بعد میں رہا کر دیا گیا۔

حضرت علیؓ نے جب یہ تفصیلات سنیں تو وہ خود بھی فوج لے کر بصرہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ حضرت علیؓ کی فوج بہت زیادہ تھی اور حضرت علیؓ خلیفہ بھی تھے جب کہ دوسرا فریق یعنی حضرت عائشہؓ اور ان کے ساتھی سرے سے حکومت کے دعویٰ دار ہی نہیں تھے بلکہ وہ تو حضرت علیؓ سے ہی مطالبہ کر رہے تھے کہ حضرت عثمانؓ کے قاتلین سے قصاص لیا جائے۔ اس لیے دونوں لشکروں میں طاقت کا توازن بالکل نہیں تھا۔ اگر جنگ ہوتی تو ہر حال میں حضرت علیؓ کی فتح ہوتی اس کے باوجود حضرت علیؓ جنگ کے خلاف تھے اور صلح کے ذریعے اس مسئلہ کو حل کرنے کے خواہش مند تھے۔ اس لیے شروع میں صلح کی بہت کوششیں ہوئیں۔

کوفہ کے ایک بزرگ حضرت قعقاع بن عمرو کی کوششوں سے حضرت علیؓ کی یہ خواہش پوری بھی ہو گئی اور دونوں فریق صلح پر راضی ہو گئے۔ لیکن حضرت علیؓ کی فوج میں وہ شرارتی عناصر کافی تعداد میں موجود تھے جنھوں نے حضرت عثمانؓ کو شہید کیا تھا۔ ان کو یہ خطرہ ہوا کہ اگر صلح ہو گئی تو ان کے لیے مسائل پیش آسکتے ہیں۔ اس لیے انہوں نے پہلے تو کوشش کی کہ صلح نہ ہو لیکن اس میں ناکام رہے تو انہوں نے رات میں ہنگامہ کر دیا اور دونوں طرف کے لوگوں کو ایسا محسوس ہوا کہ جیسے دوسرے فریق نے شب خون مار دیا ہو۔ اس لیے دونوں طرف بدگمانی پیدا ہو گئی اور جنگ شروع ہو گئی۔ جنگ کا انجام تو تقریباً طے تھا چوں کہ حضرت علیؓ کی فوج بہت طاقت ور تھی لیکن حضرت عائشہؓ کے حامی بھی بڑی بہادری سے لڑے۔ اس جنگ میں حضرت عائشہؓ ایک اونٹ پر سوار تھیں اس لیے اس جنگ کو 'جنگ جمل' کہتے ہیں۔

حضرت علیؓ کی فوج نے حضرت عائشہؓ کے اونٹ کی کونچیں کاٹ دیں اور اونٹ گر گیا اس کے بعد جنگ بند ہو گئی۔ حضرت علیؓ نے

نہایت احترام کے ساتھ حضرت عائشہؓ کو مدینہ بھجوادیا۔ جنگ ختم ہوگئی لیکن اس جنگ کے اثرات و نتائج بہت تباہ کن ثابت ہوئے۔ اس جنگ کے تکلیف دہ نتائج میں سے یہ بھی ہے کہ دو عظیم ہستیاں حضرت زبیرؓ اور حضرت طلحہؓ بھی شہید ہوگئے۔ اسی طرح اس جنگ کی وجہ سے ان شرارتی عناصر کے حوصلے اور بلند ہوگئے جو حضرت عثمانؓ کی شہادت کے ذمہ دار تھے۔ دوسری طرف عام مسلمانوں میں بھی اس جنگ کا اچھا تاثر قائم نہیں ہوا۔ جنگ جمل کا دوسرا بڑا نقصان یہ ہوا کہ حضرت علیؓ نے مدینہ کی رہائش ترک کردی اور کوفہ کو اپنا دارالخلافہ بنالیا، جس سے حضرت علیؓ کی مقبولیت متاثر ہوئی اور بہت سے مسائل کا سامنا کرنا پڑا۔

1.2.5 جنگ صفین (صفر 37ھ مطابق جولائی 657ء)

حضرت علیؓ کو اہل مدینہ نے خلیفہ مقرر کیا تھا اس سے قبل بھی تمام خلفاء کا اصلا انتخاب اہل مدینہ نے کیا تھا بعد میں ان کی عمومی بیعت ہوئی۔ حضرت علیؓ کے ہاتھ پر اہل مدینہ نے بیعت کرلی اس کے بعد حضرت علیؓ نے تمام امراء سے بیعت کا مطالبہ کیا۔ ان میں شام کے امیر حضرت معاویہؓ بھی شامل تھے۔ لیکن انہوں نے کہا کہ پہلے حضرت عثمانؓ کے قاتلوں سے قصاص لیا جائے اس کے بعد بیعت کریں گے۔ حضرت علیؓ اس کے لیے راضی نہ ہوئے اور انہوں نے امیر معاویہؓ کو معزول کرنے کا حکم جاری کردیا۔ امیر معاویہ نے اس معزولی کو قبول نہ کیا اور بدستور قاتلین حضرت عثمانؓ سے قصاص کا مطالبہ کرتے رہے۔ آخر حضرت علیؓ ایک بڑی فوج لے کر ملک شام کی طرف روانہ ہوئے۔ امیر معاویہ نے بھی جنگ کی پوری تیاری کر رکھی تھی۔ دریائے فرات کے کنارے دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا۔ شروع میں مصالحت کی بہت کوشش کی گئی۔ چھے ماہ تک دونوں فوجیں آمنے سامنے پڑی رہی اور مصالحت کی کوشش ہوتی رہی۔ جب ہر کوشش ناکام ہوگئی تو جنگ شروع ہوئی۔ حضرت علیؓ کی فوج زیادہ تھی اور چونکہ حضرت علیؓ خلیفہ تھے اس لیے ان کی فوج کے حوصلے بھی بلند تھے۔ حضرت معاویہؓ کی فوج کم تھی اور اس کی حیثیت کم و بیش باغی فوج کی تھی اس لیے جنگ کا نتیجہ تو تقریبا ظاہر تھا لیکن حضرت معاویہؓ کی فوج حضرت علیؓ کی فوج کے مقابلے میں زیادہ منظم تھی اس لیے مقابلے کا جلد کوئی فیصلہ نہیں نکل سکا۔

جنگ جب باضابطہ شروع ہوگئی تو جیسا کہ توقع تھی امیر معاویہؓ کی فوج جلد ہی ہارنے لگی۔ امیر معاویہؓ نے شکست سے بچنے کے لیے قرآن مجید کی آیت تحکیم کا حوالہ دے کر مصالحت کی کوشش کی۔ حضرت معاویہؓ کی فوج نے نیزے کے اوپر قرآن مجید کو بلند کیا اور یہ مطالبہ کیا کہ اس وقت جنگ بند کردی جائے اور جیسا کہ قرآن میں آیا ہے کہ اختلاف کو حل کرنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ کسی فرد یا بہت سے افراد کو حکم یعنی فیصل بنالیں جو وہ فیصلہ کریں وہ سب کو قابل قبول ہو۔

حضرت علیؓ اپنی فراست ایمانی سے محسوس کر رہے تھے کہ تحکیم کی یہ کوشش محض شکست سے بچنے کا ایک طریقہ ہے اس تحکیم کا نتیجہ کچھ بھی نہیں نکلے گا۔ اس لیے وہ چاہتے تھے کہ اب جنگ چھڑ چکی ہے اس لیے فیصلہ میدان جنگ میں ہی ہو جائے تو بہتر ہے۔ لیکن حضرت علیؓ کی فوج کے کچھ نوجوانوں کا اصرار تھا کہ امیر معاویہ کی بات قبول کرلی جائے چوں کہ وہ قرآن کی طرف ہی تو دعوت دے رہے ہیں۔ حضرت علیؓ منع کرتے رہے لیکن ان لوگوں کا اصرار اتنا بڑھا کہ یہ خطرہ پیدا ہوگیا کہ کہیں آپس میں ہی جھگڑا نہ ہو جائے اس لیے مجبوراً حضرت علیؓ نے بھی اس تحکیم کو قبول کرلیا اور میدان جنگ سے واپس ہوگئے۔

تحکیم اور اس کا نتیجہ

تحکیم کے ذریعے حضرت علیؓ اور امیر معاویہ کے درمیان صلح کی یہ کوشش پوری طرح حضرت علیؓ کے خلاف گئی اور امیر معاویہؓ کے لیے سود مند ہوئی۔ تحکیم کے اس عمل کے لیے حضرت علیؓ نے اپنی طرف سے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو اپنا نمائندہ بنایا اور حضرت معاویہؓ نے حضرت عمرو بن عاصؓ کو اپنا نمائندہ بنایا۔ یہ دونوں بزرگ اپنے ساتھیوں کے ساتھ اسلامی حکومت کے ایک سرحدی مقام عسقلان میں جا کر بیٹھے۔ اتنی دور جانے کا مقصد یہ تھا تاکہ ان کو کوئی فریق اپنی طاقت سے متاثر نہ کر سکے۔ وہاں اس مسئلے کے مختلف پہلوؤں پر غور و فکر کرتے رہے اور جو باتیں ان کے درمیان زیر بحث آتیں ان کو دونوں فریقوں کو خط لکھ کر بتاتے اور وہ دونوں فریق بھی اپنی بات خطوط کے ذریعے ان تک پہنچاتے۔ چھ مہینے کی طویل جدوجہد کے بعد انہوں نے ایک معاہدہ لکھا جس کی رو سے یہ طے ہوا کہ امیر معاویہؓ اور حضرت علیؓ دونوں کو معزول کر کے کسی اور کو خلیفہ بنایا جائے۔ یہ فیصلہ دونوں حضرات نے مقام دومۃ الجندل میں ایک بڑے مجمع کے سامنے پڑھ کر سنایا۔ لیکن اس کو کوئی بھی قبول نہیں کر سکتا تھا اس لیے تحکیم کا عمل پوری طرح ختم ہو گیا۔

بعض روایات میں تحکیم کے نتیجے کے اعلان کا واقعہ اس طرح بھی بیان ہوا ہے کہ دومۃ الجندل میں جب تحکیم کے فیصلے کا اعلان ہوا تو اس میں حضرت ابو موسی اشعریؓ اور حضرت عمرو بن عاصؓ جمع ہوئے اور عمرو بن عاصؓ نے ابو موسی اشعریؓ سے کہا کہ ہمارے درمیان جو طے پایا ہے اس کا اعلان کر دیجیے آپ بڑے ہیں اس لیے پہلے آپ کیجیے۔ حضرت ابو موسی اشعریؓ نے اعلان کیا کہ میں حضرت علیؓ کو خلافت سے معزول کرتا ہوں اس کے بعد عمرو بن عاصؓ نے اعلان کیا کہ حضرت علیؓ معزول ہو گئے ہیں اس لیے میں امیر معاویہؓ کو مقرر کرتا ہوں۔

تحکیم کا عمل پوری طرح ناکام ہوا۔ اس سے کچھ بھی حاصل نہیں ہوا اور ظاہری اعتبار سے اس معاہدہ کا سب سے زیادہ نقصان حضرت علیؓ کو ہوا۔ حضرت علیؓ کو تحکیم کے اس مسئلے سے جو نقصانات اٹھانے پڑے ان میں ایک بڑا نقصان یہ تھا کہ حضرت علیؓ کی فوج میں سے ایک گروہ باہر نکل کر خود حضرت علیؓ سے بغاوت کر دی۔

1.2.6 خوارج کا ظہور

خوارج وہ فرقہ ہے جس نے حضرت علیؓ کی فوج میں سے نکل کر ان کے خلاف بغاوت کی تھی۔ چوں کہ یہ لوگ حضرت علیؓ کی فوج سے نکل گئے تھے اس لیے ان کو خارجی یا خوارج کہا جاتا ہے۔ ان کو خارجی کہنے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ ان لوگوں نے حضرت علیؓ کے خلاف بغاوت کی تھی یعنی خروج کیا تھا اور عربی میں باغی کو خارجی بھی کہا جاتا ہے۔

خارجی فتنے کا ظہور اس لیے ہوا کہ حضرت علیؓ نے حضرت معاویہؓ سے صلح کر لی تھی۔ دراصل جنگ صفین میں ایک طبقہ نے تو حضرت علیؓ کو مجبور کر کے صلح کے لیے رضامند کیا تھا اور پھر کچھ لوگوں نے ان میں سے اور کچھ دوسرے گروہ کے لوگوں نے حضرت علیؓ کو مجبور کرنا شروع کیا کہ امیر معاویہ سے جو صلح ہوئی ہے وہ اس کو ختم کریں اور جنگ جاری رکھیں۔ ان کی دلیل یہ تھی کہ ہم حق پر ہیں اور امیر معاویہ غلط ہیں اور حق و باطل میں کیسی تحکیم؟ لیکن حضرت علیؓ نے ان کو سمجھایا کہ ہم نے صلح اس لیے کی ہے کہ اس مسئلہ کے تمام پہلوؤں پر

غور و فکر ہو جائے اور درمیان کی کوئی سبیل پیدا ہو سکے۔ لیکن یہ طبقہ بدستور اپنی ضد پر اڑا رہا اور انہوں نے ایک نیا نعرہ وضع کر لیا کہ **'لا حکم الا للہ'** (یعنی اللہ کے سوا کسی کا حکم نہیں چلے گا) اور بزعم خویش اپنے نعرے کو ہی اللہ کا حکم ماننے لگے۔

عبداللہ بن وھب الراسبی نام کے ایک عرب سردار کی قیادت میں حضرت علیؓ کی فوج کے تقریباً 12 ہزار لوگ حضرت علیؓ کا ساتھ چھوڑ کر کوفہ سے باہر نکلے اور عراق کے ایک علاقے ''نہروان'' میں جا بسے۔ وہاں سے حضرت علیؓ کے خلاف سازشیں کرنے لگے۔ خوارج کے وجود میں آنے اور ان کے ایک مستقل جماعت بن جانے سے ایک نیا مسئلہ پیدا ہو گیا۔

دوسری طرف امیر معاویہ اپنی طاقت بڑھاتے رہے اور انہوں نے اسی درمیان مصر ان کی حکومت میں شامل ہو گیا۔ مصر سے حجاز کی غذائی ضروریات پوری ہوتی تھی۔ مصر پر امیر معاویہ کا قبضہ تو بعد میں ہوا لیکن مصر اور حجاز کے درمیان راستہ اور آمد و رفت پہلے ہی متاثر ہو گئی تھی۔ اس لیے مصر سے غذائی ضروریات وغیرہ عراق اور حجاز نہیں پہنچ پا رہی تھی۔ مصر کے علاوہ ایران سے بھی اس علاقے کی غذائی ضروریات کی تکمیل ہوتی تھی۔ مصر پر امیر معاویہؓ کا قبضہ ہو جانے کے بعد مصری رسد مسدود ہو گئی اس لیے رسد اور غذائی ضروریات کا سب سے بڑا ذریعہ ایران ہی رہ گیا تھا۔ لیکن خوارج عراق اور ایران کے درمیان نہروان کے علاقے میں خیمہ زن ہو گئے اور انہوں نے ایران سے آنے والی رسد منقطع کر دی۔

حضرت علیؓ نے دونوں طرف سے مجبور ہو کر خوارج کے خلاف جنگ کا ارادہ کیا۔ چوں کہ یہ جنگ نہروان کے مقام پر لڑی گئی تھی اس لیے تاریخ میں یہ جنگ نہروان کی جنگ کے نام سے مشہور ہے۔ یہ جنگ شوال 37ھ مطابق 658ء میں ہوئی۔ حضرت علیؓ نے یہاں بھی جنگ ٹالنے کی ہر ممکن کوشش کی تھی۔ خوارج کو ہر طرح کی رعایت بھی دی۔ حضرت علیؓ اس تلقین کی وجہ سے بہت سے خوارج تائب بھی ہو گئے تھے۔ آخر میں حضرت علیؓ نے حضرت ابو ایوب انصاریؓ کو سفید جھنڈا دے کر بیچ میدان میں بھیجا اور اعلان کرا دیا کہ جو اس جھنڈے کے نیچے آجائے گا اس کو امان ہے۔ اس کے بعد بھی بعض اور لوگ خوارج سے الگ ہو کر حضرت علیؓ کے ساتھ آ گئے لیکن کچھ لوگ پھر بھی ایسے تھے جو اپنے موقف پر اڑیل پن سے ڈٹے رہے۔ جنگ ہوئی اور حسب توقع اس جنگ میں خوارج کو بری طرح شکست ہوئی اور حضرت علیؓ کی فوج فاتح ہوئی۔

نہروان کی اس جنگ میں بلاشبہ حضرت علیؓ کو فتح ملی لیکن حضرت علیؓ کے لیے اس فتح کے بہت نامناسب اثرات مرتب ہوئے، چونکہ خوارج سب عرب تھے اور مختلف قبائل سے تھے اس جنگ میں ہر قبیلے کے لوگ مارے گئے۔ چناں چہ بہت سے عرب قبیلوں میں صف ماتم بچھ گئی اور متعدد قبیلے حضرت علیؓ کے خلاف ہو گئے۔

نہروان کی جنگ کا دوسرا نقصان یہ ہوا کہ خوارج نے اپنی قلیل تعداد کے باوجود جس بے جگری سے جنگ کی، اس کو دیکھ کر حضرت علیؓ کی فوج کا حوصلہ ٹوٹ گیا اور وہ فوری طور پر کسی نئی جنگ کے لیے تیار نہیں تھے۔ حضرت علیؓ چاہتے تھے کہ اب امیر معاویہ سے دوبارہ جنگ کی جائے لیکن فوج کے اکثر لوگوں نے کچھ آرام کرنے اور ہتھیاروں کو درست کرنے کا بہانہ کر کے جنگ کو ٹال دیا اور اکثر لوگ اپنے گھروں کو چلے گئے۔ خوارج کے بچے کھچے لوگوں نے حضرت علیؓ کے خلاف سازش رچی بلکہ اس وقت کے تین بڑے سرداروں یعنی سیدنا حضرت علیؓ

کرم اللہ وجہہ، حضرت معاویہؓ اور حضرت عمرو بن عاصؓ کے خلاف سازش رچی اور ان پر ایک ساتھ حملہ کیا۔ اس حملے میں حضرت علیؓ شہید ہو گئے باقی دونوں حضرات بچ گئے۔

1.2.7 حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ کی آویزش

تحکیم کی ناکامی کے بعد حضرت علیؓ کی طاقت روز بروز کمزور ہوتی گئی اور امیر معاویہؓ کی طاقت بڑھتی گئی۔ مصر پوری طرح حضرت علیؓ کے قبضے سے نکل کر امیر معاویہؓ کے قبضے میں آگیا اور عراق اور حجاز کی سرحدوں پر بھی امیر معاویہؓ کی فوجوں نے حملے شروع کر دیے جن کی وجہ سے سخت بد نظمی اور انتشار پھیل گیا۔ حالات یہاں تک خراب ہوئے کہ 40ھ مطابق 660ء میں حضرت علیؓ کو امیر معاویہؓ سے صلح کرنی پڑی۔ اس صلح کے مطابق حضرت علیؓ نے امیر معاویہؓ کو شام اور مصر وغیرہ کا حاکم تسلیم کر لیا اور خود حضرت علیؓ کے پاس حجاز، عراق اور ایران وغیرہ خطے باقی رہے۔ حضرت معاویہؓ کے ساتھ حضرت علیؓ کی اس صلح نے حضرت معاویہؓ کی حکومت کو قانونی جواز دے دیا۔ اس کا حضرت معاویہؓ کو بہت فائدہ ہوا۔

حضرت علیؓ اگرچہ باضابطہ خلیفہ تھے اور امیر معاویہؓ کی حکومت باضابطہ نہیں تھی لیکن مشکل یہ تھی کہ حضرت علیؓ کے خلیفہ بننے کے بعد سے پورے ملک میں بد نظمی اور انتشار کا ایسا عالم تھا کہ وہ داخلی نظم و نسق کی طرف توجہ نہیں دے پائے تھے اسی لیے حضرت علیؓ نے امیر معاویہؓ سے صلح کی تھی تاکہ وہ ملک کے داخلی نظم و نسق پر یکسوئی سے توجہ دے سکیں۔ اس لیے اس صلح کے بعد انہوں نے داخلی نظم و انتظام کی طرف توجہ دی۔ لیکن اب پیمانہ حیات لبریز ہو گیا تھا۔ چوتھے خلیفہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے لیے رب العالمین کے دربار میں حاضر ہونے کا وقت آپہنچا۔ اور ان کی شہادت ہو گئی۔

1.2.8 حضرت علیؓ کی شہادت

خوارج نے نہروان کی جنگ میں شکست کے بعد خفیہ طریقے پر جنگ جاری رکھی۔ سب سے پہلے انہوں نے اس دور کی تین عظیم ہستیوں کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا۔ ان کا خیال تھا کہ تین لوگ عالم اسلام کے تمام مسائل کے ذمے دار ہیں۔ حضرت علیؓ، حضرت معاویہؓ، اور حضرت عمرو بن عاصؓ۔ اس لیے خوارج نے تین لوگوں کو تیار کیا کہ وہ ان تینوں کو اسی طرح شہید کر دیں جیسے ابولولو فیروز نے خلیفہ دوم حضرت عمر فاروقؓ کو شہید کیا تھا۔ چنانچہ یہ تینوں شر پسند اپنے سفر پر نکلے اور ایک رات مقرر کر کے فجر کی نماز کے وقت تینوں حضرات پر حملہ کیا۔ حضرت علیؓ پر حملہ مہلک ثابت ہوا۔ ابن ملجم نام کے ایک خارجی نے زہر آلود تلوار سے حضرت علیؓ کو زخمی کر دیا۔ اس زخم کے زیر اثر 20 رمضان 40ھ مطابق 28 جنوری 661ء کو حضرت علیؓ کی شہادت ہو گئی۔

امیر معاویہؓ اور عمرو بن عاصؓ پر بھی حملہ ہوا تھا لیکن وہ دونوں بچ گئے۔ امیر معاویہ پر تو وار اوچھا پڑا جس سے وہ زخمی ہو گئے اور اس کے بعد ان کے ساتھیوں نے فوراً قاتل پر قابو پا لیا اور عمرو بن عاصؓ اس دن بیمار تھے اس لیے نماز کسی اور نے پڑھائی تھی۔ وہاں حملہ تو کامیاب ہوا لیکن اس دن امام کوئی اور تھے اور وہی شہید ہو گئے۔

1.2.9 حضرت حسنؓ کی خلافت اور امیر معاویہؓ کے ہاتھ پر بیعت

حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد عراق، ایران اور حجاز کے لوگوں نے حضرت امام حسنؓ کو خلیفہ مقرر کر لیا۔ حضرت حسنؓ اگرچہ بڑے باصلاحیت تھے لیکن طبیعت بڑی نرم تھی۔ طبیعت میں صلح جوئی اور نرم دلی بہت زیادہ تھی۔ دوسری طرف امیر معاویہ حکومت کے نشیب و فراز سے بھی واقف تھے، تجربہ کار بھی تھے۔ انہوں نے اس موقع کا پورا فائدہ اٹھایا۔ چنانچہ ابھی حضرت حسنؓ کی خلافت کو پورے چھ مہینے بھی نہیں گزرے تھے کہ امیر معاویہؓ ایک بڑی فوج لے کر عراق پر حملہ آور ہو گئے۔

حضرت امام حسنؓ گزشتہ کئی سالوں سے آپسی جنگوں کے اثرات دیکھ رہے تھے۔ ساتھ ہی اہل کوفہ پر ان کو بھی پورا اعتماد نہیں تھا اس لیے انہوں نے امیر معاویہؓ سے صلح کرنا بہتر سمجھا۔ چنانچہ 24 ربیع الاول 40ھ مطابق 10 اگست 661ء میں حضرت حسنؓ نے امیر معاویہؓ سے صلح کا معاہدہ کر کے ان کے حق میں خلافت سے دستبردار ہو گئے اور خود ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ حضرت حسنؓ اور امیر معاویہؓ کے درمیان اس صلح کی خاص شرائط حسب ذیل تھیں:

1۔ اہل عراق میں سے کسی کے ساتھ کوئی انتقامی کارروائی نہیں کی جائے گی۔

2۔ دوسری بڑی شرط یہ تھی کہ حضرت معاویہؓ اپنے بعد کسی کو اپنا جانشین مقرر نہیں کریں گے (حضرت امام حسنؓ چاہتے تھے کہ حضرت معاویہ امت مسلمہ کو جانشین چننے کا موقع دیں)۔

حضرت امام حسنؓ کے صلح کرنے کی وجہ سے عالم اسلام جس کے دو حصے ہو گئے تھے ایک مرتبہ پھر متحد ہو گیا۔ اسی اتحاد کی وجہ سے اس سال کو 'عام الجماعة' یعنی متحد ہونے کا سال، بھی کہتے ہیں۔

1.3 خارجی اسباب

خلافت راشدہ کے خاتمے اور خلافت بنو امیہ کے قیام کے لیے کچھ خارجی اسباب بھی ذمہ دار ہیں۔ اگرچہ تمام اسباب کو ایک عنوان کے تحت بھی بیان کیا جا سکتا ہے لیکن اپنی نوعیت کے اعتبار سے یہ اسباب الگ ہیں اس لیے ان کو الگ عنوان کے تحت بیان کیا جا رہا ہے۔ یہ اسباب تعداد میں کل چار ہیں۔ ذیل میں ان کی مختصر سی وضاحت کی جا رہی ہے۔

1.3.1 سبائی تحریک

ایک نو مسلم یہودی عبداللہ بن سبا سے منسوب یہ تحریک تاریخی اعتبار سے بہت اہمیت رکھتی ہے۔ عبداللہ بن سبا نے حضرت عثمانؓ کے عہد میں اسلام قبول کیا تھا اور بعد میں وہ حضرت عثمانؓ کے خلاف چل رہی تحریک میں شامل ہو گیا۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد ابن سبا نے حضرت علیؓ کی فوج میں شمولیت اختیار کر لی اور حضرت علیؓ کی فوج میں خلفشار پیدا کیا۔ حضرت علیؓ کی مصالحت کی تمام کوششیں کے بارے میں یہ روایت ہے کہ ان کو ابن سبا اور ان کے ہمنواؤں نے ہی ناکام بنایا تھا۔

عبداللہ بن سبا نے اہل بیت کی محبت کے نام پر مسلمانوں کے اندر غیر اسلامی نظریات کو فروغ دینے کی کوشش کی اور خاص طور پر یہ

نظریہ مسلمانوں میں رائج کیا کہ فلاں خاندان پیدائشی طور پر مقدس ہے۔ حالاں کہ اسلام اسی تصور کو مٹانے کے لیے آیا تھا لیکن اب اسلام کے نام پر وہی نسل پرستی فروغ پانے لگی۔ خاص طور پر کوفہ و بصرہ میں انہوں نے ایسے مسائل پیدا کر دیے جن کی وجہ سے عجمی افکار و نظریات رنگ و روپ بدل کر مسلمانوں میں شامل ہونے لگے۔

1.3.2 غیر مسلم عناصر

خلافت راشدہ کے ایام میں خاص طور پر حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کے دور میں اسلامی حکومت کی توسیع اس رفتار سے ہوئی تھی جس کی مثال نہیں ملتی۔ چند سالوں میں ایران، شام، مصر وغیرہ فتح ہو گئے۔ یہ علاقے کئی قدیم تہذیبوں اور مذہبوں کے مسکن تھے۔ یہاں کے باشندوں میں سے ایک بڑی تعداد تو اسلام کی تعلیمات سے متاثر ہو کر مسلمان ہو گئی۔ لیکن پھر بھی ایک تعداد ایسی تھی جو اپنے مذہب پر قائم رہی۔ ان میں سے کچھ لوگ یہ محسوس کرتے تھے کہ اسلام کے آنے سے ان کی تہذیب و ثقافت کا نقصان ہوا ہے اور اس لیے وہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرتے تھے۔ خلافت راشدہ کے زوال میں ان کی سازشوں نے بھی اہم کردار ادا کیا ہے۔ اس طرح ان طبقات نے بلاواسطہ نہ سہی لیکن بالواسطہ بنوامیہ کی حکومت قائم کرنے میں مدد کی۔

1.3.3 ناتربیت یافتہ مسلم نوجوان

خلافت راشدہ کے زوال کے لیے ایک اہم طبقہ ان نوجوانوں اور نو مسلموں کا بھی ذمہ دار ہے جو یا تو پوری طرح اسلامی تربیت کے مرحلے سے نہیں گزرے تھے یا بزعم خویش وہ اپنے آپ کو حکومت و اقتدار کا زیادہ اہل سمجھتے تھے۔ اس طرح یہ جوشیلے نوجوان فتنہ کا سبب بن گئے۔ خاص طور پر حضرت عثمانؓ کے آخری زمانے میں جو خلفشار پیدا ہوا تھا اس میں ان نوجوانوں کا بڑا دخل تھا اور آخر یہی خلفشار حضرت عثمانؓ کی شہادت کا سبب بن گیا۔ ان نوجوانوں نے بلاوجہ کے جوش میں اسلامی حکومت کی بنیادیں ہلا دیں۔

1.3.4 کوفہ اور بصرہ کے شیوخ

حضرت علیؓ نے مختلف انتظامی ضروریات کو مد نظر رکھتے ہوئے کوفہ کو دارالخلافہ بنایا تھا لیکن اہل کوفہ میں بہت سے لوگ ایسے تھے جو حضرت علیؓ کی مشکلات کا سبب بنے۔ دراصل کوفہ میں اور بصرہ میں بھی ایک طبقہ ان حضرات کا تھا جو ہر حکومت کا ساتھ بھی دیتے تھے اور ہر حکومت کی جڑ بھی کاٹتے تھے۔ یہاں کے لوگوں نے حضرت عمار بن یاسرؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ اور حضرت مغیرہ بن شعبہؓ جیسے عظیم صحابہ کرام پر نہایت اوچھے الزام لگائے تھے۔ حضرت علیؓ کو بھی ان لوگوں نے سکون سے نہ رہنے دیا۔ جب ان سے بات کی جاتی تو ہمیشہ بڑھ چڑھ کر بولتے اور جب عمل کا وقت آتا تو پیچھے ہٹ جاتے تھے۔

کوفہ و بصرہ جو حضرت علیؓ کی خلافت کے مرکز تھے ان میں بد نظمی کا اثر پوری حکومت پر پڑتا تھا۔ ان حالات نے بھی بنو امیہ کی حکومت کے قیام کے لیے راہ ہموار کی اور بالواسطہ خلافت راشدہ کے خاتمہ کا سبب بنے۔

خلافت راشدہ کا زوال اور خلافت بنوامیہ کا قیام اصلاً ایک ہی بات ہے۔ خلافت راشدہ کے زوال اور خاتمے کے بعد خلافت بنوامیہ

قائم ہو گئی۔ بنو امیہ کی خلافت ان مصالح اور ان خصائص سے خالی تھی جو خلافت راشدہ کا حصہ تھے۔ بنو امیہ کی خلافت موروثی تھی اور اسی طرح کی تھی جس طرح کی حکومتیں اس سے قبل ساری دنیا میں قائم رہیں تھیں اور عرب کے باہر اس زمانے میں بھی قائم تھیں۔ بلکہ وہی حکومت کا جبر و استبداد جس کو مٹانے کے لیے اسلام آیا تھا بتدریج وہی جبر و استبداد خلافت کے نام پر واپس لوٹنے لگا اور رفتہ رفتہ خلافت کا پورا نظام اسی آمرانہ ملوکیت میں رنگا جانے لگا۔

دنیا میں حکومت و اقتدار کی داستان اتنی ہی طویل ہے جتنی خود انسان کی داستان ہے۔ انسان نے اول دن سے ہی مشکلات پر قابو پانے، خطرات سے بچنے اور اپنے نظام کو بہتر طریقے سے چلانے کے لیے حکومت کا ادارہ تشکیل دیا، حکومت کے اس ادارے میں انبیاء کے بعد اگر سب سے اچھا کوئی نظام قائم ہوا تو وہ خلافت راشدہ کا دور ہے۔ لیکن یہ بے مثال نظام حکومت بھی آخر ایک دن ختم ہو گیا اور حکمرانوں کے لیے ایسی مثال چھوڑ گیا جس پر شاید ہی کوئی دوسری مثال قائم ہو سکے۔

1.4 بنو امیہ کی خلافت کا استحکام

بنو امیہ کی خلافت اگرچہ قائم ہو گئی تھی اور حضرت امیر معاویہؓ نے اس کو بہت کامیابی سے چلایا بھی تھا، لیکن حکومت کا استحکام زیادہ دن نہیں چلا امیر معاویہ کی وفات کے بعد صرف چار سال میں یہ حال ہو گیا تھا کہ گویا بنو امیہ کی حکومت ختم ہو جائے گی لیکن بنو امیہ میں سے ہی ایک دوسرے خاندان نے حکومت کی باگ ڈور سنبھالی اور اس کو از سر نو استوار کیا۔

بنو امیہ کے اس دوسرے خاندان کے بانی مروان بن حکم تھے۔ چوں کہ بنو امیہ کے دور میں حکومت اصلاً انہی دو خاندانوں نے کی ہے اس لیے اس حکومت کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے ایک سفیانی دور کہلاتا ہے اور دوسرا مروانی دور کہلاتا ہے۔ سفیانی دور میں صرف تین خلیفہ ہوئے امیر معاویہ (بیس سال) یزید (چار سال) اور معاویہ بن یزید (تین مہینے) اس آخری سفیانی خلیفہ نے تین مہینے خلافت کی مسند پر متمکن رہنے کے بعد استعفی دے دیا تھا۔ بنو امیہ کی خلافت کے دوسرے دور کے بانی مروان بن حکم تھے اس لیے اس خلافت کا دوسرا دور مروانی دور کہلاتا ہے اوپر مذکور تین خلفا کے علاوہ بنو امیہ کے باقی تمام خلفاء اسی خاندان میں ہوئے ہیں۔

1.4.1 امیر معاویہؓ (641ء تا 680ء)

امیر معاویہ بنو امیہ کے پہلے خلیفہ ہیں۔ خلیفہ بننے سے پہلے وہ شام کے امیر تھے۔ حضرت عمرؓ نے ان کو شام کا امیر مقرر کیا تھا۔ ان کے امیر بننے سے پہلے ان کے بھائی یزید بن ابی سفیان شام کے امیر تھے۔ اس طرح یہ کہہ سکتے ہیں کہ شام کی سیاست پر ان کی گہری نگاہ تھی اور وہ وقت کے بھی بڑے نبض شناس تھے۔ شام میں حکومت کرنے کا بیس سالہ تجربہ پہلے کا تھا۔ شام کے لوگ بھی امیر معاویہؓ پر بھروسہ کرتے تھے اور جی جان سے ان کے ساتھ تھے۔ اس لیے جب حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد حضرت علیؓ نے ان کو معزول کیا تو انہوں نے اس کو قبول نہیں کیا۔ ان کو بھروسہ تھا کہ شام کے سارے لوگ ان کا ساتھ دیں گے۔ ہوا بھی یہی شام کے لوگوں نے امیر معاویہ کی غیر مشروط حمایت کی۔ بعد کے حالات ایسے ہوتے گئے کہ امیر معاویہ شام کے علاوہ مصر کے بھی حاکم بن گئے اس کا اجمالی تذکرہ اوپر آچکا ہے۔

حضرت امام حسنؓ نے جب امیر معاویہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی تو اس کے بعد امیر معاویہ پوری اسلامی دنیا کے خلیفہ بن گئے۔ خلیفہ بننے کے بعد شروع میں ان کے سامنے بہت سے چیلنج تھے۔ داخلی طور پر بھی اس وقت ملک بہت سے مسائل سے دوچار تھا اور خارجی طور پر بھی۔ امیر معاویہ کو درپیش ان مسائل کو اس طرح ترتیب وار ذکر کیا جا سکتا ہے

داخلی مسائل　　خارجی مسائل　　انتظامی مسائل

داخلی مسائل میں تین اہم مسائل تھے ایک خوارج کی بغاوت دوسرے شیعان علیؓ کی مخالفت اور تیسرے نمبر پر کچھ نئے مفتوحہ علاقوں میں بغاوتیں۔ امیر معاویہ نے ان تمام خطرات کا بڑی دانشمندی سے مقابلہ کیا۔ مثلاً خوارج کے فتنہ کو روکنے لیے انہوں نے یہ پالیسی اپنائی کہ ایک طرف تو عرب قبائل کے سرداروں کو اپنے ساتھ ملا کر ان کو آمادہ کیا کہ وہ اپنے اپنے قبائل میں نوجوانوں کو اس تحریک کا حصہ بننے سے روکنے کی کوشش کریں دوسری طرف حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کو کوفہ کا امیر بنا کر ان کے ذمہ یہ کام بھی دیا کہ وہ فوجی طاقت کا استعمال کر کے خوارج کی شورش کو ختم کر دیں۔ انہوں نے بڑی بہادری سے ان گروہوں کا مقابلہ کیا۔ اسی کا اثر تھا کہ امیر معاویہ کے زمانے میں عام طور پر خوارج کو زیادہ پھیلنے کا موقع نہیں ملا۔ دوسرا مسئلہ شیعانِ حضرت علیؓ کا تھا۔ اس کو بھی امیر معاویہ نے بڑی حکمت سے حل کیا۔ اسی طرح ملک میں پھیلی ہوئی بغاوتوں کو بھی مختلف فوجی سرداروں کے ذریعے فرو کیا۔

خارجی مسائل میں سب سے بڑا مسئلہ رومی حکومت کا تھا۔ امیر معاویہ اور حضرت علیؓ کی جنگ کے دوران رومی یا بازنطینی بادشاہ کو اپنی طاقت مجتمع کرنے کا موقع ملا اور اس نے عالم اسلام کے ہنگامی حالات کا فائدہ اٹھانے کی کوشش کی، لیکن حضرت معاویہؓ کے سخت رویے کی وجہ سے عالم اسلام پر حملے کی ہمت نہیں ہوئی۔ جب حضرت معاویہؓ پورے عالم اسلام کے خلیفہ بن گئے تو انہوں نے رومی خطرے کو سنجیدگی سے لیتے ہوئے ایک مستقل فوج بنائی جس کا کام صرف مسلم دنیا کی شمالی سرحد کو رومی حملوں کے خطرات سے بچانا تھا۔ اس کے علاوہ افریقی محاذ پر بھی انہوں نے عقبہ بن نافع کی سربراہی میں ایک مضبوط فوج بھیجی۔ اس فوج نے وہاں بہترین انتظام کیا اور قیروان کے مقام پر ایک فوجی چھاؤنی بھی بنائی۔

ملک کے نظم و نسق اور انتظام کو بہتر بنانے کے لیے امیر معاویہؓ نے خصوصی توجہ دی اور اس وقت کے موجود محکموں کی کارکردگی کو بہتر بنانے کے علاوہ بعض نئے محکمے بھی قائم کیے۔ مثال کے طور پر انہوں نے دیوان الخاتم کا ایک نیا محکمہ قائم کیا، اسی طرح انہوں نے مستقل فوج یعنی باضابطہ تنخواہ دار فوج کا بھی تقرر کیا۔ مالیات کے محکمہ کو بھی ترقی دی۔ ان کے حسن انتظام سے جلد ہی اندرون ملک امن و اطمینان قائم ہو گیا۔ انتظام حکومت بھی بہتر ہو گیا۔

امیر معاویہؓ جب دنیا سے گئے تو اس وقت تک پورے عالم اسلام میں ہر طرح سے امن تھا، خارجی خطرات بالکل ختم ہو گئے تھے داخلی طور پر حکومت بہت مستحکم ہو گئی تھی۔ پورے ملک میں امن و عافیت تھی اور بغاوت وغیرہ بالکل نہیں تھی۔ امیر معاویہؓ کا دور بنو امیہ کے لیے اہم ترین دور ہے۔ اس دور میں ہی اس خاندان کی حکومت کی بنیاد قائم ہوئی اور مستحکم ہوئی۔

یزید اول (680تا683)

حضرت معاویہؓ نے اگرچہ ایک عظیم حکومت قائم کی تھی اور اس کو بہت مستحکم بنیادوں پر استوار کر دیا تھا لیکن ان کے نامزد جانشین یزید بن معاویہ نے گویا اس مستحکم اور پائیدار حکومت کی بنیادیں ہلا دیں۔ یزید کے چار سالہ دور میں کئی نہایت افسوس ناک واقعات ہوئے جن میں سب سے بڑا حادثہ امام حسینؓ کی شہادت کا تھا۔ اس کے علاوہ بھی ایسے واقعات پیش آئے جن سے پورا عالم اسلام منتشر ہو گیا خاص طور پر امام حسینؓ کی شہادت نے سب کو بے چین کر دیا اور لوگ امام حسین کی شہادت کا بدلہ لینے کی کوشش کرنے لگے۔ جگہ جگہ بغاوت کی سی کیفیت پیدا ہو گئی۔ اسی درمیان میں یزید کی موت ہو گئی۔

یزید کے انتقال کے بعد مکہ مکرمہ میں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے اپنی خلافت کے لیے بیعت لینی شروع کی اور دمشق میں یزید کے بعد معاویہ بن یزید تخت نشیں ہوئے لیکن کچھ ہی مہینہ میں خلافت سے مستعفی ہو گئے تو وہاں تین دعوے دار ہو گئے ایک مروان بن حکم دوسرے عمر بن سعید بن عاص اور تیسرے خالد بن یزید۔ اس جھگڑے کو ختم کرنے کے لیے جابیہ کے مقام پر ان تمام اختلاف کرنے والے گروہ جمع ہوئے اور انہوں نے صلح کی، اس صلح کے مطابق یہ طے پایا کہ پہلے خلیفہ مروان ہوں گے اور ان کے بعد دوسرے دعوے دار خلیفہ ہوں گے۔ جابیہ کی صلح کے مطابق حکومت مروان کو مل گئی لیکن ابھی اس صلح کی روشنائی خشک بھی نہیں ہو پائی تھی کہ بعض گروہ ان کے خلاف کھڑے ہو گئے۔ چوں کہ مروان خلیفہ بن چکے تھے اور بنو امیہ کی فوج ان کی ماتحتی میں آچکی تھی، انہوں نے اپنی فوج کی مدد سے باغیوں کو شکست دی اور ساتھ ہی جابیہ کی صلح کی شرائط کو بھی کالعدم قرار دے کر ایک نئی وصیت کی جس کے مطابق مروان کے بعد ان کے بڑے بیٹے عبدالملک بن مروان خلیفہ ہوں گے اور ان کے بعد ان کے دوسرے بیٹے عبدالعزیز خلیفہ ہوں گے۔ نو ماہ حکومت کرنے کے بعد خلیفہ مروان کا انتقال ہو گیا۔

عبدالملک بن مروان خلیفہ ہوئے تو ان کے سامنے داخلی اور خارجی مسائل کے طوفان سر اٹھائے کھڑے تھے۔ ایک طرف حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی خلافت پورے حجاز اور عراق میں قائم ہو چکی تھی دوسری طرف خوارج نہایت طاقت کے ساتھ ابھر آئے تھے تیسری طرف رومی حکمراں کو موقع مل گیا اس نے بھی عالم اسلام پر چڑھائی کر دی اور ساتھ ہی بنو امیہ کے مفتوحہ علاقوں میں اور بعض دوسرے علاقوں میں بھی متعدد بغاوتیں اٹھ کھڑی ہوئیں تھیں۔

عبدالملک بن مروان کو قدرت کی طرف سے باصلاحیت عامل اور کام کرنے والے لوگ ملے۔ ان کارندوں اور امیروں کی مدد سے انہوں نے تمام مشکلات پر قابو پالیا اور اپنے بیس سالہ عہد حکومت میں بنو امیہ کی خلافت کو پہلے سے بھی زیادہ مضبوط اور مستحکم بنا دیا۔ عبدالملک کے بارے میں آپ اگلی اکائیوں میں تفصیل سے پڑھیں گے۔

عبدالملک بن مروان کے بعد ولید بن عبدالملک حکمراں بنے۔ ان کا دور امن وامان کا زمانہ تھا۔ وہ بڑے فیاض فاتح اور رفاہ عامہ کے کاموں میں دلچسپی لیتے تھے۔ انہیں عظیم سلطنت ورثہ میں ملی تھی۔ خوش قسمتی سے اپنے زمانے کے بہترین سپہ سالار حجاج بن یوسف، طارق بن زیاد، قتیبہ بن مسلم اور محمد بن قاسم ان کے ساتھ تھے۔ جن کی بدولت فتوحات کا ایسا سلسلہ شروع ہوا جس سے عہد فاروقی کی یاد تازہ ہو گئی۔

ولید کا زمانہ بنوامیہ کی حکومت کے لیے بہت اہم رہا۔ اس زمانے میں زیادہ تر نئی فتوحات ہوئیں اس لیے داخلی طور پر زیادہ مسائل نہیں پیدا ہوئے تھے۔ جس کی بنا پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ ولید کا دور بنوامیہ کے عہد کا سب سے مستحکم دور رہا ہے۔ ولید کے کارناموں اور ان کے عہد کا آپ اگلی اکائیوں میں تفصیلی مطالعہ کریں گے۔

ولید کے بعد سلیمان بن عبدالملک پھر عمر بن عبدالعزیز اور ان کے بعد ہشام بن عبدالملک اس دور کے بڑے اور قابل ذکر حکمراں ہوئے ہیں۔ انہوں نے بھی بنوامیہ کی حکومت کو استحکام بخشنے اور اس کو وسیع کرنے میں اہم کردار نبھایا۔ ہشام بن عبدالملک آخری قابل ذکر اموی خلیفہ ہوئے ہیں جو اپنے عہد حکومت کے تقریباً پونے بیس برس مسلسل اس کوشش میں مصروف رہے کہ بنوامیہ کی رو بہ زوال حکومت کو تباہی سے بچا سکیں۔ ان کی یہ طویل جد وجہد ہمت و شجاعت اور حوصلہ و تدبر کی ایک شاندار داستان ہے۔ ان کے بعد بنوامیہ کو اچھے حکمراں نصیب نہیں ہوئے اور بنوامیہ کی حکومت زوال پذیر ہو گئی۔

1.5 فرہنگ

- خوارج: اس کا واحد خارجی ہے، حضرت علیؓ کے خلاف بغاوت ان کی فوج سے نکلے تھے، یعنی خارج ہوئے تھے، اس لیے ان کو خارجی کہا جاتا ہے۔ ان کے دوسرے نام الشراۃ، الحروری اور المحکمۃ وغیرہ ہیں۔ یہ مسلمانوں کا پہلا سیاسی اور مذہبی فرقہ ہے۔
- تحکیم: کسی متنازع فیہ مسئلہ میں کسی کو فیصل بنانا یا ثالث بنانا تاکہ کوئی ایسا فیصلہ کیا جا سکے جو دونوں فریق کو قابل قبول ہو۔
- عام الجماعۃ: اجتماع کا سال۔ اس سال حضرت حسنؓ نے امیر معاویہؓ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی اور اس بیعت کے بعد پھر سے عالم اسلام ایک ہی حکومت کے تحت ہو گیا تھا اس لیے اس کو عام الجماعۃ کہتے ہیں۔
- دارالخلافہ: خلافت اسلامیہ کا مرکز، دارالحکومت۔
- قصاص: بدلہ/انتقام، اسلام شریعت میں قصاص سے مراد برابر کا بدلہ ہے، جس کی بناء پر معاشرے میں انصاف کا قیام ممکن ہے۔

1.6 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے درج ذیل نکات سیکھے:

- خلافت بنوامیہ دراصل خلافت راشدہ کے خاتمے کے بعد قائم ہوئی۔ دونوں خلافتوں میں اگرچہ جوہری نوعیت کا فرق ہے لیکن دونوں کو خلافت ہی کہا جاتا ہے۔
- خلافت راشدہ کے آخری دور میں یعنی حضرت عثمانؓ کے آخری ایام اور حضرت علیؓ کے پورے دور خلافت میں کئی ایسے اہم واقعات پیش آئے جن کے زیر اثر خلافت راشدہ کا خاتمہ ہو گیا اور خلافت بنوامیہ قائم ہو گئی۔ خلافت راشدہ کے زوال کے لیے دو طرح کے اسباب ذمہ دار ہیں۔ ایک داخلی اور دوسرے خارجی۔ داخلی اسباب میں حضرت عثمان کی شہادت، جنگ جمل، جنگ صفین، جنگ نہروان، خوارج کا ظہور، حضرت علیؓ کی شہادت اور امام حسنؓ کا خلافت سے دستبرداری کا اعلان اہم ہیں۔ خارجی اسباب میں غیر تربیت یافتہ مسلم

نوجوانوں کی ریشہ دوانیاں، غیر مسلم طبقات، کوفہ وبصرہ کے شیوخ کی سازشیں اور سبائی تحریک وغیرہ شامل ہیں۔

- تحکیم کا واقعہ اپنے نتائج کے اعتبار سے بہت خطرناک ثابت ہوا۔ اس کے نتیجہ میں خوارج جیسا انتہا پسند فرقہ وجود میں آیا اور اس کے نتیجے میں حضرت علیؓ کی طاقت بتدریج کم ہوتی چلی گئی اور امیر معاویہؓ کو طاقت حاصل ہوتی چلی گئی۔
- حضرت امام حسنؓ کے خلافت چھوڑ دینے کے بعد امیر معاویہ کے سامنے کوئی رکاوٹ باقی نہیں رہی اور انہوں نے نہایت آسانی کے ساتھ پورے عالم اسلام پر اموی حکومت قائم کر دی اور بیس سال حکومت کرنے کے بعد اپنے بیٹے یزید کو اپنا جانشیں بنا دیا۔ اس طرح خلافت ملوکیت میں تبدیل ہو گئی۔
- بنو امیہ کی حکومت حکومت کے استحکام میں کئی لوگوں کی خدمات ہیں۔ خاص طور پر امیر معاویہؓ، عبدالملک بن مروان، ولید بن عبدالملک اور ہشام بن عبدالملک کی خدمات اس سلسلے میں اہم اور قابل ذکر ہیں۔

1.7 نمونہ امتحانی سوالات

1.7.1 معروضی جوابات کے متقاضی سوالات

1. حضرت حسنؓ نے کس کے ہاتھ پر بیعت کی؟

(a).امیر معاویہ (b).عبداللہ بن زبیرؓ (c).یزید (d).حضرت عائشہؓ

2. تحکیم کے دوران حضرت علیؓ کے نمائندے کون تھے؟

(a) عمرو بن العاصؓ (b).ابو موسیٰ اشعریؓ (c).محمد بن ابو بکر (d).حضرت عثمانؓ

3. سفیانی اور مروانی کس حکومت کے ادوار ہیں؟

(a).خلافت بنو عباس (b).خلافت راشدہ (c).خلافت بنو امیہ (d).خلافت عثمانیہ

4. خلافت راشدہ کتنے زمانے تک قائم رہی؟

(a). 30سال (b). 40سال (c). 20سال (d) .90سال

5. خلافت بنو امیہ کے بانی کون ہیں؟

(a).حضرت حسن (b).امیر معاویہ (c).السفاح (d).یزید

1.7.2 مختصر جوابات کے متقاضی سوالات

1. حضرت علیؓ نے اپنا دارالحکومت کیوں تبدیل کیا؟ واضح کیجیے۔
2. حضرت عثمان کی شہادت کا واقعہ بیان کیجیے۔
3. تحکیم کے واقعہ پر مختصر روشنی ڈالیے۔

4. خلافت بنوامیہ کے قیام کے انتظامی اسباب پر نوٹ تحریر کیجیے۔
5. حضرت امام حسن اور حضرت معاویہ کے درمیان کن شرائط پر صلح ہوئی۔

1.7.3 طویل جوابات کے متقاضی سوالات

1. بنوامیہ کے قیام واستحکام پر ایک جامع مضمون قلمبند کیجیے۔
2. خلافت بنوامیہ کے قیام کے داخلی اسباب پر ایک تجزیاتی مضمون تحریر کیجیے۔
3. خلافت بنوامیہ کے قیام کے خارجی اسباب پر تبصرہ کیجیے۔

1.8 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1. تاریخ اسلام : شاہ معین الدین احمد ندوی/اکبر شاہ نجیب آبادی/ڈاکٹر حمید الدین
2. تاریخ تہذیب اسلامی : پروفیسر یٰسین مظہر صدیقی
3. ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ : ثروت صولت
4. تاریخ ملت : مفتی زین العابدین سجاد میرٹھی اور مفتی انتظام اللہ شہابی اکبر آبادی

معروضی سوالات کے جوابات

1. A	2. B	3. C	4. A	5. B

اکائی2: اہم حکمراں حصہ اول: حضرت امیر معاویہؓ

اکائی کے اجزا:

2.0 تمہید

2.1 مقاصد

2.2 امیر معاویہؓ:(605-680 AD) مختصر سوانح حیات

2.3 امیر معاویہؓ کی اہم خدمات

2.3.1 عہد نبوی اور عہد خلفائے راشدین میں خدمات

2.4 امیر معاویہؓ کی بہ حیثیت خلیفہ خدمات

2.4.1 اسلامی حکومت کا استحکام

2.4.2 فتوحات

2.4.3 صوبوں کی تقسیم

2.4.4 بری اور بحری فوج کی ترقی

2.4.5 پولیس کے شعبہ میں ترقی

2.4.6 برید ڈاک کے شعبہ میں ترقی

2.4.7 دیوان خاتم

2.4.8 رفاہی اور عمومی خدمات

2.4.9 مذہبی خدمات

2.5 فرہنگ

2.6 اکتسابی نتائج

2.7 نمونہ امتحانی سوالات

2.7.1 معروضی جوابات کے متقاضی سوالات
2.7.2 مختصر جوابات کے متقاضی سوالات
2.7.3 طویل جوابات کے متقاضی سوالات
2.8 تجویز کردہ اکتسابی مواد

2.0 تمہید

عزیز طلبہ آپ نے پچھلی اکائی میں حضرت امیر معاویہؓ کے ذریعے قائم ہونے والی اموی حکومت کے اسباب کی تفصیل پڑھی۔ یہ بھی جانا کہ اموی حکومت 41ھ بمطابق 661 میں قائم ہوئی اور اس کا خاتمہ 132ھ بمطابق 750 میں ہوا۔ اس میں کل چودہ (14) حکمراں ہوئے۔ اس حکومت میں یکے بعد دیگرے خاندان بنوامیہ کے دو خاندانوں نے حکومت کی۔ اول خاندان حضرت امیر معاویہؓ بن ابی سفیانؓ کا تھا، اس لیے وہ سفیانی خاندان کے نام سے مشہور ہے۔ دوسرا مروان بن الحکم کا خاندان تھا جس میں نہایت اہم حکمراں ہوئے۔ اس اکائی میں ہم اموی حکومت کے بانی حضرت امیر معاویہؓ کی حیات و خدمات کا جائزہ لیں گے۔

2.1 مقاصد

اس اکائی کا مقصد ہے کہ آپ:

- حضرت امیر معاویہؓ کے ذاتی احوال سے واقفیت حاصل کر سکیں گے۔
- امیر معاویہؓ کی نبی ﷺ اور خلفائے راشدین کے دور میں انجام دی گئی خدمات پر گفتگو کر سکیں گے۔
- اموی حکومت کے قیام و استحکام میں ان کے کردار پر روشنی ڈال سکیں گے۔
- بحیثیت خلیفہ امیر معاویہ کے کارناموں پر تبادلہ خیال کر سکیں گے۔
- آخر میں امیر معاویہؓ پر لگائے الزامات کی حقیقت کا تنقیدی جائزہ لے سکیں گے۔

2.2 امیر معاویہؓ: (605-680 AD) مختصر سوانح حیات

پہلے اموی خلیفہ کا نام معاویہؓ تھا اور ابو عبدالرحمن کنیت تھی۔ ان کے والد کا نام ابو سفیانؓ تھا۔ ان کا سلسلہ نسب یہ ہے: معاویہ بن صخر (ابو سفیان) بن حرب بن امیہ بن عبد شمس بن مناف بن قصی قرشی اموی۔ والدہ کا نام ہندہ تھا اور ان کا شجرہ نسب یہ ہے: ہندہ بنت عتبہ بن ربیعہ بن شمس بن عبد مناف بن قصی قرشیہ امویہ۔ حضرت امیر معاویہؓ کا شجرہ نسب پانچویں پشت پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مل جاتا ہے۔ ان کا خاندان ''بنوامیہ'' اسلام سے قبل بھی قریش میں معزز اور ممتاز تھا۔ ان کے والد ابو سفیان قریش کے قومی نظام میں ''عقاب'' یعنی

علم برداری کے عہدے پر فائز تھے اور آغاز بعثت سے فتح مکہ تک اسلام کے سخت دشمن رہے۔ چنانچہ آپؐ اور صحابہ کرام کی ایذا رسانی اور اسلام کی بیخ کنی میں کوئی امکانی کوشش باقی نہیں رکھی۔ اس زمانے میں اسلام کے خلاف جتنی بھی تحریکیں وجود میں آئیں، ان سب میں اعلانیہ یا درپردہ ابوسفیان کا ہاتھ ضرور ہوتا تھا۔ اسی دور میں وہ مشرکین مکہ کی جانب سے سپہ سالاری کے عہدے پر فائز ہوئے اور مسلمانوں کے خلاف جنگوں میں وہ پیش پیش رہے، لیکن یہ ان کی خاندانی مخالفت کا نتیجہ نہیں تھا، بلکہ یہ ان کی فوجی اور منصبی ذمے داری، اسلام کی مخالفت اور آپؐ سے مذہبی دشمنی کا نتیجہ تھا۔

امیر معاویہؓ بعثت نبوی سے پانچ سال پہلے یعنی 605ء میں مکہ معظمہ میں پیدا ہوئے، متعدد مؤرخین نے پیدائش کی تاریخ بعثت نبوی سے سات اور تیرہ سال قبل بھی بتائی ہے۔ علامہ برہان الدین حلبیؒ کے مطابق امیر معاویہؓ آپؐ سے چونتیس سال چھوٹے تھے۔ معاویہ کے معنی ہیں ''لوگوں کو آواز دینے والا''، بعض افراد نے اس کو خراب ناموں میں شمار کرنے کی کوشش کی ہے، لیکن قابل غور بات یہ ہے کہ آپؐ نے ان کا نام تبدیل نہیں کیا، جب کہ آپؐ غلط ناموں کو فوراً تبدیل کر دیتے تھے۔ آپؓ کی شکل وصورت میں کشش اور جاذبیت تھی۔ رنگ سرخ وسفید کا امتزاج، سرو قد، لحیم و شحیم، وضع قطع اور چال ڈھال میں ایک خاص قسم کا رعب اور تمکنت، چہرہ کتابی اور آنکھیں بڑی اور موٹی، صورت وجیہ، بظاہر شان وشوکت اور تمکنت کے ساتھ ساتھ مسکنت کا بہترین امتزاج تھا۔

حضرت امیر معاویہؓ کے اسلام لانے کے اس حوالے سے مؤرخین اور سیرت نگاروں میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ ایک طبقے کا ماننا ہے کہ وہ اپنے والد کے ساتھ ہی فتح مکہ کے موقع پر اسلام لائے، جب کہ دوسرے طبقے کا ماننا ہے کہ وہ صلح حدیبیہ کے بعد ہی اسلام کی چھاؤں میں داخل ہو گئے تھے، لیکن بعض وجوہ کی بنا پر انہوں نے اسلام لانے کا اعلان نہیں کیا، ایک وجہ یہ تھی کہ اس وقت مشرکین مکہ کی جانب سے مسلمانوں پر بڑی سختی تھی، نیز ان پر گھریلو ماحول کا بھی دباؤ تھا۔ پھر جب مکہ مسلمانوں نے فتح کر لیا اور ان کے والد حضرت ابوسفیانؓ ایمان لے آئے تو انہوں نے بھی اسلام قبول کرنے کا اعلان کر دیا۔ اسلام قبول کرنے سے قبل بھی امیر معاویہؓ نے خود کو اسلام دشمنی سے محفوظ کر رکھا تھا، چنانچہ حوالے سے تاریخ میں اب تک یہ ثابت نہیں ہو سکا کہ حضرت ابوسفیان کے خاندان یا ان کے فرزندوں خاص کر یزید بن ابی سفیان اور معاویہ بن ابی سفیانؓ نے اسلام کے خلاف کسی جنگ یا مخالفت میں حصہ لیا ہو۔

حضرت امیر معاویہؓ کے فضائل میں متعدد احادیث موجود ہیں، جیسے نبی ﷺ نے ان کی نسبت سے فرمایا: ''الٰہی معاویہ کو ہدایت کرنے والا اور ہدایت یافتہ بنا دے۔'' (ترمذی)۔ امیر معاویہؓ کا شمار کاتبین وحی میں بھی ہوتا ہے۔ آپ ان تحریروں کو بھی لکھا کرتے تھے جو آپؐ اور اہل عرب کے درمیان ہوتی تھیں، یعنی اس میں وحی اور غیر وحی دونوں شامل ہیں۔ وہ آپؐ کی طرف سے مقرر کردہ مراسلہ نویس بھی تھے، چنانچہ باہر سے آنے والے مراسلات آپؐ کو پڑھ کر سنایا کرتے تھے۔ اسی طرح آپؐ نے انہیں مدینہ منورہ میں باہر سے آنے والے وفود کی خاطر مدارات اور قیام وطعام وغیرہ کے انتظام وانصرام کی ذمے داری بھی دے رکھی تھی۔ ایک حدیث میں آپؐ نے فرمایا کہ میری امت کا جو لشکر سب سے پہلے بحری جنگ لڑے گا، جنت اس کے لیے واجب ہو گئی۔ (بخاری ومسلم) اور تاریخ کے مطابق مسلمانوں کا سب سے پہلا بحری لشکر جس نے قبرص فتح کیا، اس کی قیادت حضرت امیر معاویہؓ نے کی۔ حضرت امیر معاویہؓ سے 163/احادیث مروی ہیں، ان کو بعد میں ابن

عباسؓ، ابن عمرؓ، ابن زبیرؓ، ابودرداءؓ، ابن المسیب اور حمید بن عبدالرحمن وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ اسی طرح متعدد صحابہ کرام نے امیر معاویہؓ کی اہمیت وصلاحیت کا اعتراف کیا ہے، جیسے حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا کہ تم قیصر و کسریٰ کی دانائی، سیاست اور فہم و فراست کا تذکرہ کرتے ہو، حالانکہ تمہارے پاس معاویہؓ جیسا ایک دانش مند، زیرک اور مدبر انسان موجود ہے۔ انہوں نے امیر معاویہؓ کو تو ''عرب کے کسریٰ'' کا خطاب دیا تھا۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے کسی نے حضرت معاویہؓ کی نسبت دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ ان کا حلم غصہ کے لیے تریاق تھا اور ان کی سخاوت زبانوں پر قفل لگا دیتی تھی، ان کو دلوں کو جوڑنا خوب آتا تھا اور یہی ان کے استحکام حکومت کا سبب ہوا۔

دینی علوم میں امیر معاویہؓ کا ایک خاص مقام تھا۔ قرآن وسنت میں گہرائی اور گیرائی کی وجہ سے ان کا شمار وقت کے بڑے مفتیان کرام میں ہوتا تھا۔ متعدد عظیم صحابہ کرام ان کے ''تفقہ فی الدین'' کے قائل نظر آتے ہیں۔ جب عبداللہ بن عباسؓ سے معاویہؓ کے ایک وتر پڑھنے کے حوالے سے پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ امیر معاویہؓ نے درست کہا اور یقیناً وہ ایک فقیہ ہیں۔ اسی طرح انہوں نے ایک سوال کے جواب میں فرمایا: ''جو کچھ امیر معاویہؓ نے کیا، صحیح کیا اور ہمارے درمیان ان سے بڑھ کر کوئی عالم نہیں''۔ امیر معاویہؓ کا روزمرہ کا معمول تھا کہ رات کے ایک تہائی حصے تک اخبار عرب، ایام عرب و عجم، ملوک عجم اور ان کی سیاست، بادشاہان عالم کی جنگوں، مکاریوں اور گزشتہ امتوں کے حالات اور ان کے انجام وغیرہ کا مطالعہ کرتے رہتے تھے۔ ان کے سامنے ایسی کتابیں پڑھی جاتی تھیں جن میں بادشاہوں کی سوانح، ان کی عادات، حالات اور واقعات ہوتے تھے۔ انہوں نے اس کام کے لیے بعض افراد کو متعین کیا تھا جو ان کے سامنے پڑھتے اور وہ سنا کرتے تھے، اس طرح ہر رات سے انہیں سیاست اور دیگر موضوعات سے متعلق نئی نئی باتیں معلوم ہوتی رہتی تھیں۔ ان کی ایک بڑی صفت یہ بھی تھی کہ وہ ایک اچھے اور ماہر خطیب تھے۔ وہ بڑی ہی فصاحت و بلاغت اور دلائل کے ساتھ اپنی بات کیا کرتے تھے، چنانچہ اس کی وجہ سے ان کے دشمن ان کے دوست بن جاتے اور نفرت محبت میں تبدیل ہو جاتی تھی۔ شاعری عربوں کا خاص فن ہے، معاویہؓ کو شعر و شاعری کا نہایت اچھا ذوق تھا۔ وہ شعر کو تہذیب اخلاق کا بہترین ذریعہ سمجھتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ مرد پر اپنی اولاد کی تادیب فرض ہے اور ادب کا بلند مرتبہ شعر ہے، اس لیے تم لوگ شعر کو اپنا سب سے بڑا مطمح نظر بناؤ اور اس کی عادت ڈالو۔ میں لیلۃ الہریر میں سخت مصیبت کی وجہ سے بھاگنے کو تھا، لیکن اس رات کو صرف عمرو بن الاطنابہ کے اشعار نے مجھے ثابت قدم رکھا۔

امیر معاویہؓ نہایت ہی خدا ترس اور فکر آخرت رکھنے والے انسان تھے۔ آخرت کے مواخذے کی فکر ہمیشہ ان کے ذہن پر چھائی رہتی تھی۔ اس حوالے سے اور خشیت الٰہی سے متعلق بھی ان کے متعدد واقعات تاریخ کی کتابوں میں موجود ہیں۔ ان کے بعض اخلاقی اصول تھے، ان اصولوں سے ان کے اخلاق و کردار کا پتہ چلتا ہے۔ وہ فرماتے تھے کہ میں اپنے نفس کو اس سے بلند دیکھنا چاہتا ہوں کہ میرا گناہ میرے عفو سے، میرا جہل میرے علم سے زیادہ ہو یا کسی کا عیب اپنے عیب پردہ میں نہ چھپاؤں، یا میری برائی میری بھلائی سے زیادہ ہو، شریف کے لیے زینت پاک دامنی ہے۔ اسی طرح وہ کہتے تھے کہ خدا نے بندوں کو جو نعمتیں عطا کی ہیں، ان میں سب سے افضل عقل اور حلم ہے، اس کی وجہ سے جب آدمی کو کوئی یاد کرتا ہے، تو وہ بھی اس کو یاد کرتا ہے اور جب کوئی اس کو دیتا ہے تو وہ اس کا شکر ادا کرتا ہے، اور جب مصیبت میں مبتلا ہوتا ہے تو صبر سے کام لیتا ہے، اور جب غصہ آتا ہے تو پی جاتا ہے، اور جب قابو پاتا ہے تو درگذر سے کام لیتا ہے، اور جب کوئی برائی سرزد ہوتی ہے تو اس کی

معافی چاہتا ہے، اور جب وعدہ کرتا ہے تو اس سے پورا کرتا ہے۔ عام طور پر وہ مساوات کے قائل تھے، اپنے اور عام مسلمانوں کے درمیان کوئی فرق اور امتیاز روا نہ رکھتے تھے۔ ایک مرتبہ امیر معاویہؓ باہر نکلے اور عبداللہ بن عامر اور عبداللہ بن زبیر بیٹھے ہوئے تھے۔ عبداللہ بن عامر انہیں دیکھ کر کھڑے ہو گئے اور عبداللہ بن زبیر بیٹھے رہے۔ انہوں نے ابن عامر سے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص اس سے خوش ہوتا ہے کہ خدا کے بندے اس کی تعظیم میں کھڑے ہو جائیں تو اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔ اسی طرح وہ حلم اور بردباری میں بھی بے مثال تھے۔ آپؐ نے ان کے حوالے سے فرمایا: ''معاویہؓ میری امت میں سب سے زیادہ حلیم و بردبار اور صاحب جود و سخا ہیں۔'' اس میں شبہ نہیں کہ قیام ملوکیت کے سلسلہ میں امیر معاویہؓ کو دنیاوی ابتلاء اور آزمائشوں میں مبتلا ہونا پڑا اور بہ حیثیت صحابی رسول کے اس سے اپنا دامن بچا نہیں سکے، لیکن انہیں اپنی لغزشوں کا ہمیشہ احساس رہا اور آخر وقت تک وہ اس پر نادم اور متاسف رہا کرتے تھے، چنانچہ انہوں نے اپنے مرض الموت میں کہا کہ کاش میں ذی طویٰ میں قریش کا معمولی آدمی ہوتا اور ان معاملات میں نہ پڑتا۔

حضرت امیر معاویہؓ نے متعدد شادیاں کیں۔ ایک بیوی ان کی میسول بنت بحدل بن انیف بن قنانہ کلبی تھیں۔ ان سے یزید، امۃ الرب المشارق اور رحلہ پیدا ہوئے۔ دوسری بیوی فاختہ بنت قرظہ تھیں، ان سے عبدالرحمن اور عبداللہ پیدا ہوئے۔ ان کے علاوہ ان کی دو اور بیویاں کنود بنت قرظہ اور نائلہ بنت عمارۃ الکلبہ تھیں۔ آخر الذکر کو انہوں نے طلاق دے دی تھی۔ وہ 60 ہجری میں مرض الموت میں مبتلا ہوئے، عمر کی 78 منزلیں طے کر چکے تھے، زندگی کی کوئی امید نہیں تھی، چنانچہ انہوں نے اہل خانہ سے کہا کہ 'اللہ کا خوف کرتے رہنا، کیوں کہ خوف کرنے والوں کو اللہ مصائب سے بچاتا ہے، جو اللہ سے نہیں ڈرتا اس کا کوئی مددگار نہیں'۔ اپنے ذاتی مال میں سے آدھا مال بیت المال میں داخل کرنے کا حکم دیا۔ تجہیز و تکفین سے متعلق یہ وصیت کی کہ 'رسول اللہ ﷺ نے مجھے ایک کرتا عنایت فرمایا تھا، اس کو اسی دن کے لیے میں نے محفوظ رکھا تھا، نیز آپؐ کے موئے مبارک اور ناخن شیشے میں محفوظ ہیں۔ مجھے اس کرتے میں کفنانہ اور آپؐ کے ناخن اور موئے مبارک کو میری آنکھوں اور منہ میں رکھ دینا، شاید اللہ تعالیٰ اس کے طفیل میں اور اس کی برکت سے میری مغفرت فرمادے گا'۔ ان وصیتوں کے بعد رجب 60 ہجری میں ان کا انتقال ہوا اور وصیت کے مطابق تجہیز و تدفین ہوئی۔ ضحاک بن قیسؓ نے نماز جنازہ پڑھائی اور عرب کے اس مدبر اعظم کو دمشق کی سرزمین میں سپرد خاک کیا گیا۔

2.3 امیر معاویہؓ کی اہم خدمات

حضرت امیر معاویہؓ نے سیاسی، تعلیمی، سماجی، معاشی، فوجی اور مذہبی میدانوں میں نمایاں خدمات انجام دی ہیں۔ ان کی خدمات کو آسانی کے لیے دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ پہلے حصے میں ان خدمات کا تذکرہ کیا جائے گا جب وہ خلیفہ نہیں تھے اور انہوں نے عہد نبوی اور عہد خلفائے راشدین میں اسلام اور مسلمانوں کے لیے خدمات انجام دیں اور دوسرے حصے میں ان کی بہ حیثیت خلیفہ نمایاں خدمات کا جائزہ لیا جائے گا۔

2.3.1 عہد نبوی اور عہد خلفائے راشدین میں خدمات

حضرت امیر معاویہؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری زمانے میں اسلام لائے، اس لیے انہیں آپؐ کی زندگی مبارک میں کوئی نمایاں کارنامہ دکھانے کا موقع نہ مل سکا، لیکن پھر بھی انہوں نے حنین اور طائف کے غزوات میں شرکت کی۔ اول الذکر غزوہ میں آپؐ نے انہیں مال غنیمت میں سو اونٹ اور چالیس اوقیہ سونا یا چاندی عطا کیا تھا۔ اسی زمانے میں انہیں آپؐ نے کتابت وحی کا جلیل القدر منصب عطا کیا تھا۔ وہ عہد صدیقی میں مسیلمہ کذاب کے خلاف لڑی جانے والی جنگ یمامہ میں بھی شریک ہوئے اور اسے کیفر کردار تک پہنچانے میں ان کا نمایاں کردار رہا تھا۔ وحشی بن حرب نے مسیلمہ کذاب کو نیزہ مارا اور عبداللہ بن زید انصاریؓ اور امیر معاویہؓ نے تلوار کے وار سے اس کا قتل کر دیا۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے 13 ہجری میں حضرت ابو عبیدہ بن جراحؓ کی قیادت میں شام میں برسرپیکار لشکر اسلام کی مدد کے لیے یزید بن ابی سفیانؓ کے زیر قیادت ایک لشکر دے کر بھیجا اور اس کے بعد پھر جب مدینہ میں مزید مجاہدین جمع ہوئے اور جنگ میں شمولیت کا مطالبہ کیا تو انہوں نے امیر معاویہؓ کو ان مجاہدین کا امیر نامزد کیا اور انہیں یہ حکم دیا کہ وہ اپنے بھائی کے لشکر میں شامل ہو جائیں۔

15 ہجری میں اردن کی فتح کے سلسلے میں جب حضرت ابو عبیدہؓ نے عمرو بن العاصؓ کو ساحلی علاقوں پر مامور کیا تو ان کے مقابلے کے لیے رومیوں کی ایک بڑی تعداد جمع ہو گئی۔ عمرو بن العاصؓ کی جانب سے مزید فوجی مدد مانگنے پر ابو عبیدہؓ نے یزید بن ابی سفیان کو ان کی طرف روانہ کیا اور اس امدادی دستے کے مقدمۃ الجیش کی کمان حضرت امیر معاویہؓ کے پاس تھی۔ اس مہم میں انہوں نے نمایاں کارنامے انجام دیے تھے۔ اسی طرح مرج صفر کے معرکہ میں جب عمرو بن العاصؓ کے بھتیجے خالد شہید ہوئے تو ان کی تلوار معاویہؓ کے قبضے میں آئی۔ دمشق کی تسخیر کے بعد جب یزید بن ابی سفیانؓ بحیرہ روم کے ساحلی شہروں کی طرف بڑھے اور صیدا، عرقہ، جبیل اور بیروت وغیرہ کو فتح کیا تو حضرت معاویہؓ اس پیش قدمی میں مقدمۃ الجیش کی رہبری کر رہے تھے اور خاص کر عرقہ انہی کی کوششوں سے فتح ہوا۔ حضرت عمر فاروقؓ کے آخری دور میں رومیوں نے شام کے بعض مقامات واپس لے لیے، تو معاویہؓ نے ان کو شکست دے کر دوبارہ انہیں قبضے میں لیا۔ مذکورہ بالا مقامات کی تسخیر کے بعد یزید نے باقی ماندہ علاقوں پر امیر معاویہؓ کو متعین کر دیا اور انہوں نے نہایت آسانی کے ساتھ تمام قلعے تسخیر کیے۔

حضرت عمر فاروقؓ نے قیساریہ کی مہم بطور خاص ان کے سپرد کی تھی اور اسے انہوں نے 19 ہجری میں کامیابی کے ساتھ سر کیا۔ اس معرکہ میں 80 ہزار رومی کام آئے۔ اسی ہجری میں جب امیر معاویہؓ کے بھائی یزیدؓ کا انتقال ہوا تو ان کی جگہ حضرت عمرؓ نے معاویہؓ کو دمشق کا عامل بنایا اور 1000 ماہانہ تنخواہ مقرر کی، علاقہ اردن اور دوسرے اضلاع بھی ان کی حکومت کا حصہ رہے، اسی دوران انہوں نے عسقلان بھی فتح کر لیا۔ حضرت عمرؓ جب بیت المقدس تشریف لے گئے تو امیر معاویہؓ نے بھی ان کا استقبال کیا۔ اس موقع پر عمر فاروقؓ نے ان پر اعتراض کرتے ہوئے کہا کہ تم نے شاہانہ شان و شوکت اختیار کر لی ہے اور سنا ہے کہ تم نے دربان بھی مقرر کیے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ ملک شام کی سرحدوں پر قیصر کی فوجوں سے حملہ کے خدشہ مستقل رہتا ہے اور اس کے جاسوس ملک شام میں موجود ہیں۔ قیصر اور عیسائیوں کو مرعوب رکھنے کے لیے ظاہری شان و شوکت اور قیصر کے جاسوسوں سے محفوظ رہنے کے لیے دربانوں کو ضروری سمجھتا ہوں، یہ جواب سن کر عمرؓ خاموش ہو گئے۔ پھر انہوں نے ان کی صلاحیتوں سے متاثر ہو کر انہیں پورے شام کا والی بنا دیا، البتہ بعض مؤرخین کے مطابق خلیفہ دوم نے

انہیں صرف دمشق کا گورنر بنایا تھا، پھر خلیفہ سوم نے انہیں پورے شام کا والی بنادیا تھا، اس طرح سے وہ تقریباً بیس سال تک شام کے مقبول و معروف گورنر رہے۔

امیر معاویہؓ نے عہد عثمانی میں رومیوں کے مقابلے میں بڑی زبردست فتوحات حاصل کیں۔ ان کا ایک بڑا کارنامہ مسلمانوں کا بحری بیڑا تیار کرانا ہے۔ اب تک مسلمانوں کی کوئی بحری فوج نہیں تھی اور نہ ہی ان کے پاس بحری بیڑا تھا۔ اس سمت میں سب سے پہلے امیر معاویہؓ نے پیش قدمی کی اور اسلامی تاریخ میں پہلی بار بحری بیڑا تیار کرا کے بحری حملوں کا آغاز کیا۔ انہوں نے بحری قوت کو اتنی ترقی دی کہ اس عہد میں اسلامی بحری بیڑے کا شمار وقت کے بہترین بیڑوں میں ہونے لگا تھا۔

حضرت عثمانؓ نے امیر معاویہؓ کو شام کا گورنر بنایا اور انہیں جنگی اختیارات سے بھی نوازا، ان کے اس قدم سے فتوحات اسلامی کو بہت فائدہ ہوا۔ سرحدی رومی اکثر و بیشتر مسلمانوں سے چھیڑ چھاڑ کیا کرتے تھے، ان کے خاتمے کے لیے والیِ شام نے سفیان بن مجیب ازدی کو طرابلس الشام کی فتح پر مامور کیا۔ انہوں نے اس سے چند میل دور پہلے حصن سفیان نامی ایک قلعہ تعمیر کرایا اور اس کو فوجی مرکز بنا کر رومیوں کے تمام بحری اور بری ناکے بند کرا کے طرابلس الشام کا محاصرہ کر لیا۔ بالآخر رومی نے چپکے سے قلعہ خالی کر دیا اور مسلمانوں کا اس پر قبضہ ہو گیا۔ اس قلعہ کے قبضے میں آجانے کے بعد سے آئے دن ہونے والی بغاوتوں کا خاتمہ ہو گیا۔ انہوں نے 25 ہجری میں عموریہ پر فوج کشی کی، جہاں رومیوں کے قلعے تھے، راستے میں انطاکیہ سے طرطوس تک کے تمام قلعوں پر بلا کسی مزاحمت کے مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا تھا۔ اسی طرح انہوں نے شمشاط، ملطیہ اور قبرص وغیرہ پر بھی کامیاب حملے کیے اور انہیں اسلامی مملکت کا حصہ بنادیا۔

امیر معاویہؓ نے قبرص پر حملہ 28 ہجری میں کیا تھا اور اس کے لیے انہوں نے پہلے حضرت عمرؓ سے اجازت مانگی، لیکن انہوں نے حالات موافق نہ دیکھ کر منع کر دیا، پھر انہوں نے حضرت عثمانؓ سے اجازت مانگی تو انہوں نے اجازت دے دی، بہر حال اہل قبرص نے بعض شرائط پر ان سے صلح کر لی تھی کہ سات ہزار دو سو دینار سالانہ خراج وہ مسلمانوں کو دیں گے اور اسی قدر رومیوں کو دیں گے، اس پر مسلمانوں کو کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔ اگر قبرص پر کوئی دشمن حملہ آور ہو گا تو مسلمان مدافعت کے ذمے دار ہوں گے۔ اگر مسلمان رومیوں پر حملہ کرنا چاہیں گے تو اہل قبرص ان کے اپنے جزیرے کے اندر سے گذرنے دیں گے۔ اس صلح کے چار برس بعد یعنی بتیس ہجری میں اہل قبرص نے مسلمانوں کے خلاف جنگی جہازوں سے رومیوں کی مدد کی۔ اس لیے 33 ہجری میں امیر معاویہؓ نے حملہ کر کے اسے اپنے قبضے میں لے لیا۔ افریقہ یعنی تیونس، الجزائر اور مراکش قیصر کے زیر حکومت تھے، حضرت عثمانؓ کے زمانے میں یہاں بکثرت فتوحات ہوئی تھیں اور قیصر کے ہاتھوں سے بہت سے علاقے نکل گئے تھے، اس نے مسلمانوں کے خلاف پوری تیاری کے ساتھ جنگ کرنی چاہی تو اس کا دفاع پوری کامیابی کے ساتھ امیر معاویہؓ نے اپنے بحری بیڑے کے ذریعے کیا اور رومیوں کی ایک بڑی تعداد اس میں کام آئی۔ اس طرح سے کہا جا سکتا ہے کہ امیر معاویہؓ نے اپنے دور میں شام کے تمام سرحدی علاقوں کو فتح کر کے اسے رومیوں کے حملوں سے محفوظ کر دیا اور یقیناً یہ ان کا ایک بڑا کارنامہ ہے۔

2.4 امیر معاویہؓ کی بہ حیثیت خلیفہ خدمات

حضرت علیؓ کی خلافت کے بعد امیر معاویہؓ نے اپنی خلافت کا اعلان کیا اور مغربی حصہ اسلام کے خلیفہ تسلیم کر لیے گئے۔ حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد حضرت حسنؓ خلیفہ بنے اور چھ ماہ بعد ہی انہوں نے امیر معاویہؓ کے حق میں خلافت سے دست برداری حاصل کر لی۔ اس طرح امیر معاویہؓ کو 41ھ میں عالم اسلام میں متفقہ طور پر خلیفہ تسلیم کر لیا گیا۔ ان کا زمانہ امن و سلامتی، تعمیر و ترقی، جہاد و فتوحات اور دعوت الی اللہ کا تھا۔ انہوں نے نہ صرف اندرونی و بیرونی بغاوتوں کا خاتمہ کرتے ہوئے اسلامی ریاست کو مستحکم کیا، بلکہ مزید فتوحات کے ذریعے اسے وسعت بخشی۔ ان سب کا تذکرہ سابقہ اکائی میں گزر چکا ہے، اس لیے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔ یہاں صرف بہ حیثیت خلیفہ امیر معاویہؓ کی خدمات جائزہ لیا جائے گا۔

2.4.1 اسلامی حکومت کا استحکام

حضرت امیر معاویہؓ کا ایک اہم کارنامہ اسلامی حکومت کو مضبوط اور مستحکم کرنا ہے، کیوں کہ جب وہ خلیفہ بنے تو اس وقت اسلامی ریاست کو تین طرح کے مسائل درپیش تھے۔ اول اندرونی خطرات: اس میں شیعہ اور خوارج کی سرکشی یا بغاوتیں، متعدد صوبوں اور ان کے گورنروں کی مرکز مخالف روش، مقبوضہ ممالک میں موجود بعض طبقات کی سازشیں وغیرہ۔ دوم بیرونی خطرات: ان میں سب سے زیادہ بازنطینی یا رومی سلطنت کی طرف سے حملے اور سازشیں اہم تھیں۔ سوم انتظامی مسائل: حضرت عثمانؓ کی شہادت سے لے کر امیر معاویہؓ کے متفقہ خلیفہ بننے تک کے طویل عرصے میں پوری ریاستی انتظامیہ متاثر ہو گئی تھی اور مشرقی علاقوں سمیت اکثر جگہوں کا حکومتی نظام درہم برہم ہو چکا تھا۔

امیر معاویہؓ نے سب سے پہلے خوارج کی طرف توجہ دی اور ان کی بغاوتوں کو ختم کرنے کے لیے متعدد مہمیں بھیجیں۔ انہیں خوارج کے اثرات کو ختم کرنے میں تقریباً تین سال کا عرصہ لگا۔ کوفہ اور بصرہ میں متعین اپنے حکومتی کارندوں کو ان کی سرکوبی کے لیے حکم دیا۔ خوارج میں مروہ بن نوفل، عبداللہ بن ابی الحوساء، جوثرہ بن وداع، شبیب بن بجرہ، معین بن عبداللہ، ابو مریم، ابو لیلیٰ اور مستورد بن علقمہ وغیرہ مشہور ہوئے۔ ان کی طاقتوں کو ختم کرنے میں عبداللہ بن عامر اور مغیرہ بن شعبہؓ کا اہم کردار رہا۔ اس کے بعد انہوں نے شیعہ حضرات کی طرف توجہ دی اور پہلے ان کو سمجھانے بجھانے اور ان کے ساتھ حسن سلوک کر کے ان کو اپنا ہم نوا بنانے کی کوشش کی، لیکن جن شیعہ عناصر نے اپنی مخالفانہ اور باغیانہ روش نہیں چھوڑی، ان کے ساتھ مجبوراً سختی کا معاملہ کیا گیا۔ اس طرح تمام شیعی سرداروں نے ان کی حکومت کو تسلیم کر لیا، البتہ ابتدا میں انہیں زیاد بن ابی سفیان اموی کی جانب سے شدید مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔ آخر کار انہوں نے اس سلسلے میں حضرت مغیرہ بن شعبہؓ سے مدد لی اور ان کی کوششوں سے بالآخر 42 ہجری میں زیاد نے ان کی خلافت کو تسلیم کر لیا۔ اس زمانے میں بصرہ شیعہ سازشوں کا گڑھ تھا۔ امیر معاویہؓ نے 45 ہجری میں زیاد بن ابی سفیان کو وہاں کا گورنر بنا دیا اور پھر انہوں نے بصرہ کو ان کی تمام سازشوں سے تقریباً پاک کر دیا۔ کچھ ایسی ہی صورت حال بصرہ میں بھی تھی تو امیر معاویہؓ نے 50 ہجری میں زیاد بن ابی سفیان کو بصرہ کا بھی گورنر بنا دیا۔ اسی دور میں

حضرت حجر بن عدی کے قتل کا افسوس ناک واقعہ پیش آیا، اگرچہ امیر معاویہؓ کے اس اقدام کو کسی نے غیر اسلامی نہیں کہا اور حضرت عائشہؓ نے ان کو ان کا حلم ضرور یاد دلایا، لیکن قاصد کے پہنچنے سے پہلے ہی ان کا قتل کر دیا گیا تھا۔ بہر حال اس واقعہ کے بعد شیعہ بغاوتوں اور سازشوں میں نمایاں کمی آگئی۔ جہاں تک مفتوحہ علاقوں میں مختلف بغاوتوں کی بات ہے تو اس پہلو پر بھی امیر معاویہؓ نے توجہ دی اور 41 ہجری میں بلخ، ہرات، بوشنج اور بادغیس کی بغاوتیں خراسان کے والی قیس بن ہیثم اور ان کے سپہ سالار عبداللہ بن حازم نے ختم کیں۔ 46 ہجری میں حضرت عبدالرحمن بن سمرہ نے کابل، بست، رزان، طخارستان، رخج اور غزنہ وغیرہ کی بغاوتوں کا خاتمہ کیا۔ 47 ہجری میں غور کے لوگوں کی بغاوتوں کا خاتمہ حکم بن عمرو غفاری نے کیا۔ اس طرح تمام بغاوتوں کو ختم کر کے مقبوضہ ممالک میں اسلامی حکومت کو مزید مستحکم کیا گیا۔

2.4.2 فتوحات

حضرت امیر معاویہؓ کا دوسرا اہم کارنامہ اسلامی حکومت کی توسیع ہے۔ ایران، خراسان اور جنوبی ایشیا میں مقبوضہ علاقوں کی بغاوتیں دور کرنے کے بعد انہوں نے مزید علاقوں کو اسلامی مملکت کا حصہ بنانے کی کام یاب کوششیں کیں۔ ہندوستان پر سندھ اور درہ خیبر کی طرف سے حملے کیے گئے۔ مہلب بن ابی صفرہ نے 44 ہجری میں اور ان کے بعد عبداللہ بن سوار ازدی اور دیگر متعدد سالاروں نے قلات، مکران، کش اور قندھار وغیرہ پر حملہ کیا اور کئی مقامات پر قبضہ کیا۔ دوسری طرف ترکستان میں متعدد فتوحات حاصل کی گئیں۔ والی خراسان عبیداللہ بن زیاد نے 54 ہجری میں علاقہ سغد پر حملہ کر کے رامنی، نصف اور بیکند فتح کیے۔ سعید بن عثمان نے 55 ہجری میں دریائے جیحون پار کر کے بخارا پر قبضہ کیا اور سمرقند و ترمذ کے لوگوں سے جزیہ اور خراج وصول کیا۔ اس سے پہلے 41 ہجری میں خلافت کے پہلے سال ہی مرو پر قبضہ کیا گیا۔ اس طرح سے مرو، بخارا اور سمرقند جیسے عظیم شہر اسلامی مملکت کا حصہ بن گئے۔

خلافت راشدہ میں شمالی افریقہ کے بڑے حصے پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا تھا۔ امیر معاویہؓ کے زمانے میں بھی اس ملک پر حملہ کیا گیا اور اس کے فاتح حضرت عقبہ بن نافع تھے۔ انہوں نے 41 ہجری میں شمالی افریقہ پر حملہ کیا اور لواتہ اور زناتہ تک پہنچ گئے۔ پھر 42 ہجری میں غدامش اور 43 ہجری میں سوڈان کے بعض حصے فتح کیے۔ 41 ہجری میں معاویہ بن خدیج نے افریقہ کا ساحلی شہر برزت فتح کیا۔ رویفع بن ثابت انصاری نے جزیرہ حربہ فتح کیا۔ 45 ہجری میں معاویہ بن خدیج نے دوبارہ حملہ کیا اور اس میں عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن زبیر، عبدالملک اور متعدد دیگر عظیم صحابہ کرام اور اکابر قریش شامل تھے۔ ابن زبیر نے تسوسہ اور عبدالملک نے جلولا فتح کیا۔ افریقہ کے بربر بڑے باغی اور سرکش تھے، اس لیے معاویہؓ نے 50 ہجری میں عقبہ بن نافع کو ان کے پاس بھیجا، انہوں نے 10,000 مسلمان فوجیوں اور متعدد نو مسلم بربروں کے ساتھ باغیوں کے علاقوں میں انہیں سخت سزائیں دیں اور بغاوت کو روکنے کے لیے ایک نیا شہر قیروان آباد کرایا۔ اس میں فوجی چھاؤنیاں بھی تھیں۔ ان کی اس تدبیر سے بغاوتوں کا سلسلہ کم ہو گیا۔ بحر روم میں متعدد جزیرے فتح کیے گئے، جیسے 53 ہجری میں روڈس اور 54 ہجری میں ارواڈ فتح کر لیا گیا۔ اسی دوران سسلی اور کریٹ پر بھی حملہ کیا گیا، لیکن ان پر قبضہ نہیں کر سکے۔

مسلمانوں کے لیے سب بڑا مسئلہ رومی حکومت کا خاتمہ تھا، کیوں کہ ان کی جانب سے سرحدی علاقوں میں مسلسل چھیڑ چھاڑ جاری رہتی تھی۔ مصر و شام کے ساحلی علاقے اس کے بحری زد میں تھے۔ اسی کی روک تھام کے لیے امیر معاویہؓ نے بحری بیڑا قائم کیا تھا۔ انہوں نے

اپنے زمانے میں رومیوں کے حملوں سے بچاؤ کے لیے متعدد اقدامات کیے، جیسے رومی سلطنت پر حملہ کرنے کے لیے ایک مستقل فوج کا قیام جو گرمائی فوج کہلاتی تھی اور موسم گرما میں ان پر حملہ کیا کرتی تھی۔ سردی میں ان علاقوں کا موسم اتنا سخت ہو جاتا کہ جنگی کاروائی روک دی جاتی تھی۔ نیز انہوں نے ایک خاص بحری بیڑا یا لشکر تیار کرایا، جو ہر سال رومیوں سے جنگ کیا کرتا تھا۔ مسلمانوں کی طرف سے عبداللہ بن قیس حارثی، جنادہ بن ابی امیہ، عبدالرحمن بن خالد، بسر بن ابی ارطاۃ، مالک بن ہبیرہ، فضالہ بن عبید، عمرو بن مرہ، عبدالرحمن بن ام حکم، مسعود بن ابی مسعود اور یزید بن شجرہ وغیرہ مختلف سال رومیوں سے جنگ میں مشغول رہے تھے۔ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے درمیان موجود اختلافات سے فائدہ اٹھا کر رومی شہنشاہ نے اسلامی ریاست کے بعض سرحدی مقامات پر قبضہ کر لیا تھا، نیز وہ اسلامی ریاست پر قبضہ جمانے کے خواب بھی دیکھ رہا تھا۔ اسی زمانے میں حضرت معاویہؓ نے اس کو دھمکی دی کہ اگر وہ اپنی حرکتوں سے باز نہ آیا، تو وہ اپنے چچازاد بھائی علیؓ سے صلح کر کے اس کی سلطنت کے خلاف اپنی پوری طاقت استعمال کریں گے، اس دھمکی سے گھبرا کر وہ اپنی حرکتوں سے باز آگیا۔

امیر معاویہؓ کے دور میں ہی قسطنطنیہ پر تاریخی حملہ کیا گیا۔ وہ اس زمانے میں مشرقی یورپ کا قلب تھا۔ 49 ہجری میں انہوں نے سفیان بن عوف ازدی کو ایک بڑی فوج کے ساتھ قسطنطنیہ روانہ کیا۔ آپؐ نے اس مہم میں شامل ہونے والوں کو جنت کی بشارت دی تھی، اس لیے متعدد ممتاز صحابہ جیسے حضرت ابو ایوب انصاریؓ، عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن عباسؓ وغیرہ اس میں شریک ہوئے۔ قسطنطنیہ مشرقی کلیسا کا مرکز تھا، اس لیے رومیوں نے اس کی مدافعت میں پوری طاقت صرف کر دی۔ مسلمانوں نے بھی جوش جہاد میں بڑا پر زور مقابلہ کیا۔ دونوں میں کئی خونی معرکے ہوئے، آخر کار میں چند دنوں کے محاصرہ کے بعد مسلمان واپس لوٹ آئے اور اس کے بڑے دور رس نتائج برآمد ہوئے۔ اسی محاصرے کے دوران حضرت ابو ایوب انصاریؓ جب مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو انہوں نے اپنی خواہش ظاہر کی کہ انہیں جہاں تک ہو سکے دشمن کی سرزمین میں لے جا کر دفن کر دیا جائے، چنانچہ ان کے انتقال کے بعد انہیں قسطنطنیہ کی فصیل کے نیچے لے جا کر دفن کر دیا گیا اور مسلمانوں نے رومیوں سے کہلا دیا اگر تم نے لاش کی کوئی بے حرمتی کی تو پھر اسلامی سلطنت کی حدود میں کبھی ناقوس نہ بج سکے گا۔ پھر قسطنطنیہ کی فتح کے بعد ترکان عثمانی نے ان کے مزار پر مقبرہ اور اس سے متعلق مسجد بنوائی، جو آج تک زیارت گاہ کا مرکز ہے۔ مختصراً کہا جا سکتا ہے کہ امیر معاویہؓ کے دور میں ہندوستان، کابل، بلخ، بخارا، سمرقند، شام، افریقہ اور روم وغیرہ کے زیادہ تر علاقے مسلمانوں کے قبضے میں آگئے تھے۔

2.4.3 صوبوں کی تقسیم

حضرت امیر معاویہؓ نے اسلامی مملکت کو سابقہ نظام کی طرح مختلف صوبوں میں تقسیم کر دیا تھا اور ہر صوبہ کے علاحدہ گورنر متعین کیے تھے۔ بڑے صوبوں جیسے افریقہ اور خراسان وغیرہ کو متعدد چھوٹے صوبوں میں تقسیم کیا گیا تھا۔ نئی فتوحات میں مغربی علاقوں کو مصر کے تحت جب کہ مشرقی علاقوں کو خراسان کے ماتحت رکھا گیا۔ خراسان کے ماتحت کابل، سندھ اور ترکستان کا کچھ حصہ تھا اور اسی طرح افریقہ میں تیونس، مراکش اور الجزائر شامل تھے۔ ان میں ایک گورنر جنرل ہوا کرتا تھا جو ان صوبوں کے مختلف حصوں پر علاحدہ گورنر مقرر کیا کرتا تھا۔

2.4.4 بری اور بحری فوج کی ترقی

کسی بھی ملک کی حفاظت اور اس میں امن و سکون قائم کرنے کے لیے فوجی طاقت کا ہونا سب سے اہم ہے۔اس لیے اسلامی مملکت میں بھی اس پر خصوصی توجہ دی گئی۔ حضرت عمر فاروقؓ نے اسے اپنے زمانے میں ہی مکمل کر دیا تھا، پھر حضرت عثمانؓ نے اس کو مزید ترقی دی۔ جب امیر معاویہؓ کا زمانہ آیا تو انہوں نے اس کو ترقی دے کر کمال تک پہنچا دیا، چنانچہ انہوں نے پوری مملکت میں فوجی قلعے اور چھاؤنیاں قائم کیں۔اسی طرح باقاعدہ بری و بحری فوج تشکیل دی اور اس میں گرمائی اور سرمائی فوجوں کی تقسیم کی۔اس حوالے سے انہوں نے شامی عربوں پر زیادہ اعتماد کیا اور انہیں اپنی فوج میں خصوصی جگہ دی۔ بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ ان کی فوج میں شامی عیسائی بھی شامل تھے جو اسلام نہیں لائے تھے۔انہوں نے فوج کی تنظیم اور جنگ کے فرسودہ طور طریقوں کو چھوڑ دیا اور اسے جدید شکل دی۔ نیز انہوں نے شام میں متعدد قلعے بنوائے اور بعض ویران قلعے آباد کیے۔ ساحل شام پر رومیوں کا ایک قلعہ جبلہ تھا، امیر معاویہؓ نے اسے دوبارہ آباد کرایا۔اسی طرح انطرطوس، مرقیہ اور بلنیارس بلند یارس کے قلعے بنوا کر آباد کرائے۔ روڈس کی فتح کے زمانے میں یہاں ایک قلعہ تعمیر کرایا، یہ قلع سات برس تک روڈس کا فوجی مرکز رہا، مدینہ میں خاص اہل مدینہ کے لیے ایک قلعہ ''قصر خلد'' کے نام سے بنوایا۔اسی طرح انہوں نے فوجی ضرورت کے لیے مستقل شہر آباد کرا کے بڑی بڑی چھاؤنیاں قائم کی، چنانچہ مرعش اور قیروان اسی ضرورت کے لیے بسائے گئے تھے۔

امیر معاویہؓ نے بحری فوج کو نمایاں ترقی دی۔اس کا آغاز انہوں نے حضرت عمرؓ کے دور خلافت سے ہی کرنا چاہا تھا، لیکن انہوں نے مسلمانوں کی جان کی حفاظت کے خیال سے انہیں سمندر میں نہیں اترنے دیا۔ خلافت عثمانی میں انہوں نے دوبارہ کوشش کی اور حضرت عثمانؓ نے انہیں اس کی اجازت دے دی اور جلد ہی انہوں نے بحری فوج کو اتنی ترقی دی کہ اسلامی بیڑوں کو اس عہد کے مشہور رومی بیڑوں سے زیادہ اور ترقی یافتہ بنا دیا۔اس کے لیے انہوں نے متعدد ساحلی علاقوں میں بحری جہاز سازی کی کارخانے قائم کرائے۔اس سلسلے میں پہلا کارخانہ 54 ہجری میں مصر میں قائم ہوا تھا، اس کے بعد شام، اردن اور عکا میں بھی کارخانے قائم کیے گئے۔ حضرت عثمانؓ کے زمانے میں عموماً بری اور بحری سپہ سالار ایک ہی ہوا کرتے تھے، لیکن امیر معاویہؓ نے بحری فوج کو جس قدر ترقی دی تھی، اس کے لیے مستقل ''امیر البحر'' کی ضرورت تھی، اس لیے انہوں نے بری اور بحری فوج کے سربراہ الگ الگ شخص متعین کیے، جیسے عبداللہ بن قیس حارثی کو انہوں نے امیر البحر مقرر کیا تھا اور انہوں نے کم و بیش 50 بحری معرکوں میں قیادت کی اور ان میں ایک مسلمان بھی ضائع نہیں ہوا۔دوسرے امیر البحر جنادہ بن ابی امیہ تھے، انہیں امیر معاویہؓ نے عثمانی دور میں بحری لڑائیوں پر مامور کیا تھا اور وہ یزید کے عہد تک مستقل اس عہدے پر فائز رہے۔

2.4.5 پولیس کے شعبہ میں ترقی

حضرت امیر معاویہؓ نے ملک کے اندرونی نظم و نسق درست رکھنے اور امن و امان قائم کرنے پر خصوصی توجہ دی۔اس کے لیے انہوں نے پولیس کے شعبے کو نمایاں ترقی دی، چنانچہ صرف کوفہ میں چار ہزار پولیس متعین تھی اور پانچ سو پولیس مسجدوں کی نگرانی کرتی تھی۔ عورتیں اپنے گھروں میں مکان کے دروازے کھلا چھوڑ کر بے خوف و خطر سو جاتی تھیں۔اسی طرح اگر کسی کی کوئی چیز راستے میں گر جاتی تو کوئی اسے اٹھانے کی ہمت نہیں کر سکتا تھا، یہاں تک کہ اس کا مالک خود آ کر نہ اٹھا لے۔ گورنر زیاد کا کہنا تھا کہ اگر کوفہ اور خراسان کے درمیان رسی کا

ایک ٹکڑا بھی ضائع ہو جائے تو مجھے معلوم ہو جائے گا کہ اسے کس نے لیا ہے؟اسے ایک گھر سے گھنٹہ بجنے کی آواز آئی تو اس نے معلوم کرایا تو لوگوں نے بتایا کہ پہرہ دیا جارہا ہے،اس نے کہا کہ اس کی ضرورت نہیں ہے اور اگر مال ضائع ہوا تو میں اس کا ضامن ہوں۔اس نے اس سلسلے میں بعض قوانین ایسے بنائے تھے جو بظاہر بہت سخت معلوم ہوتے تھے، جیسے عشاء کے بعد گھر سے نکلنے پر قتل کی سزا مقرر کی تھی، لیکن عراق جیسے فتنہ پسند ملک میں سختی کے بغیر امن وامان ممکن نہیں تھا۔اسی طرح ملک میں موجود مشتبہ چال چلن والوں کی نگرانی بھی اس دور کی اہم خصوصیت ہے۔امیر معاویہؓ نے اس طریقہ کو رائج کیا تھا، جیسے انہوں نے ابودرداء کو دمشق کے بدمعاشوں اور مشتبہ افراد کے نام قلم بند کرنے کا حکم دیا تھا۔اسی طرح زیاد نے جعد بن قیس تمیمی کو بدمعاشوں کی نگرانی پر مقرر کیا تھا، جو ان کی نگرانی کیا کرتے تھے۔

2.4.6 برید ڈاک کے شعبہ میں ترقی

کسی بھی حکومت کی کامیابی کے لیے اچھے سرکاری ڈاک کا نظم ہونا ضروری ہے،تاکہ ملک کے کسی بھی حصے میں ہونے والے واقعات کی بروقت اطلاع حکومت کو ملتی رہے۔امیر معاویہؓ نے بھی اپنے دور میں اس پر خصوصی توجہ دی اور اس سلسلے میں ان کا طریقہ کار یہ تھا کہ پورے ملک میں تھوڑی تھوڑی مسافت پر انہوں نے چوکیاں بنوائی اور ان میں ہمیشہ تازہ دم گھوڑے اور خبر رساں اور ہرکارے موجود ہوا کرتے تھے، چنانچہ کسی بھی علاقے سے خبر رساں اور پرچہ نگار بہت کم وقت میں تازہ دم گھوڑے بدلتے ہوئے اپنے منزل مقصود پر پہنچ جایا کرتے تھے اور کوئی بھی خبر بڑی جلدی ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچ جایا کرتی تھی۔

2.4.7 دیوان خاتم

حضرت امیر معاویہؓ نے بنیادی طور پر خلفائے راشدین کے نظام کو باقی رکھا تھا،البتہ حسب ضرورت اس میں مزید اضافے کیے، جیسے ''دیوان خاتم'' کے نام سے ایک نیا محکمہ قائم کیا، جو اس سے پہلے نہیں تھا۔ماضی میں سرکاری احکام کی نقلوں کو محفوظ رکھنے کا رواج نہیں تھا، جس کی وجہ سے لوگ اس میں ردوبدل کرلیا کرتے تھے، جیسے ایک مرتبہ امیر معاویہؓ نے ایک شخص کو ایک لاکھ رقم دینے کے لیے زیاد کے نام حکم نامہ لکھا اور اس نے اس میں ایک لاکھ کو دو لاکھ بنا کر پوری رقم وصول کرلی، چنانچہ امیر معاویہؓ نے اس شعبہ کو قائم کیا،اس میں سرکاری احکام کو لفافوں میں رکھنے کے بعد موم سے اس میں مہر لگا کر متعلقہ افراد کی طرف بھیجا جاتا تھا، نیز ان کی نقل دفتر میں محفوظ رکھی جاتی تھی تاکہ بہ وقت ضرورت انہیں دیکھا جاسکے۔یہ طریقہ شاہی فرامین تک ہی محدود نہیں رہا، بلکہ عمالوں نے بھی اس کی پیروی کی جیسے زیاد نے اس کے لیے باقاعدہ دفاتر قائم کیے اور ان میں احکام وخطوط کی نقلیں رکھی جاتی تھیں۔

2.4.8 رفاہی اور عمومی خدمات

حضرت امیر معاویہؓ نے رفاہ عامہ پر بھی خصوصی توجہ دی۔زراعت کی ترقی کے لیے کثرت سے نہریں کھدوائیں اور پرانی نہروں کی صفائی کرائی، نہر کظامہ، نہر ازرق، نہر شہدا، نہر کظامہ، نہر معقل وغیرہ ان ہی کے دور کی ہیں، نیز پہاڑی علاقوں میں تالاب بندھوائے جس میں بارش کا پانی جمع کیا جاتا تھا۔ان انتظامات سے زراعت میں بہت ترقی ہوئی اور قحط کا خطرہ کم ہو گیا۔اسی طرح مختلف جگہوں پر نئی آبادیاں قائم کرائی، نئے اور پرانے شہروں کو آباد کرایا، مرعش اور قیروان وغیرہ اسی کا حصہ ہیں۔43 ہجری میں انطاکیہ میں فارس، بعلبک، حمص اور مصر

کے باشندوں کی ایک نوآبادی بسائی۔ 53 ہجری میں روڈس میں بہت سے مسلمان آباد کیے گئے۔اسی طرح وہ مقامات جہاں دوسری حکومت کی سرحدیں ملتی تھیں، حفاظتی نقطہ نظر سے مسلمانوں کی نوآبادیاں قائم کی گئیں۔

غیر مسلموں اور ذمیوں وغیرہ کو انسانی، مذہبی اور تمام دیگر بنیادی حقوق سے نوازا گیا تھا، جیسے حضرت عمر فاروقؓ کے دور میں یوحنا کے گرجے کے پاس تعمیر کردہ مسجد کی توسیع کے لیے امیر معاویہؓ نے جب گرجے کو مسجد میں شامل کرنا چاہا تو عیسائیوں نے مخالفت کی، چنانچہ انہوں نے اپنے ارادے کو ترک کر دیا اور کوئی زبردستی نہیں کی۔انہوں نے غیر مسلموں کو فوج کے علاوہ دیگر اہم عہدوں پر بھی فائز کیا، جیسے ان کے عہد میں ملک شام کا دفتر حکومت رومی زبان میں تھا اور سرجون رومی نصرانی اس کا چیف سکریٹری تھا۔اسی طرح ابن آثال عیسائی کو جوان کا طبیب خاص تھا، حمص کا کلکٹر مقرر کیا گیا۔ منصور رومی کو شعبہ مالیات کے اہم عہدوں پر مقرر کیا گیا۔ غریبوں اور مظلوموں کی دادرسی اور ان کی شکایتوں کو سننا اور ان کا تدارک کرنا بھی امیر معاویہؓ کے مزاج کا خاصہ تھا۔ وہ اس کے لیے مسجد میں مخصوص وقت میں کرسی پر بیٹھ جاتے اور لوگوں کی شکایتوں کو سنتے اور ان کو حل کرنے کا حکم دیا کرتے تھے۔ یہی حال ان کے عمال کا بھی تھا۔ انہوں نے مجاہدوں، کم زور اور غریب لوگوں کے لیے وظائف مقرر کیے اور اہل بیت، صحابہ کرام، قریش کے دیگر شرفاء اور امہات المومنین کا خصوصی خیال رکھا۔ وہ ان کی خدمت میں برابر ہدیہ و تحائف بھیجا کرتے تھے۔

امیر معاویہؓ نے شورائی نظام میں خلفائے راشدین کی تقلید کی تھی، البتہ اس میں انہوں نے دمشق اور شام کے شیوخ کو ترجیح دی تھی، نیز بعض نازک مواقع پر انہوں نے تمام صوبوں کے شیوخ اور اہل الرائے سے مشورے طلب کیے تھے۔انہوں نے ایک کام ضرور سابق الاولین سے ہٹ کر ضرور کیا جس پر بعض صحابہ کرام کی طرف سے اعتراض بھی کیا گیا یعنی عرف عام میں خلافت کو بادشاہت میں تبدیل کرنا۔اس کا پس منظر یہ ہے کہ انہوں نے اپنی وفات سے قبل اسلامی ریاست کے لیے جب اپنا جانشین اپنی زندگی میں ہی مقرر کرنا چاہا اور اس کے لیے مجلس شوریٰ، دیگر صوبوں کے ممتاز اہل الرائے اور شیوخ سے مشورہ کیا تو سب نے ان کے اس عمل کی تائید کی، لیکن انہوں نے اس کے لیے اپنے بیٹے یزید بن معاویہ کا نام پیش کیا تو بعض عظیم صحابہ کرام نے اس پر سخت اعتراض کیا اور اسے قیصر و کسریٰ کے عمل سے تشبیہ دی۔ اگرچہ بعد میں چند ایک کو چھوڑ کر باقی سب نے مختلف مصلحتوں کے پیش نظر ان کے بیٹے کی جانشینی سے اتفاق کر لیا تھا۔

2.4.9 مذہبی خدمات

حضرت امیر معاویہؓ اپنی حکومت کے استحکام کے ساتھ ہی مذہب کی ترقی اور اوامر و نواہی کے قیام و تبلیغ میں بھی برابر کوشاں رہے تھے۔ انہیں اسلام کی اشاعت و تبلیغ سے بھی بہت دل چسپی تھی، افریقہ میں بربروں کی ایک بڑی تعداد کا اسلام قبول کرنا اس کی واضح مثال ہے۔اسی طرح انہوں نے دین کی تبلیغ و اشاعت اور تعلیم و تعلم کے لیے مختلف صوبوں میں معلمین اور واعظین بھیجے۔اسی طرح انہوں نے سب سے پہلے اس زمانے کے ایک ممتاز اخباری عبید بن شریہ سے تاریخ قدیم کی داستانیں، سلاطین عجم کے حالات اور زبانوں کی ابتدا اور ان کی اشاعت کی تاریخ مرتب کرائی۔ مؤرخین نے لکھا ہے کہ مسلمانوں میں تاریخ کی سب سے پہلی کتاب تھی۔

حضرت امیر معاویہؓ نے خانہ کعبہ کی بھی خدمت کی، جیسے ابو بکرؓ اور عمرؓ کے زمانے میں خانہ کعبہ پر معمولی کپڑے کا غلاف چڑھایا جاتا

تھا، لیکن حضرت عثمانؓ نے اپنے زمانے میں پہلی مرتبہ اس پر بیش قیمتی غلاف چڑھایا۔امیر معاویہؓ نے اسے مزین اور آراستہ کرایا اور اس کی خدمت کے لیے غلام مقرر کیے۔اسی طرح ان کے عہد میں بکثرت نئی مساجد تعمیر کی گئیں اور پرانی مسجدوں کی مرمت کرائی گئی، جیسے زیاد جب بصرہ کا والی ہوا تو اس نے بصرہ کی مسجد کی توسیع کی، اسے اینٹ اور چونے سے بنوایا اور ساکھو کی چھت دی۔ قبرص جب فتح ہوا تو یہاں بھی متعدد مساجد کی تعمیر کرائی گئی۔عبدالرحمن بن سمرہ نے کابلی معماروں سے بصرہ میں کابلی طرز کی مسجد بنوائی۔اسی طرح عقبہ بن نافع نے قیروان میں ایک جامع مسجد تعمیر کرائی۔ مصر کی مسجدوں میں مینار نہیں تھے تو مسلمہ بن مخلد نے 53 ہجری میں یہاں کی تمام مساجد میں مینار تعمیر کرائے۔

حضرت امیر معاویہؓ نے نکاح شغار پر پابندی لگادی تھی، کیوں کہ اس سے نبی کریمؐ نے منع کیا تھا۔ان کے زمانے میں عباس بن عبداللہ اور عبدالرحمن بن حکم نے اسی طریقے سے اپنی لڑکیوں کی شادی کی۔امیر معاویہؓ کو جب اس کی خبر ہوئی تو انہوں نے نکاح کو ختم کرادیا اور کہا کہ یہ نکاح شغار ہے اور اس سے آپؐ نے منع کیا ہے۔اسی طرح انہوں نے اپنے زمانے میں مختلف اخلاقی برائیوں کو ختم کرنے کی کوشش کی، جیسے انہوں نے سختی سے خواتین کو اپنے سروں میں مصنوعی بالوں کو لگانے سے منع کردیا، کیوں کہ آپؐ نے اس کی اجازت نہیں دی تھی۔

امیر معاویہؓ کبھی کبھی مجمع میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مسنون اعمال و عبادات کے طریقہ کار، جیسے وضو اور نماز کا مسنون طریقہ، عاشورہ کے روزے کی مسنون حیثیت وغیرہ کا ذکر کیا کرتے تھے، نیز غیر مسنون اعمال سے اجتناب کرنے کی تاکید بھی کیا کرتے تھے۔اسی طرح وہ خطبہ کے دوران لوگوں کو وعظ و نصیحت بھی کیا کرتے تھے، جیسے انہوں نے جمعہ کے دن خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ لوگو! میری بات کان لگا کر سنو، اس لیے کہ مجھ سے زیادہ دین اور دنیا کا واقف کار تم کو نہ ملے گا۔ نمازوں میں اپنے چہرے اور صفوں کو سیدھا رکھا کرو، ورنہ خدا تمہارے دلوں میں پھوٹ ڈال دے گا۔اپنے کم عقل لوگوں کو قابو میں کرو، ورنہ خدا تم پر دشمن کو مسلط کردے گا، جو تم کو سخت عذاب دے گا۔ صدقہ دیا کرو اور اس کے لیے کم مائیگی کا عذر نہ کیا کرو، کم مایہ آدمی کا صدقہ دولت مند کے صدقے سے زیادہ افضل ہے۔ پاک دامن عورتوں پر تہمت نہ لگایا کرو۔اگر تم میں سے کوئی شخص حضرت نوحؑ کے زمانے کی بھی عورتوں پر تہمت لگائے گا تو قیامت میں اس کا مواخذہ کیا جائے گا۔

خلاصہ یہ کہ حضرت امیر معاویہؓ کے عہد میں اسلامی ریاست ایران، خراسان، ترکستان، سندھ، افریقہ اور روم وغیرہ تک پہنچ گئی اور انہوں نے اپنی وفات سے قبل اموی حکومت کو اتنا مضبوط و مستحکم کردیا تھا کہ بعد میں آنے والوں خلفاء کے لیے حکومت کرنا اور انتظام وانصرام سنبھالنا بہت آسان ہو گیا تھا۔ان کی مشکل بس یہ رہی کہ وہ خلفائے راشدین کے بعد اسلامی ریاست کے خلیفہ ہوئے، اسی وجہ سے لوگوں کی توقعات ان سے بہت بڑھ گئیں تھیں۔

2.5 فرہنگ

- تمکنت : شان وشوکت، وقار، دبدبہ

- نکاح شغار : زمانہ جاہلیت میں ایک قسم کا نکاح رائج تھا جسے شغار کہتے تھے، یعنی ایک شخص اپنی لڑکی یا بہن کا نکاح دوسرے کے ساتھ اس شرط پر کر دیتا تھا کہ وہ اس کے بدلے میں اپنی لڑکی یا بہن اس کی زوجیت میں دے گا اور یہ در حقیقت مہر کا تبادلہ ہوا کرتا تھا اور اس صورت میں عورت اپنے حق مہر سے محروم ہو جاتی تھی۔
- امیر البحر : بحری فوج کا سربراہ

2.6 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے درج ذیل نکات سیکھے:

- حضرت امیر معاویہؓ کے ذریعے اموی حکومت 41ھ بمطابق 661 میں قائم ہوئی اور اس کا خاتمہ 132ھ بمطابق 750 میں ہوا۔ اس میں کل چودہ (14) حکمراں ہوئے جنہوں نے اپنے دور میں حکومت کو حتی الامکان وسعت بخشی۔ اس دوران خاندان بنو امیہ کے دو خاندانوں نے اس دوران حکومت کی۔ اول خاندان سفیانی جو حضرت امیر معاویہؓ بن ابی سفیانؓ کا تھا۔ دوسرا مروان بن الحکم کا خاندان تھا جو ان ہی کے اسم گرامی سے موصوف ہوا۔ اس اکائی میں بنیادی طور پر اموی حکومت کے بانی حضرت امیر معاویہؓ کی حیات وخدمات کا جائزہ لیا گیا ہے۔
- حضرت امیر معاویہؓ نے سیاسی، تعلیمی، سماجی، معاشی، فوجی اور مذہبی میدانوں میں نمایاں خدمات انجام دی ہیں۔ ان کی خدمات کو آسانی کے لیے دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ پہلے حصے میں ان خدمات کا تذکرہ کیا گیا ہے، جب وہ خلیفہ نہیں تھے اور انہوں نے عہد نبوی اور عہد خلفائے راشدین میں اسلام اور مسلمانوں کے لیے خدمات انجام دیں اور دوسرے حصے میں ان کی بہ حیثیت خلیفہ نمایاں خدمات کا جائزہ لیا گیا ہے۔
- حضرت امیر معاویہؓ کے عہد میں اسلامی ریاست ایران، خراسان، ترکستان، سندھ، افریقہ اور روم وغیرہ تک پہنچ گئی اور انہوں نے اپنی وفات سے قبل اموی حکومت کو اتنا مضبوط و مستحکم کر دیا تھا کہ بعد میں آنے والوں خلفاء کے لیے حکومت کرنا اور انتظام وانصرام سنبھالنا بہت آسان ہو گیا تھا۔ ان کی مشکل بس یہ رہی کہ وہ خلفائے راشدین کے بعد اسلامی ریاست کے خلیفہ ہوئے، اسی وجہ سے لوگوں کی توقعات ان سے بہت بڑھ گئیں تھیں۔

2.7 نمونہ امتحانی سوالات

2.7.1 معروضی جوابات کے متقاضی سوالات

1. اموی حکومت کب قائم ہوئی؟

(a).661ء (b).660ء (c).662ء (d).663ء

2. امیر معاویہؓ کس سن میں پیدا ہوئے؟

(a).605ء (b).610ء (c).608ء (d).609ء

3. امیر معاویہؓ کی وفات کب ہوئی؟

(a).685ء (b).680ء (c).682ء (d).683ء

4. امیر معاویہؓ کے جنازے کی نماز کس نے پڑھائی؟

(a).سعد بن ابی وقاصؓ (b).عمرو بن العاصؓ (c).ضحاک بن قیس (d).عبداللہ بن زبیرؓ

5. امیر معاویہؓ نے قیساریہ کب فتح کیا؟

(a).19ہجری (b).22ہجری (c).23ہجری (d). 15ہجری

6. امیر معاویہؓ کے دور میں قسطنطنیہ پر کس سن میں حملہ کیا گیا؟

(a).59ہجری (b).39ہجری (c).29ہجری (d) . 49ہجری

7. روڈس کس ہجری میں فتح کیا گیا؟

(a).53ہجری (b).56ہجری (c).50ہجری (d).51ہجری

8. ارواڈ کس سن ہجری میں فتح کیا گیا؟

(a).56ہجری (b).54ہجری (c).57ہجری (d).61ہجری

9. شمالی افریقہ کے فاتح کون تھے؟

(a).عقبہ بن نافع (b).موسیٰ بن نصیر (c).طارق بن زیاد (d).عمرو بن العاص

10. امیر البحر عبداللہ بن قیس حارثی نے کم و بیش کتنے معرکوں میں شرکت کی؟

(a).40 (b).50 (c).60 (d).55

2.7.2 مختصر جوابات کے متقاضی سوالات

1. امیر معاویہؓ کی سوانح حیات بیان کیجئے۔
2. امیر معاویہؓ کے دور میں فتوحات کا جائزہ لیجئے۔
3. امیر معاویہؓ کی فوجی خدمات کا جائزہ لیجئے۔
4. امیر معاویہؓ کی مذہبی خدمات کا جائزہ لیجئے۔
5. رفاہ عامہ میں امیر معاویہؓ کی خدمات کا جائزہ لیجئے۔

2.7.3 طویل جوابات کے متقاضی سوالات

1. امیر معاویہؓ کی حیات وخدمات کا جائزہ لیجئے۔
2. اموی حکومت کے قیام واستحکام میں امیر معاویہؓ کے کردار سے بحث کیجئے۔
3. امیر معاویہؓ کی عہد نبوی اور عہد خلفائے راشدین میں خدمات کا جائزہ لیجئے۔

2.8 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1. سیر الصحابہ، جلد چہارم : شاہ معین الدین احمد ندوی
2. تاریخ اسلام، حصہ دوم : شاہ معین الدین احمد ندوی
3. حکمراں صحابہ : محمود احمد غضنفر
4. تاریخ اسلام، جلد دوم : مولانا اکبر شاہ نجیب آبادی
5. تاریخ تہذیب اسلامی : پروفیسر محمد یاسین مظہر صدیقی

معروضی سوالات کے جوابات

1. A	2. A	3.B	4. C	5. A
7. D	6. A	8. B	9. A	10.B

اکائی 3: اہم حکمراں حصہ دوم (عبدالملک بن مروان)

اکائی کے اجزا:

3.0 تمہید

3.1 مقاصد

3.2 ذاتی احوال و کوائف

3.2.1 عہد خلافت سے قبل کے حالات

3.2.2 وفات، مدت خلافت اور اگلے خلیفہ کی نامزدگی

3.2.3 عہد خلافت

3.2.4 عہد خلافت: دور اول (رمضان 65ھ تا 17 جمادی الاخری 73ھ)

3.2.5 عہد خلافت: دور ثانی (17 جمادی الاخری 73ھ تا 15 شوال 86ھ/14 اکتوبر 692 تا 19 اکتوبر 705ء)

3.2.6 فتوحات

3.2.7 عبدالملک کا عہد خلافت (تہذیب و ثقافت کے حوالہ سے)

3.2.8 عبدالملک بن مروان کی شخصیت و مقام

3.3 فرہنگ

3.4 اکتسابی نتائج

3.5 نمونہ امتحانی سوالات

3.5.1 معروضی جوابات کے متقاضی سوالات

3.5.2 مختصر جوابات کے متقاضی سوالات

3.5.3 طویل جوابات کے متقاضی سوالات

3.6 تجویز کردہ اکتسابی مواد

3.0 تمہید

عزیز طلبہ ! ہم نے پچھلی اکائیوں میں پڑھا کہ اسلامی تاریخ میں اموی عہد خاص اہمیت کا حامل ہے۔ تاریخ میں درج روایتوں کے مطابق عباسی عہد کو سنہری دور بنانے میں اموی عہد نے بنیادی کردار ادا کیا تھا کہ اسی عہد میں ایک عظیم ثقافت، تہذیب اور تمدن کو پروان چڑھانے کے لیے زمین ہموار کی گئی تھی۔ بنوامیہ کے دور کے خلفا کا تعلق دو بنیادی خانوادوں سے ہے:

سفیانی خاندان: اس خاندان سے کل تین خلفانے خلافت کی باگ ڈور سنبھالی تھی: معاویہ بن ابی سفیان، یزید بن معاویہ اور معاویہ بن یزید۔ اس خانوادہ نے تقریباً 25 سال تک زمام خلافت سنبھالی تھی۔

مروانی خاندان: اس خاندان سے باقی ماندہ اموی خلفا یعنی گیارہ خلفانے اموی خلافت و حکومت کی باگ ڈور سنبھالی تھی۔

خلیفہ عبدالملک بن مروان کا شمار اہم اموی خلفاء میں ہوتا ہے کہ انہوں نے بنوامیہ کے عہد خلافت و حکومت کو دوبارہ مضبوط بنیادوں پر کھڑا کرنے میں ایک اہم کردار ادا کیا تھا جس کی وجہ سے انھیں خلافت و حکومت اموی کا مؤسس ثانی بھی کہا جاتا ہے۔

3.1 مقاصد

اس اکائی کا مقصد ہے کہ آپ:

- عبدالملک بن مروان کے دور کی سیاسی اور انتظامی اصلاحات سے متعارف ہو سکیں۔
- عبدالملک کے عہد خلافت میں اسلامی حکومت کی وسعت واستحکام پر گفتگو کر سکیں گے۔
- اس دور میں اسلامی تہذیب و ثقافت کے ارتقائی مراحل کا تجزیہ کر سکیں گے۔
- عبدالملک بن مروان کی حیات و خدمات پر تبصرہ کر سکیں۔

3.2 ذاتی احوال و کوائف

خلافت و حکومت بنوامیہ کے پانچویں خلیفہ عبدالملک بن مروان کا تعلق مروانی خاندان سے تھا۔ ان کا نسب اس طرح ہے: عبدالملک بن مروان بن حکم بن ابی العاص بن امیہ بن عبد شمس بن عبد بن مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزاط بن معد بن عدنان اموی قریشی۔ ان کی کنیت ابوالولید اور لقب ابوالملوک تھا۔ کیوں کہ ان کے کئی بیٹے اموی دور کے بادشاہ رہے۔

ان کے والد مروان بن حکم بنوامیہ کے چوتھے خلیفہ تھے جنہوں نے اپنی زندگی میں ہی عبدالملک مروان کو بطور اگلے خلیفہ کے نامزد کر دیا تھا۔ ان کی والدہ کا نام عائشہ بنت معاویہ بن مغیرہ تھا۔

ولادت ونشوونما

ان کی ولادت تیسرے خلیفہ راشد عثمان بن عفانؓ کے عہد خلافت میں مدینہ میں 26ھ /646ھ میں ہوئی تھی اور وہیں نشوونما ہوئی تھی۔ وہ دس سال کے تھے جب عثمان بن عفانؓ کی شہادت کا واقعہ پیش آگیا تھا۔ان کے بچپن اور دیگر ابتدائی حالات زندگی کے حوالہ سے مصادر خاموش ہیں تاہم یہ تقریباطے ہے ان کی زندگی کا ابتدائی حصہ مدینہ میں گزرا تھا۔

تعلیم وتربیت

ان کی تعلیم وتربیت مدینہ کے جید علما وفضلا کے سائے میں ہوئی تھی جس کی وجہ سے انھیں دینی علوم وفنون میں اس قدر درک حاصل ہو گیا تھا کہ خلافت کی ذمہ داری سنبھالنے سے پہلے ان کا شمار مدینہ کے اہم اور جید علما میں کیا جاتا تھا۔پروفیسر محمد یٰسین ندویؒ کے بقول ان کی پرورش مدینہ منورہ میں صحابہ کرام،تابعی علمائے کرام کی زیر نگرانی ہوئی تھی۔امام ذہبی نے ان کے اساتذہ میں خلیفہ راشد عثمان بن عفان، ابوہریرہ،ابوسعید خدری،ام المؤمنین ام سلمہ،معاویہ،ابن عمراور بریرہ رضی اللہ عنہم وغیرہ کا ذکر کیا ہے۔

امام ذہبی نے ان سے روایت کرنے والوں میں عروہ بن زبیر، خالد بن معدان، رجا بن حیات، ابن شہاب زہری، اسماعیل بن عبیداللہ،ربیعہ بن زید،یونس بن میسرہ اور جریر بن عثمان وغیرہ شامل ہیں۔

3.2.1 عہد خلافت سے قبل کے حالات

خلافت پر فائز ہونے سے قبل عبدالملک کے حالات زندگی خاص طور پر عنفوان شباب سے قبل کے حالات پر دبیز پردہ پڑا ہوا ہے۔ مصادر میں مذکور معلومات کے مطابق معاویہؓ نے انھیں سولہ سال کی عمر میں بازنطیوں کے مقابلہ میں مدینہ کا سپہ سالار بنا کر بھیجا تھا۔بعدازیں انھیں ہجر کا والی اور زید بن ثابت کے انتقال کے بعد انھیں شہر نبوی کی انتظامیہ (الدیوان) کا نگراں بنادیا گیا تھا۔

یزید بن معاویہ کے زمانہ خلافت میں سنہ 42 میں روم پر حملہ کے لیے جو لشکر بھیجا گیا تھا اس میں وہ شامل تھے۔اسی طرح افریقہ پر حملہ کرنے والے اس لشکر میں شامل تھے جو معاویہ بن حدیج کی قیادت میں بھیجا گیا تھا جنہوں نے انھیں شمالی افریقہ کے مقام جلولا کو فتح کرنے پر مامور کیا تھا۔

اپنے والد مروان بن حکم کے عہد خلافت میں انھیں فلسطین کی امارت پر فائز کیا گیا تھا لیکن وہ اس وقت دمشق کے سیاسی حالات کے پیش نظر اور اپنے والد کی مدد اور معاونت کی خاطر وہاں اپنے نائب روح بن زنباع کو وہاں بھیج دیا تھا اور خود مرکز خلافت میں موجود رہے۔وہ اپنے والد کی غیر موجودگی میں دمشق کے امیر ہوتے تھے مثلاجب ان کے والد محترم مصر کو فتح کے لیے دارالسلطنت سے کوچ کیا تو انھیں ہی دمشق کا امیر مقرر کیا تھا۔اسی طرح سنہ 64ھ/684ء میں ہونے والی جنگ مرج راہط میں عبدالملک بن مروان نے ایک قائدانہ کردار ادا کیا تھا اور ضحاک بن قیس جیسے سردار کو شکست فاش دی۔اس فتح نے اموی خلافت کو مضبوط کرنے میں ایک اہم کردار ادا کیا تھا۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ ان کے تعلقات خانوادہ زبیرؓ سے اتنے اچھے تھے کہ وہ عبداللہ بن زبیرؓ کو روئے زمین کا سب سے بہترین فرد قرار دیتے تھے۔ان کے بھائی مصعب بن زبیرؓ کے ساتھ بھی ان کے خوشگوار تعلقات تھے۔

3.2.2 وفات، مدت خلافت اور اگلے خلیفہ کی نامزدگی

عبدالملک بن مروان کی وفات 63 سال کی عمر میں بروز جمعرات 15 شوال 86ھ/19 اکتوبر 705ء میں ہوئی تھی۔ اموی خلافت و حکومت پر متمکن ہونے کے اعتبار سے ان کی خلافت کا مکمل دورانیہ تو 21 برس پر مشتمل ہے لیکن چونکہ ان کے عہد میں اسلامی خلافت کے ایک حصہ پر عبداللہ بن زبیرؓ کی خلافت قائم تھی اور ان کی شہادت کے بعد ہی اسلامی خلافت مکمل طور پر عبدالملک مروان کے زیر نگیں آسکی تھی۔ اس لحاظ سے عبداللہ بن زبیر کی شہادت کے بعد ان کی خلافت کا دورانیہ 13 برس، 3 ماہ اور 23 دنوں پر محیط ہے۔ بعض مؤرخین اسی دورانیہ کو عبدالملک مروان کی خلافت کا حقیقی دورانیہ قرار دیتے ہیں۔

مروان بن حکمؒ نے عبدالملک بن مروان کے ساتھ اپنے دوسرے بیٹے عبدالعزیز بن مروان کو بھی ولی عہدی کے لیے نامزد کیا تھا۔ لیکن ان کے عہد خلافت میں ہی ولی عہد کا انتقال ہو گیا۔ چنانچہ عبدالملک نے اپنے بیٹوں- ولید اور سلیمان- کو ولی عہد نامزد کیا۔

علمی مقام و مرتبہ

عبدالملک کی تعلیم و تربیت مدینہ و دمشق کے جید علما کے زیر نگرانی ہوئی تھی اور ان کا علمی مقام و مرتبہ اس حد تک بڑھ گیا تھا کہ امام اعمش نے ابوالزناد کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ خلافت سے قبل ان کا شمار مدینہ کے چار بڑے فقہا- امام سعید بن مسیب، امام عروہ بن زبیر اور قبیصہ بن ذؤیب کے ساتھ ہوتا تھا اور پروفیسر محمد یٰسین ندویؒ کے بقول دس عظیم علما اور فقہا میں ہوتا ہے۔

امام شعبی فرماتے ہیں کہ میں متعدد لوگوں کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا رہا ہوں لیکن ان میں سے مجھے اپنے علم میں اضافہ صرف عبدالملک بن مروان کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے میں ہوتا تھا کہ جب بھی میں کوئی حدیث ان کے سامنے بیان کرتا تو وہ اس موضوع سے متعلق مزید حدیثیں سنا دیتے اور جب میں کوئی شعر پڑھتا تو وہ اس سے مماثل کئی اشعار سنا دیتے۔ ان کے علم و فضل کا اندازہ اس بات سے بھی کیا جا سکتا ہے کہ امام ذہبی نے اپنی مشہور کتاب سیر أعلام النبلاء میں ان کا ذکر کیا ہے۔

اخلاق و کردار

خلافت بننے سے پہلے عبدالملک سیاست سے کافی دور تھے اور ان کا طبعی میلان زہد اور عبادت کی تھا۔ ان کا وقت مسجد میں تلاوت کرتے ہوئے گزرتا تھا۔ امام نافع نے انھیں مدینہ میں سب سے زیادہ عبادت پر آمادہ، فقہ پر بہت زیادہ عبور رکھنے اور تلاوت کرنے والا نوجوان قرار دیا ہے۔ ''تاریخ اسلام'' کے مصنف مولانا اکبر شاہ خان نجیب آبادی کے بقول وہ ایک مشہور اور بااقبال خلیفہ تھے اور انھیں تمام عالم اسلام کو ایک مرکز سے وابستہ کرنے میں کامیاب بھی ہوئے۔ وہ مزاجاً سخت ہونے کے ساتھ ہی ساتھ وہ حق شناش، مستقل مزاج اور بلند ہمت، علم و فضل کے اعتبار سے بہت بلند، بہادر اور فن سپہ گری سے بخوبی واقف شخص تھے۔ ان میں خلیفہ ہونے کی صفات بھی پائی جاتی تھیں جس کا ذکر ابو ہریرہ کی جانب منسوب اس قول میں پایا جاتا ہے کہ انہوں نے عبدالملک کو نوجوانی میں دیکھ کر فرمایا تھا کہ یہ نوجوان ایک دن عربوں پر حکمرانی کرے گا۔

3.2.3 عہد خلافت

مروان بن حکم نے اپنی وفات سے پہلے ہی بنوامیہ کی مجلس مشاورت کی جانب سے کی گئی خالد بن یزید اور عمرو بن سعید الاشدق کی ولی عہدی کو خارج کر کے اپنے بیٹوں عبدالملک اور عبدالعزیز کو بالترتیب خلافت کے لیے نامزد کیا تھا لہذا ان کی وفات کے فورا بعد عبدالملک بن مروان نے اموی خلافت و حکومت کی باگ ڈور سنبھال لی۔

خلافت کا آغاز

عبدالملک بن مروان کی خلافت کا آغاز مروان بن حکم کی رمضان 65ھ/684ء میں کی وفات کے ساتھ ہوتا ہے اور 21 سال کے بعد ان کی وفات (15 شوال 86ھ/19 اکتوبر 705ء) پر ختم ہو جاتا ہے۔ عبدالملک بن مروان کا عہد خلافت دو حصوں میں منقسم ہے۔ پہلا دور مشترکہ خلافت اور دوسرا دور اجماعی خلافت سے موسوم کیا جاتا ہے۔ پہلے دور کو مشترکہ دور اس لیے کہا جاتا ہے اس عہد میں عالم اسلام دو خلیفہ - عبداللہ بن زبیر اور عبدالملک بن مروان کے زیر نگیں تھا۔ دوسرے دور کو اجماعی خلافت سے اس لیے موسوم کیا جاتا ہے کہ عبداللہ بن زبیر کی شہادت (17 جمادی الاخری 73ھ) کے بعد پورا عالم اسلام اموی خلافت کے ماتحت آ گیا تھا۔ اسی دوسرے دور کو عبدالملک بن مروانؒ کا بنیادی دور خلافت کہا جاتا ہے۔ اگلی سطور میں ان ادوار کو دور اول اور دور ثانی سے موسوم کیا جائے گا۔

3.2.4 عہد خلافت: دور اول (رمضان 65ھ تا 17 جمادی الاخری 73ھ)

سیاسی حالات

عبدالملک بن مروان کی خلافت کے دور اول آغاز مروان بن حکم کی وفات کے ساتھ ہوتا ہے اسی دن ان کے ہاتھوں پر بیعت لی گئی۔ انہوں نے جس وقت اموی خلافت کی زمام کار سنبھالی اس وقت پورے عالم اسلام میں انتشار پھیلا ہوا تھا کہ عالم اسلام میں ایک کی بجائے دو اسلامی خلیفہ موجود تھے۔ پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی ندویؒ کے بقول جس وقت اور جن حالات میں وہ خلیفہ بنے، اس وقت ان کے قبضہ میں صرف شام اور مصر تھے۔ حجاز، عراق اور بعض دوسرے مشرقی علاقوں پر عبداللہ بن زبیر کا قبضہ تھا اور باقی حصوں میں سیاسی ابتری اور افراتفری تھی کہ وہ کسی کے قبضہ اقتدار میں نہ تھے۔ یہ صورت حال عبداللہ بن زبیر کی شہادت تک برقرار رہی۔ عہد خلافت کے دور اول میں عالم اسلامی چار سیاسی طاقتیں قائم تھیں اور باہم ایک دوسرے سے برسرپیکار تھیں:

- اموی خلافت: اس خلافت کے دائرہ کار میں شام اور مصر کے علاقے شامل تھے۔
- زبیری خلافت: زبیری خلافت کے تسلط و قبضہ میں حجاز و عراق کے علاقے شامل تھے۔
- علوی تحریک: یہ تحریک مختار بن ابی ثقفی کی سیادت و قیادت میں زبیری خلافت کے لیے سر درد بنی ہوئی تھی۔
- خوارج: اس جماعت کی بنیاد خلافت راشدہ میں ہی پڑ چکی تھی اور وہ تقریبا مکمل اسلامی تاریخ میں حکومت وقت کے لیے فتنہ و فساد کا سبب بنتی رہی ہے۔

یہ بات قابل ذکر ہے اس مشترکہ دور کی تاریخ ایک دوسرے میں اس طرح گڈ مڈ ہے کہ معمولی سی چوک بھی متعدد غلطیوں کا سبب

بن سکتی ہے لہذا ہم اس دور کی تاریخ کو کافی دھیان کے ساتھ پڑھیں گے تاکہ وہ اس دور کے واقعات کے تسلسل کو سمجھنے میں آسانی ہو۔

جنگی و فوجی مہمات/بغاوتیں

جس وقت عبدالملک بن مروان نے خلافت کی ذمہ داریوں کا بوجھ سنبھالا تھا اس وقت عالم اسلام کے زیادہ حصہ پر عبداللہ بن زبیرؓ کی خلافت قائم تھی لہذا عبدالملک بن مروانؒ کو خلافت کا بار سنبھالنے کے بعد اسے مضبوط بنیادوں پر قائم کرنے کے لیے متعدد جنگی مہمات کا سامنا اور کچھ بغاوتوں کا سد باب کرنا پڑا تھا۔ پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی ندویؒ کے بقول وہ اپنی خلافت کے دور اول میں بڑی خاموشی کے ساتھ حالات کا مطالعہ کرتے رہے اور اپنی مخالف قوتوں کو آپس میں لڑ کر کمزور ہونے دیا۔ غالبا اسی وجہ سے ان کی خلافت (دور اول) کے ابتدائی چار سالوں میں کسی بڑی جنگی مہم یا ان کے خلاف کسی بغاوت کا سراغ نہیں ملتا ہے۔ عہد خلافت کے دور اول کی مشہور جنگوں اور بغاوتوں میں جنگ توابین (5 ربیع الاول 65ھ/685)، خوارج کی بغاوتوں اور مختار ثقفی کے خروج وغیرہ شامل ہیں تاہم یہ کہا جاسکتا ہے ان واقعات کا تعلق اموی خلافت کے مقابلہ میں زبیری خلافت سے زیادہ تھا۔

1. جنگ توابین (5 ربیع الاول 65ھ/685)

زمام خلافت کے سنبھالنے کے ساتھ انھیں توابین کی جماعت سے نبرد آزما ہونا پڑا تھا۔ توابین اس گروہ کو کہا جاتا ہے جسے حسینؓ کی شہادت کے پانچ سال بعد اس جرم کا احساس ہوا تھا کہ انہوں نے نواسہ رسولؐ کو بلانے کے باوجود ان کا ساتھ نہیں دیا جس کی وجہ سے انھیں جام شہادت نوش فرمانا پڑا تھا لہذا انہوں نے اپنے جرم کے کفارہ ادا کرنے کے کے لیے توابین نامی ایک جماعت بنائی اور صرد بن سلیمان خزاعی کی سربراہی میں شام پر حملہ آور کے ارادہ سے آگے بڑھے۔ اس گروہ کا مقابلہ عراق کی حدود میں ہی عین الوداع کے مقام پر عبیداللہ بن زیاد نے اپنی فوج کے ساتھ کیا اور ایک سخت معرکہ کے بعد ان کو نیست و نابود کر دیا۔

مختار ثقفی کا خروج

ابھی توابین کا فتنہ سرد نہیں ہوا تھا کہ مختار ثقفی نامی شخص بیک وقت زبیری اور اموی خلافت کے لیے سر درد بن کر سامنے آگیا۔ اس فتنہ کا تعلق اموی خلافت کے مقابلہ میں زبیری خلافت سے زیادہ ہے اور اس فتنہ کا خاتمہ بھی زبیری خلافت میں بمقام کوفہ سنہ 687/68ء میں ایک سخت جنگ کے بعد مصعب بن زبیرؓ کے ہاتھوں ہوا تھا۔

مختار ثقفی کے خروج کا تعلق اموی خلافت سے صرف اتنا ہے کہ سنہ 66ھ/685 میں کوفہ و موصل پر قبضہ کے کچھ دنوں کے بعد جنگ توابین میں فتح کا جھنڈا لہرانے والے عبیداللہ بن زیاد نے موصل میں مختار ثقفی کے گورنر کو شکست دے کر موصل پر قبضہ کر لیا تاہم یہ فتح بھی عارضی ہی ثابت ہوئی اور مختار ثقفی کے ایک دوسرے سردار ابراہیم بن مالک اشتر نخعی نے موصل پر حملہ کر اس پر دوبارہ قبضہ کر لیا۔ اس معرکہ میں اموی سپہ سالار عبیداللہ بن زیاد بھی شہید ہو گئے تھے۔

عمرو بن سعید الاشدق کی بغاوت

عبداللہ بن زبیر کے ماتحت عراق پر قبضہ کرنے کی خاطر اردو دائرہ معارف کے بقول عبدالملک بن مروان نے 69ھ/689 میں

رومی شہنشاہ کے ساتھ دس سال کے لیے اس شرط کے ساتھ صلح کرلی تھی رومی سلطنت ایک متعینہ خراج کے عوض بنوالمرادت کو شام سے نکال کر روم کی سرزمین آباد کرے گی۔ اس صلح نامہ کے بعد عبدالملک بن مروان، مصعب بن زبیر سے مقابلہ کے لیے دارالحکومت دمشق سے روانہ ہوئے لیکن وہاں عمرو بن سعید الاشدق کی بغاوت کی وجہ سے انھیں دمشق واپس آناپڑا لیکن عمرو بن سعید الاشدق نے جان بخشی اور آزادی کے وعدہ لے کر ہتھیار ڈال دیااور عبدالملک نے ان کی شرطیں مان کر ان کی جان بخش دی تاہم کچھ دنوں بعد آئندہ کی بغاوتوں کے خطرے کے پیش نظر انھیں قتل کرادیا۔

قرقیسیا کا محاصرہ اور زُفر بن حارث کے ساتھ صلح

خلافت زبیری کے ایک اہم مؤید قرقیسا کے والی زُفر بن حارث تھے۔ وہ آخر تک خلفائے امویین کے قابو میں نہیں آسکے لہذا جب عبدالملک بن مروان کو داخلی اور خارجی انتشار سے کچھ فرصت میسر ہوئی تو وہ ان کی جانب متوجہ ہوئے اور ان کی سرکوبی کے لیے اپنے سپہ سالار ابان بن عقبہ کو روانہ کیا بعد ازیں خود بھی ایک لشکر کے ساتھ قرقیسا پہنچ کر وہاں کا سخت محاصرہ کرلیا لیکن فریقین کی جنگ میں زُفر بن حارث کا پلڑا بھاری رہا۔ حالات کو دیکھتے ہوئے عبدالملک کو کوانداز ہ ہوگیا کہ والی قرقیسا کو زیر کرنا آسان نہیں ہوگا تو انہوں نے والی قرقیسا کے پاس صلح کا پیغام بھیجا۔ انہوں نے والی قرقیسا کی شرائط پر نہ صرف صلح کرلی بلکہ ان کی بیٹی کے ساتھ اپنے بیٹے مسلمہ بن عبدالملک کے کا عقد بھی کر دیا۔

جنگ دیر جاثلیق

عبد الملک اندرونی انتشار پر قابو پانے کے بعد وہ دوبارہ عراق کی مہم کی جانب دوبارہ متوجہ ہوئے۔ جزیرہ کے مقام پر 70ھ/690ء میں عبد الملک اور مصعب بن زبیرؓ کی فوجیں آمنے سامنے ہوئیں لیکن یہ مہم کسی منطقی نتیجہ کے بغیر ختم ہوگئی تھی۔ 71ھ/690ء میں عبدالملک نے پوری تیاری کے ساتھ مصعب بن زبیرؓ سے مقابلہ کے لیے دوبارہ نکلے۔ دونوں افواج کا مقابلہ دیر جاثلیق کے مقام پر ہوااور ایک سخت مقابلہ کے بعد اموی افواج کو فتح حاصل ہوئی اور مصعب بن زبیرؓ اور ان کے متعدد سپہ سالاران کو جام شہادت نوش کرنا پڑا۔ اس معرکہ کے بعد پورے عراق پر اموی خلافت کا تسلط قائم ہوگیا۔

مکہ کا محاصرہ، عبداللہ بن زبیرؓ کی شہادت اور ان کی خلافت کا خاتمہ

پورے عراق پر اموی خلافت کے تسلط کے نتیجہ میں اموی خلافت کی طاقت بڑھی تو عبداللہ بن زبیر کی خلافت کا دائرہ نہ صرف مزید سمٹ گیا بلکہ ان کی سیاسی طاقت بھی کافی مضمحل ہوگئی۔ عراق پر قبضہ کے بعد اموی خلافت کی راہ کا سب سے بڑا کانٹا حجاز میں قائم زبیری خلافت تھی لہذا عراق پر اپنا اقتدار و تسلط قائم کرنے کے بعد عبدالملک اس کی جانب متوجہ ہوئے۔ اس علاقہ پر اپنا اقتدار قائم کرنے کے لیے عبدالملک نے خود پیش قدمی نہیں کی بلکہ دیگر سپہ سالاروں کو روانہ کرتے رہے اور وہ ان کی ہدایات کے مطابق عمل کرتے رہے اور سب سے آخر میں اپنے گورنر حجاج بن یوسف کو سنہ 72ھ/ میں روانہ کیا۔ متعدد چھوٹی موٹی جھڑپوں کے بعد حجاج بن یوسف نے مکہ کا اس قدر سخت محاصرہ کیا گیا کہ سامان رسد کی فراہمی بھی مشکل ہوگئی تھی کہ نہ تو سامان رسد مکہ پہنچ سکتا تھا اور نہ ہی کوئی شخص وہاں سے باہر نکل سکتا تھا نتیجتا حالات سخت سے سخت ہوتے چلے گئے۔ اس صورت حال کو دیکھ کر حامیان ابن زبیر ایک ایک کر ان کا ساتھ چھوڑتے چلے گئے حتی کہ ان کے

بھائیوں اور فرزندوں نے بھی ان کا ساتھ چھوڑ دیا۔ عبداللہ بن زبیر اپنی استطاعت کے بقدر اپنی جمیعت کو باقی رکھتے رہے لیکن حالات اس قدر سخت ہو گئے تھے کہ ان کے پاس صرف چند حمایتی ہی رہ گئے تھے۔

حجاج بن یوسف کو جب اس بات کا اندازہ کا مکمل اندازہ ہو گیا کہ عبداللہ بن زبیر کے ساتھ صرف چند افراد ہی رہ گئے ہیں تو انہوں نے ان کے نام ایک خط ارسال کیا جس میں انھیں اموی خلیفہ کی بیعت اور ان کی امان میں آنے کی دعوت دی گئی تھی۔ خط پڑھ کر وہ مشورہ کے خاطر اپنی والدہ اسما بنت ابی بکر کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے مشورہ کے طلب گار ہوئے۔ والدہ محترمہ نے انھیں بنوامیہ کی فوج کے سامنے سر نہ جھکانے اور ایک بہادر شخص کی طرح راہ حق میں شہید ہونے کا مشورہ دیا اور انہوں نے اپنی والدہ کے مشورہ پر عمل کرتے ہوئے اپنے آپ کو اموی فوج کے حوالہ نہیں کیا اور بہادری کے ساتھ اموی فوج سے بر سر پیکار ہوتے ہوئے 17 جمادی الاخری 73ھ/14 کتوبر 692ء کو جام شہادت نوش فرمایا۔ اس سخت حملہ اور آخری معرکہ میں حجاج بن یوسف کی جانب سے کی جانے والی گولہ باری کے نتیجہ میں کعبہ کا ایک حصہ بھی منہدم ہو گیا تھا۔ عبداللہ بن زبیر کی شہادت کے ساتھ ہی زبیری خلافت کا خاتمہ ہو گیا اور پورا عالم اسلام اموی خلافت کے زیر نگیں آ گیا۔

3.2.5 عہد خلافت: دور ثانی (17 جمادی الاخری 73ھ تا 15 شوال 86ھ/14 کتوبر 692 تا 19 اکتوبر 705ء)

مکمل طور مسند خلافت پر فائز ہونے کے بعد بھی انھیں متعدد مشکلات کا سامنا کرنا، جن میں ایک طرف خوارج کی ہمہ گیر شورش تھی تو دوسری طرف متعدد امرا کی بغاوتیں سر فہرست تھیں۔ خارجی طور پر سب سے بڑا مسئلہ رومی حکومت اور اس کی پیش قدمیاں تھیں۔ ان تمام داخلی اور خارجی مشکلات کا مقابلہ عبدالملک نے پوری حکمت و دانشمندی کے ساتھ کیا اور آخر ایک ایسا وقت بھی آ گیا کہ خلافت کے دائرہ کار میں شامل علاقوں میں کسی قسم کا انتشار باقی نہ رہا اور اموی خلافت ایک مضبوط بنیاد دوبارہ استوار ہو گئی اور مزید فتوحات و اصلاحات کے مواقع فراہم ہوئے۔

خوارج کی سرکوبی

خوارج کا فتنہ اس وقت تک کی پوری اسلامی تاریخ کا سب سے اہم فتنہ شمار ہوتا تھا۔ عبدالملک کی خلافت کے دور اول میں ان کی شورش کا مرکز زبیری خلافت تھی لیکن اس کے خاتمہ کے بعد انہوں نے اپنے فتنوں کا رخ اموی خلافت کی جانب کر دیا اور پوری طاقت کے ساتھ ان کے سامنے آ گئے۔

عبدالملک خوارج کے فتنہ سے بخوبی واقف تھے لہذا انہوں نے ان کے خلاف باقاعدہ فوجی کاروائی کر کے ان کا زور اس حد تک توڑ دیا تھا کہ وہ آسانی کے ساتھ سر نہ اٹھا سکیں۔ انہوں نے خوارج کے فتنہ کی سرکوبی کے لیے بیک وقت کئی فوجیں روانہ کیں تھیں:

- پہلی فوج مہلب بن ابی صفرہ ازدی کی کمان میں روانہ کی گئی جنھیں ان کا مقابلہ کرنے کا کافی تجربہ تھا کہ انہوں نے نہ صرف حضرت علیؓ، بلکہ حضرت معاویہ اور عبداللہ بن زبیر کے عہد میں بھی خوارج کی کامیابی سے سرکوبی کی تھی۔ دوسری فوج اپنے بھائی بشیر بن مروان کی قیادت میں روانہ کی جس کی کمان ان کے بعد عبدالرحمن بن اشعث نے سنبھالی تھی۔ تیسری فوج خالد بن عبداللہ کی سربراہی میں روانہ کی گئی۔ ان تینوں افواج نے 72ھ/691ء میں اہواز کے خوارج کو منتشر کر کے ان کی کمر توڑ دی۔

- عمر بن عبید اللہ کی ماتحتی میں روانہ کی جانے والی فوج نے 73ھ/692 بحرین کے ابو فدیک خارجی کی مکمل طور سرکوبی کی تھی۔
- 74ھ/693 میں مہلب بن ابی صفرہ ازدی کی کمان میں روانہ کی گئی ایک دوسری فوج نے رامہرمز اور گازدردن کے خوارج کی طاقت کو ختم کر دیا تھا۔
- 76ھ/695ء میں جزیرہ (بالائی عراق – میسوپوٹے میا) کے خوارج کی جانب سے اموی افواج کو سخت مقابلہ کا سامنا کرنا پڑا۔اس علاقہ کے خوارج نے شبیب بن نعیم شیبانی کی قیادت میں اموی افواج کو اس قدر زچ کر رکھا تھا کہ انہوں نے متعدد اموی سالاروں کو شکست سے دوچار کر کے مختلف علاقوں میں سخت تباہی مچا رکھی تھی۔ان کا حوصلہ اس قدر بڑھ گیا تھا کہ وہ عراق کے صدر مقام کوفہ پر بھی حملہ کر بیٹھے اور مدائن پر قابض ہو گئے۔جب عراقی فوجیں ان کے مقابلہ میں ناکام ثابت ہو گئیں تو ان کے مقابلہ میں شامی افواج اتاری گئی لیکن ان کا انجام بھی عراقی افواج کی طرح ہوا کہ وہ ان سے پے در پے شکست کھاتی چلی گئیں۔یہ صورت حال دیکھ کر خود گورنر عراق حجاج بن یوسف میدان جنگ میں اتر گئے اور مرکز سے مزید افواج منگوائیں۔فوجی کمک مل جانے کے بعد وہ کچھ ایسی بہادری کے ساتھ شبیب کا مقابلہ کیا کہ وہ اور ان کے دیگر سرداران پسپا ہونے پر مجبور ہو گئے تاہم گورنر عراق نے ان کا پیچھا نہیں چھوڑا اور اپنے ایک سالار سفیان بن ابرد کو ان کے تعاقب میں بھیجا جن کے ساتھ ان کا سخت معرکہ ہوا تاہم وہ بھی نے شبیب بن نعیم شیبانی پر قابو نہ پا سکے۔عبد الملک کے عہد خلافت میں پیش آنے والی یہ سب سے سخت خارجی شورش تھی۔جس پر 77ھ/696ء میں قابو پایا تھا۔
- خوارج کا ایک دھڑا ازارقہ سے موسوم کیا جاتا ہے۔انہوں نے بھی اس عہد میں کافی اودھم مچا رکھی تھی۔مہلب بن ابی صفرہ ازدی ان کے ساتھ کئی سالوں تک برسرپیکار رہے لیکن کامیابی ان کے ہاتھ نہ لگ سکی لہذا شبیب بن نعیم شیبانی کی مکمل اور کامیاب سرکوبی کے بعد حجاج بن یوسف ازارقہ کی جانب متوجہ ہوئے اور ان کے مابین پیدا ہونے والے اختلافات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کچھ ایسی حکمت عملی اختیار کی کہ ان کا مکمل زور مہلب بن ابی صفرہ ازدی اور سفیان ابرد کے ہاتھوں ختم ہو گیا۔
- خوارج کی شورشوں کا سلسلہ کئی سالوں پر محیط ہے کہ اموی افواج ان کے ساتھ سالوں جنگ کرتے رہے حتی کہ ان کی طاقت کو مکمل طور 78ھ/697ء میں توڑ دی گئی۔

عراق کے نظم ونسق کی بحالی

خوارج کی سرکوبی کے بعد عبد الملک نے عراق کے نظم ونسق کو بحال کرنے کی طرف متوجہ ہوئے کیونکہ وہاں کی عوام ہر وقت فتنہ پر آمادہ رہتی تھی اور والی وقت کو چین سے بیٹھنے نہیں دیتی تھی۔انہوں نے عراق کے نظم ونسق کو بحال کرنے کی ذمہ داری حجاز کے گورنر حجاج بن یوسف جیسے سخت گیر اور نظم ونسق کے نفاذ پر قادر شخصیت کے سپرد کی جن کی سخت گیری کے قصے زبان زد خاص وعام تھے۔عبد الملک نے انھیں پورے عراق کا گورنر مقرر کیا تھا۔اس منصب پر فائز ہوتے ہی وہ حجاز سے عراق کے لیے روانہ ہوئے اور براہ راست کوفہ کی جامع مسجد پہنچ کر اپنا وہ تاریخی خطبہ دیا جسے عربی زبان وادب کا شاہکار کہا جاتا ہے۔کوفہ میں ان کے ڈرامائی انداز میں داخلہ نے ہی چھوٹے موٹے شر پسندوں کو یہ پیغام دے دیا تھا کہ وہ اس گورنر کے ساتھ وہ سب کچھ نہ کر سکیں گے جو وہ دیگر گورنروں کے کرتے چلے آئے تھے۔حجاج بن

یوسف کے سخت گیر احکامات نے عراق وایران کے علاقوں میں قانون کی حکمرانی قائم جس کے نتیجہ میں وہاں مکمل طور امن وامان قائم ہو گیا۔

بغاوتیں

ہر سربراہ وقت کی طرح عبدالملک کو بھی متعدد بغاوتوں کا سامنا کرنا پڑا تھا جن کا انہوں نے نہایت حکمت ودانشمندی اور پامردی کے ساتھ مقابلہ کرتے ہوئے فرو کیا تھا۔اس عہد میں ہونے والی مشہور بغاوتیں حسب ذیل ہیں:

افریقیا کی بغاوتیں

اندرونی شورشوں پر قابو پانے کے بعد عبدالملک نے خارجی امور پر اپنی توجہ مبذول کرنا شروع کر دیا۔انہوں نے اپنی خارجی مہمات کا آغاز افریقیا سے کیا کیونکہ یہ صوبہ ہمیشہ بغاوتوں کی زد میں رہتا تھا کہ جب بھی مرکز کمزور ہوتا وہاں کوئی نہ کوئی طالع آزما کھڑا ہو جاتا اور حکومت وقت کے لیے پریشانی کا سبب بن جاتا۔صوبہ کی وسعت وہاں پیدا ہونے والے انتشار کا ایک سبب تھا۔اسی طرح غیر مسلم طبقات جیسے بازنطینی وقبطی وغیرہ بھی وہاں کی عوام کو مسلم حکومت کے خلاف ورغلا کر کے بغاوت پر آمادہ کر دیا کرتے تھے خلاصہ کلام یہ ہے کہ وہ صوبہ ہمیشہ بغاوتوں اور انتشار کی آماجگاہ بنا رہتا تھا۔

افریقیا کے معاملات کو سنبھالنے اور وہاں کی شورشوں پر قابو پانے کے لیے عبدالملک نے سنہ 69ھ/688ء میں اپنے ایک اہم سپہ سالار زہیر بن قیس کو وہاں کے لیے روانہ کر دیا۔ان کے وہاں پہنچنے کے بعد باغی سردار کسیلہ بن مکرم نے قیروان کو خالی کر دیا لیکن انہوں نے ان کا پیچھا نہیں چھوڑا اور حمس کی جنگ میں انھیں شکست فاش دے کر اسلامی خلافت کا علم بلند کیا۔لیکن افریقیا میں رومیوں کی مداخلت کی وجہ سے یہ امن کی یہ صورت حال بہت زیادہ دنوں تک برقرار نہ رہ سکی کہ والی افریقیا زہیر بن قیس کی غیر موجودگی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے رومیوں نے ایک بڑے لشکر کے ساتھ برقہ پر حملہ کر دیا۔اسی دوران والی افریقیا زہیر بن قیس برقہ پہنچ چکے تھے لیکن نفری طاقت کے بہت زیادہ فرق کی وجہ سے وہ دوبدو مقابلہ میں نہ صرف شکست سے دوچار ہوئے بلکہ شہید بھی ہو گئے۔ان کی شہادت کی وجہ سے وہاں کے حالات ایک بار پھر ابتر ہو گئے۔

افریقیا کے خراب حالات کے پیش نظر عبدالملک نے اپنے ایک قابل سپہ سالار اور دور اندیش منتظم حسان بن نعمان غسانی کی قیادت میں ایک دوسری فوج روانہ کی۔سپہ سالار غسانی نے اپنے تجربہ اور انتظامی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے افریقیا میں شورش کے تمام سوتوں کو خشک کرنے کا ایک منصوبہ بنایا اور اس پر عمل کرتے ہوئے یکے بہ دیگرے قرطاجنہ، صطفورہ اور بیزت وغیرہ پر اسلامی علم کو لہراتے چلے گئے۔بعد ازیں انہوں نے افریقی وبربری ملکہ دامیہ کو بھی شکست سے دوچار کیا جس نے اسلامی خلافت کے مرکز میں پائے جانے والے انتشار سے فائدہ اٹھاتے ہوئے افریقیا کے پہاڑی علاقوں میں اپنی سربراہی کا اعلان کر دیا تھا اور کسیلہ بن مکرم کی شکست کے بعد ان کے حامیوں نے ملکہ کا ساتھ دے کر اسے مزید مضبوط بنا دیا تھا۔پہلے مرحلہ میں حسان بن نعمان غسانی کو ملکہ کی فوج سے شکست کا سامنا کرنا پڑا اور مجبورا برقہ کی طرف لوٹنا پڑا تھا۔اس شکست کے بعد وہ ملکہ دامیہ پر اسی وقت قابو پا سکے جب 87ھ/697ء میں خوارج کے فتنہ پر قابو پانے کے بعد مرکز سے فوجی مدد پہنچی تھی۔نئی فوجی ٹکڑی کی مدد سے انہوں نے ملکہ کو شکست دی۔فتح کے بعد انہوں نے بربروں کی عام معافی کا اعلان کیا

جس کے خوشگوار اثرات مرتب ہوئے اور ایک خاصی تعداد نے اسلام کی آغوش میں پناہ لے لی۔ مزید برآں انہوں نے اس علاقہ میں باقاعدہ اسلام کی تبلیغ کی جس کی وجہ سے افریقیا کا خاصا بڑا حصہ اسلام کے سائے میں داخل ہو گیا اور وہاں مستقل شورشوں کا خاتمہ ہو گیا۔

عبداللہ بن جارود کی بغاوت

مذکورہ بالا بیرونی بغاوتوں کے علاوہ اندرون مملکت میں بھی بغاوتیں ہوئی تھی۔ ان میں سب سے زیادہ اہم بغاوت عراقی افواج کے ایک سپہ سالار عبداللہ بن جارود کی بغاوت تھی۔ اس بغاوت کا سبب عراقی افواج کی بڑھی ہوئی تنخواہ میں حجاج بن یوسف کی جانب سے کی جانے والی کمی تھی۔ حجاج بن یوسف کے اس فیصلہ کے خلاف عراقی فوج کے ایک حصہ عبداللہ بن جارود کی قیادت میں بغاوت کر بیٹھا لیکن انہوں نے اس بغاوت کو سختی سے کچلتے ہوئے عبداللہ بن جارود اور ان کے اہم ساتھیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

وسط ایشیا کا محاذ بغاوت

مرکز سے دوری اور وہاں کے انتشار کی وجہ سے وسط ایشیا میں بھی افریقیا کی طرح اکثر و بیشتر بغاوتیں ہوتی رہتی تھیں۔ اس علاقہ میں ہونے والی بغاوتوں میں سیستان کے ترک باج گذار رتبیل کی بغاوت بھی شامل ہے۔ جب والی خراسان کے فرزند عبداللہ بن امیہ جب رتبیل ان کی سرکوبی کے لیے نکلے تو انہوں نے گھبرا کر صلح کر لی اور خراج ادا کرنے لگے لیکن کچھ دنوں بعد پھر بغاوت کر بیٹھے۔ اس مرتبہ ان کی سرکوبی کے لیے حجاج بن یوسف نے 79ھ/698ء میں عبیداللہ بن بکرہ کی قیادت میں ایک فوج بھیجی لیکن اسے نہ صرف شکست کا سامنا کا پڑا بلکہ تاوان دے کر اپنی جان بچانی پڑی۔

رتبیل کی مکمل سرکوبی کے لیے حجاج بن یوسف نے 80ھ/699ء میں نہ صرف ایک زبردست فوج بھیجی بلکہ اس مہم کو کامیاب سے ہم کنار کرنے لیے ایک مکمل فوجی منصوبہ بندی بھی کی جس کی روشنی میں وہ اس فوج کے سپہ سالار عبدالرحمن بن اشعث کندی کو وقتاً فوقتاً ہدایات بھی بھیجتے رہتے تھے جن کی روشنی میں اسلامی فوج کامیابیوں سے بھی ہمکنار ہو رہی تھی۔ حجاج بن یوسف اس مہم کو جلد از جلد مکمل کرنا چاہتے تھے اور سپہ سالار عبدالرحمن بن اشعث کی سست رفتاری اور جنگی منصوبہ بندی سے کسی نہ کسی حد تک نالاں بھی تھے لہذا انہوں نے جلد از جلد مہم کو مکمل کرنے لیے سپہ سالار کو ایک سخت خط لکھا جو عبدالرحمن بن اشعث کو یہ بات اتنی ناگوار محسوس ہوئی کہ انہیں رتبیل سے نہ صرف صلح کر لی بلکہ حجاج کے خلاف بغاوت بھی کر بیٹھے۔

عبدالرحمن بن اشعث کندی کی بغاوت اور انجام

حجاج بن یوسف اپنے سخت گیر رویہ کی وجہ سے عوام اور سرداران کے درمیان بالکل بہت زیادہ مقبول نہیں تھے جس کا انھیں متعدد مرتبہ خمیازہ بھی بھگتنا پڑا لیکن وہ ہر حال میں ان مشکلات سے باہر نکل آتے ہیں۔ حجاج بن یوسف کو اپنی سخت گیر رویہ کی وجہ سے سب سے بڑی دشواری کا سامنا عبدالرحمن بن اشعث کی بغاوت کی شکل میں کرنا پڑا تھا۔

عبدالرحمن بن اشعث نے بغاوت کرنے کے بعد اپنی خلافت کا اعلان کر دیا اور حجاج بن یوسف سے جنگ کرنے کے لیے نکل پڑے اور ان کی افواج کو شکست دیتے ہوئے بصرہ پر 81ھ/700ء پر قبضہ کر لیا لیکن کئی معرکوں کے بعد حجاج بن یوسف انھیں بصرہ سے بے دخل

کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ بصرہ سے نکل کر عبدالرحمن بن اشعث نے کوفہ پر قبضہ کرلیا۔

عبدالرحمن بن اشعث کی بغاوت کی سختی کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ ایک وقت ایسا بھی آیا عبدالملک، اپنے محبوب گورنر کو اس مشکل سے چھٹکارا دلانے کے عبدالرحمن بن اشعث کی شرائط پر صلح کرنے کے لیے بھی تیار ہوگئے تھے لیکن عراقیوں نے ان کی پیش کش کو ٹھکراتے ہوئے عبدالرحمن بن اشعث پر سخت حملہ کر کے 83ھ/702ء میں کوفہ پر بھی قبضہ کرلیا۔ عبدالرحمن بن اشعث نے ایک بار پھر بصرہ میں پناہ لی اور آخر کار شعبان 83ھ/702ء میں ہونے والے سخت معرکہ میں شکست سے دوچار ہونے کے بعد باغی رتبیل کے دامن میں پناہ لی اور وہیں گمنامی کی حالت میں سنہ 85ھ/704ء میں اس دار فانی سے کوچ کر گئے۔

خلیفہ عبدالملک بن مروان کے عہد کی یہ آخری بغاوت تھی اس کے بعد پورے عراق میں مکمل امن وامان قائم ہوگیا تھا۔

بغاوتوں کا رومی محاذ

خلیفہ عبدالملک بن مروان کا دور اول تو اندرونی محاذ بندی میں گذر گیا تھا۔ یہ دور ان کی خلافت کا سخت ترین دور تھا حتی کہ انھیں اندرونی حالات پر قابو پانے کے لیے رومی سلطنت سے صلح کر کے خراج بھی ادا کرنا پڑا تھا لیکن خلافت کے دور ثانی میں جب اندرونی حالات مستحکم ہوگئے تو وہ بیرونی محاذوں کی جانب متوجہ ہوئے جن میں رومی محاذ بھی شامل تھا۔ انہوں نے وہاں ماہر فوجی جرنلوں کی نگرانی میں افواج روانہ کی اور شمالی سرحد پر ایک بڑی چوکی بھی قائم کی جہاں سے اسلامی افواج ایک تسلسل کے ساتھ رومیوں کے ساتھ جہاد کرنے کے لیے نکلتی رہتی تھیں۔ ان فوجی کاروائیوں کو کامیابی کے ساتھ انجام دینے کا سہرا عبدالملک کے بڑے بیٹے مسلمہ بن عبدالملک کے سر بندھتا ہے کہ انہوں نے اس محاذ تو تاحیات سنبھالے رکھا اور متعدد رومی علاقے کو فتح کر کے اموی خلافت و حکومت کی وسعت میں اضافہ کیا۔

3.2.6 فتوحات

پانچویں اموی خلیفہ کے عہد میں فتوحات کا دائرہ بہت زیادہ وسیع نہیں ہوا تھا کہ ان کی خلافت کا زیادہ تر حصہ اندرونی و بیرونی مسائل سے نپٹنے اور خلافت و حکومت کو مستحکم کرنے اور اسے بیرونی حملوں سے محفوظ کرنے کے انتظامات میں گذرا تھا۔ تاہم افریقیا، وسط ایشیا اور روم میں فتوحات کا آغاز ہو چکا تھا جس کے گہرے اثرات ولید بن عبدالملک کے زمانہ خلافت میں مرتب ہوئے تھے کہ اسلامی خلافت و حکومت کا دائرہ اس قدر وسیع ہوگیا تھا کہ اس وسعت کو وہ اپنے کسی بھی عہد میں نہیں پہنچ سکی۔

استحکام ریاست و مملکت

معاویہؓ کے عہد کے بعد اموی حکومت و خلافت کو سب سے زیادہ استحکام عبدالملک بن مروان کے زمانہ خلافت میں حاصل ہوا تھا کہ انہوں نے اسے اتنی مضبوط بنیادوں پر کھڑا کر دیا تھا کہ سالوں تک اس کے پایہ استحکام میں کسی قسم کا تزلزل نہیں پیدا تھا۔ اسی سبب کی بنا پر انھیں اموی خلافت و حکومت کا دوسرا بانی کہا جاتا ہے۔

گورنرس

کسی بھی حکومت و ریاست کے استحکام میں بنیادی کردار اس کے گورنرس ادا کرتے ہیں۔ عبدالملک نے اپنے تمام گورنرس کا انتخاب

بہت سوچ سمجھ کر اور ان کی صلاحیتوں کی بناپر کیا تھا اور وقت نے یہ ثابت کر دیا کہ وہ اپنے انتخابات میں غلط نہیں تھے۔ پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی کے بقول ملکی وریاستی استحکام میں گورنرس کی انتظامی قابلیت اور مدبرانہ حکمت عملی کا اہم کردار ہوتا ہے۔ عبدالملک اپنے گورنروں کا انتخاب صلاحیت کی بناپر کیا کرتے تھے۔ وہ ان کے کاموں پر ہر وقت نگاہ رکھتے تھے، ان کے لیے نہ صرف ہدایات جاری کیا کرتے تھے بلکہ ان کی غلطیوں پر تنبیہ بھی کیا کرتے تھے اور بسااوقات انھیں اپنے غلط فیصلوں یا کاموں کی بنیاد پر معافی مانگنے پر مجبور کیا کرتے تھے

حجاج بن یوسف ودیگر گورنرس وامرا

ان کے عہد کے سب سے زیادہ نامور گورنر حجاج بن یوسف تھے جنھوں نے عبدالملک کی خلافت وحکومت کو مستحکم کرنے میں سب سے زیادہ اہم کردار ادا کیا تھا۔ حجاج بن یوسف اسلامی تاریخ کا ایک ایسا افسانوی کردار ہے جو ایک طرف نیک اعمال بھی کرتا ہے تو دوسری طرف ظلم وستم کے پہاڑ توڑتا ہوا نظر آتا ہے۔ غالباوہ اسلامی تاریخ کی سب سے معتوب شخصیت ہے جس کے دامن میں نیکیوں کے مقابلہ میں برائیوں کا پلڑا زیادہ بھاری دکھایا جاتا ہے حتی کہ امام ذہبیؒ نے انھیں عبدالملک کا ایک گناہ تک قرار دے دیا ہے۔ لیکن اس بات کو نظرانداز کر دیا جاتا ہے کہ بسااوقات سختی کے بغیر کسی مقصد کا حصول ناممکن نہ سہی تو مشکل ضرور ہو جاتا ہے۔ پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقیؒ کی تحقیقات کے مطابق تاریخ کی کتابوں میں ان کے متعلق جو کچھ بیان کیا جاتا ہے اس کا ایک معتدبہ حصہ افسانوں پر مشتمل ہے جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے جس کے اسباب کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے لکھا ہے کہ ''دراصل شیعہ، خوارج اور دوسرے اسلام دشمن طبقات نے ان کو بدنام کرنے کے لیے غلط سلط روایات گڑھ کر پھیلا دیں۔ اسی طرح ان کی سخت گیر حکمت عملی اور بعض غلطیوں کا بھی دخل ہے'۔

'تاریخ اسلام' کے مصنف مولانا اکبر شاہ خان نجیب آبادی کے بقول عبدالملک بن مروان کی سب سے بڑی غلطی اور خطا یہ ہے کہ انہوں نے حجاج بن یوسف کو ضرورت سے سے اختیار اور اقتدار دے دیا تھا اور انہوں نے اس کا بیجا استعمال بھی کیا لیکن اس قسم کی غلطیاں ہر اس حکمراں سے سرزد ہو سکتی ہیں جو اپنی سلطنت کے قیام واستحکام کا خواہاں ہو۔ حجاج بن یوسف کے علاوہ دیگر گورنرس میں ہشام بن عبدالملک اور عبیداللہ بن زیاد جیسے افراد شامل تھے۔

3.2.7 عبدالملک کا عہد خلافت (تہذیب وثقافت کے حوالہ سے)

عبدالملک کا عہد خلافت میں اسلامی تہذیب وثقافت کو کافی فروغ حاصل ہوا تھا۔ اس عہد میں ہونے والی تمدنی وثقافتی اصلاحات حسب ذیل ہیں:

- **اسلامی سکہ کا اجرا:** امیر معاویہ کے عہد میں بھی ایک اسلامی سکہ کا اجرا ہوا تھا لیکن انہوں نے رومی وایرانی سکوں کا چلن بھی باقی رکھا جس کی وجہ سے اس کا مکمل رواج نہ ہو سکا۔ عبدالملک نے اپنے عہد میں اسلامی سکہ جاری کیا اور دیگر تمام سکوں کو کالعدم قرار دے دیا نتیجتا ساری اسلامی ریاست میں اسلامی سکہ کا چلن عام ہو جاتا ہے اور آنے والے دیگر اسلامی ادوار میں اسلامی سکوں کا چلن عام رہا تقریباہر عہد میں اسلامی سکوں کا اجرا ہوتا رہا اور باقاعدہ اس کے لیے کارخانے قائم کیے جاتے رہے تھے۔ اس عہد میں دیگر سکوں کے کالعدم قرار دینے کا یہ سبب بیان کیا جاتا ہے رومی سلطنت نے اس پر مکتوب الفاظ پر اپنے تحفظات کا اظہار کرتے دھمکی آمیز لہجہ میں خلیفہ سے شکایت کہ آپ

ان الفاظ کو سکہ پر سے ہٹا دیجیے ورنہ ہم بھی ایسے الفاظ کندہ کریں گے جو آپ کی دل آزاری کا سبب ہوگا۔ یہ سن کر انہوں نے ساری خلافت میں دیگر سکوں پر پابندی لگادی اور تمام مالی امور کے لیے اسلامی سکہ کو لازمی قرار دے دیا۔

- **عربی کو سرکاری زبان قرار دینا:** عہد خلافت راشدہ سے ہی مفتوحہ علاقوں میں دیگر مقامی زبانوں کے ساتھ عربی زبان میں سرکاری کام کاج انجام دیے جاتے تھے لیکن عبد الملک کے عہد میں صرف عربی زبان کو سرکاری زبان قرار دیا گیا اور دیگر زبانوں میں سرکاری امور انجام دینے کی ممانعت کر دی گئی۔ پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقیؒ کے بقول ''عربی کو سرکاری زبان قرار دینے کا بہت عظیم نتیجہ نکلا۔ تمام غیر عرب علاقے خاص کر عراق سے لے مراکش تک عرب ہوگئے اور ان کی تہذیب عربی اسلامی بن گئی''۔
- **قبۃ الصخرا کی تعمیر:** عبد اللہ بن زبیرؓ کے عہد میں عراق و شام اور دیگر اموی علاقوں میں رہنے والے افراد کو حج کی اجازت اس شرط پر ملتی تھی کہ وہ عبد اللہ بن زبیرؓ کی خلافت کو تسلیم کر لیں۔ اس شرط کی وجہ سے کافی افراد حج کا فرض ادا کرنے سے محروم رہ جاتے تھے۔ اس محرومی کے احساس کو کسی حد تک کم کرنے کے لیے عبد الملک بن مروانؒ نے ان علاقوں کے لوگوں کو بیت المقدس/مسجد اقصی کی زیارت کی طرف راغب کرنا شروع کیا کہ اسے ایک حدیث نبوی میں حرمین شریفین کے بعد سب سے زیادہ مقدس قرار دیا گیا ہے۔ اس فضیلت کے پیش نظر انہوں نے بیت المقدس کی مسجد اقصی کی تعمیر نو کے ساتھ ساتھ اس میں توسیع بھی کی اور اس کے ایک گوشہ میں ایک عالی شان گنبد بنایا جسے آج قبۃ الصخرا سے موسوم کیا جاتا ہے۔ یہ گنبد آج بھی مسجد کی عظمت اور پاکیزگی کا ایک نشان بنا ہوا ہے۔
- **حرمین شریفین کی خدمات:** عبد اللہ بن زبیر نے اپنے عہد میں خانہ کعبہ کی عمارت میں حطیم کو شامل کر دیا تھا لیکن عبد الملک نے اپنے عہد میں حطیم کو خانہ کعبہ کی عمارت سے اس لیے علاحدہ کر دیا تھا کہ وہ عہد نبوی میں خانہ کعبہ کی عمارت میں شامل نہیں تھا۔ مزید برآں وہ خانہ کعبہ کے لیے ہر سال دیبا کے غلاف اور حرمین کو معطر کرنے کے لیے بخورات اور عود وغیرہ بھی بھیجا کرتے تھے۔ مسجد نبوی کے لیے فرش کا انتظام بھی اس میں شامل تھا۔
- **مساجد کی تعمیر:** عبد الملک کے عہد میں اسلامی مملکت و خلافت کے متعدد مقامات پر مساجد کی تعمیر کروائی تھی۔ ان میں سے سب اہم مسجد دمشق کی 'جامع اموی' ہے اور اسے اسلامی مساجد کی تاریخ میں حرمین شریفین اور مسجد کے بعد شہرت کے اعتبار سے چوتھا مقام حاصل ہے۔ اس کی تعمیر کی ابتدا عبد الملک کے عہد میں سنہ 705ء میں ہوئی تھی تاہم اس کی تکمیل ان کے بیٹے ولید کے عہد میں ہوئی تھی۔ دمشق کے علاوہ انہوں نے واسط، بروعہ اور اردبیل وغیرہ نامی مقامات پر بھی مساجد تعمیر کروائی تھی۔
- عبد الملک کے دور میں ہی حجاج بن یوسف کی نگرانی میں قرآن پر نقطہ اور اعراب لگوائے گئے۔
- شہری آبادکاری (Town Planning): عبد الملک بن مروانؒ کا ایک بڑا کارنامہ نئے شہروں کو بسانا اور پرانے شہروں کی تعمیر کے ساتھ ساتھ ان کی توسیع بھی تھی۔ ان کے عہد میں بسائے جانے والا اہم شہر واسط ہے جو کوفہ و بصرہ کے درمیان بسایا گیا تھا۔ ان کے علاوہ انہوں نے آذربائیجان کے شہر اردبیل اور بروعہ اور افریقیا کے شہر قیروان اور برقہ کی تعمیر و توسیع میں نمایاں کردار ادا کیا تھا۔
- رفاہ عام کے کام: مکہ کی وادی میں بسنے والی آبادی پہاڑوں سے اترنے والے بارش کے پانی کی وجہ سے ہر وقت سیلاب کی زد میں رہتے تھے لیکن سنہ 80ھ میں آنے والے مکہ کے مشہور سیلاب ''سیل جارف'' کی وجہ سے اہل مکہ کو کافی جانی و مالی نقصان کا سامنا کرنا پڑا

تھالہذا خلیفہ وقت نے حالات کی سنگینی کا اندازہ کرتے ہوئے وہاں پشتے اور بند تعمیر کروا کر وہاں کی آبادی کو سیلاب سے ہمیشہ کے لیے محفوظ کر دیا۔

3.2.8 عبدالملک بن مروان کی شخصیت و مقام

خلافت اموی کے پانچویں خلیفہ عبدالملک بن مروان کا شمار اہم اسلامی خلفا میں ہوتا ہے۔ وہ نہ صرف بہت بڑے ماہر سیاست اور اعلی دماغ منتظم ہی نہ تھے بلکہ وہ علم کے اعتبار سے بھی ایک نمایاں مقام و مرتبہ کے حامل تھے کہ ان کا شمار اس عہد کے چار نامور اور بڑے مدنی فقہا میں ہوتا تھا۔ امام ذہبی کے اس بیان سے بھی ان کی علمی قدر و منزلت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ انہوں نے اپنی مشہور کتاب سیر اعلام النبلا میں ان کے ذکر خیر کو شامل کرنے کا سبب محض ان کے علم و فضل کو قرار دیا ہے۔ پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقیؒ کے بقول وہ انتہائی عقلمند، زیرک، بہادر، مستقل مزاج، صابر و شاکر، دور اندیش اور مردم شناس تھے۔ ان میں سخاوت و فیاضی اور حلم و کرم بھی بہت تھا۔ وہ عوام و خواص میں بہت مقبول تھے۔ متعدد صحابہ کرام اور تابعین عظام ان کے علم و فضل کا برملا اعتراف کیا کرتے تھے۔ ان کی مہر اور سرکاری فرامین اللہ اور رسول کے نام سے ہمیشہ مزین ہوتے تھے۔ ان کی انگوٹھی پر 'آمنت باللہ مخلصا' ثبت تھا۔

3.3 فرہنگ

متمکن: فائز ہونا

شورش: فساد

زیرک: عقلمند

3.4 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے درج ذیل نکات سیکھے:

- اموی خلافت کے پانچویں خلیفہ عبدالملک بن مروان کا شمار نہ صرف اہم اموی خلفا میں ہوتا ہے بلکہ پوری اسلامی تاریخ کے اہم خلفا میں ہوتا ہے۔ ان کے عہد خلافت کا دور اولیں تو انتشار اور بدامنی کا شکار رہا لیکن دور ثانی مستحکم، پائیدار اور پرامن رہا۔
- مسند خلافت پر فائز ہونے سے پہلے انہوں نے عنفوان شباب میں کچھ حکومتی سطح کی ذمہ داریاں جیسے معاویہؓ اور ان کے صاحبزادے کے عہد میں روم کے خلاف ہونے والی فوج کشی میں بطور سپہ سالار شامل ہونا، صوبہ ہجر کا گورنر اور مدینہ کے سکریٹریٹ کا نگراں مقرر کیا جانا وغیرہ۔ اسی طرح انہوں نے اپنے والد مروان بن حکم کے عہد خلافت میں بھی کئی اہم ذمہ داریاں سنبھالی تھی۔
- پانچویں خلیفہ عبدالملک بن مروان کی وفات 63 سال کی عمر میں ہوئی تھی۔ مسند خلافت پر فائز ہونے کے اعتبار سے ان کی کل مدت خلافت تو 21 برس پر مشتمل ہے لیکن اگر اس دورانیہ میں سے مشترکہ دور خلافت کا عہد نکال دیا جائے تو عبداللہ بن زبیر کی شہادت کے بعد ان کی خلافت کا دورانیہ 13 برس، 3 ماہ 13 دنوں پر محیط تھا۔

- خلیفہ عبدالملک نے اپنی زندگی میں ہی اپنے دو بیٹوں: ولید بن عبدالملک اور سلیمان بن عبدالملک کو اپنا ولی عہد نامزد کر دیا تھا۔
- چوتھے خلیفہ مروان بن حکم نے اپنی حیات میں ہی انھیں ولی عہد نامزد کر دیا تھا لہذا ان کی خلافت کا آغاز ان کے والد محترم مروان بن حکم کی وفات کے ساتھ ہی ہو جاتا ہے۔ ان کے عہد میں اموی خلافت کو کافی استحکام حاصل ہوا تھا اور انہوں نے اسے بہت مضبوط بنیادوں پر قائم کر دیا تھا جسے کافی عرصہ تک متزلزل نہیں کیا جا سکا تھا۔
- عبدالملک بن مروان کے عہد خلافت میں اسلامی تہذیب و تمدن اور ثقافت کو کافی فروغ حاصل ہوا تھا۔ اس عہد کی ثقافتی اور تمدنی سرگرمیوں میں اسلامی سکہ کا اجرا، عربی زبان کو سرکاری زبان قرار دینا، قبۃ الصخرا کی تعمیر، جامع اموی اور دیگر مساجد کی تعمیر، شہری آبادکاری (Town Planning) وغیرہ شامل ہیں۔

3.5 نمونہ امتحانی سوالات

3.5.1 معروضی جوابات کے متقاضی سوالات

1. اموی خلیفہ عبدالملک نے اپنے والد کے عہد خلافت میں کس جنگ میں قائدانہ کردار ادا کیا تھا؟

(a). جنگ قرقیسیا (b). جنگ دیر جاثلیق (c). جنگ بحرین (d). مرج راہط

2. عبدالملک بن مروان کی وفات کے وقت ان کی عمر کتنی تھی؟

62.(a) 63.(b) 64.(c) 65.(d)

3. عبدالملک نے اپنا پہلا ولی عہد کسے مقرر کیا تھا؟

(a). سلمان بن عبدالملک (b). عمر بن عبدالعزیز (c). ولید بن عبدالملک (d). ہشام بن عبدالملک

4. پانچویں اموی خلیفہ کے عہد میں خوارج کی سرکوبی میں سب سے زیادہ اہم کردار کس نے ادا کیا تھا؟

(a). مہلب بن ابی صفرہ (b). حجاج بن یوسف (c). عبید بن زیاد (d). عبیداللہ بن ابی بکر

5. عراق میں نظم و نسق کو بحال کرنے میں سب سے اہم کردار ادا کرنے والے گورنر کون تھے؟

(a). حجاج بن یوسف (b). مہلب بن ابی صفرہ (c). عبید بن زیاد (d). عبیداللہ بن ابی بکر

3.5.2 مختصر جوابات کے متقاضی سوالات

1. عبدالملک بن مروان کی پیدائش اور نشو و نما پر ایک مختصر نوٹ لکھیے۔
2. "عبدالملک بن مروان اموی خلافت کے حقیقی معمار تھے۔" اس بیان پر اپنی رائے دلائل کے ساتھ لکھیں۔
3. عبدالملک بن مروان کی اصلاحات نے اموی خلافت کو کس طرح مستحکم کیا؟
4. عبدالملک بن مروان کی خلافت کا آغاز کن حالات میں ہوا تھا۔

5. قرقیسیا کے محاصرہ اور زفر بن حارث کے ساتھ ہونے والی صلح پر ایک نوٹ لکھیے۔

3.5.3 طویل جوابات کے متقاضی سوالات

1. خلافت سے قبل عبدالملک بن مروان کے حالات زندگی پر روشنی ڈالیے۔
2. عبدالملک بن مروان نے اپنے دور ثانی میں خوارج کی سرکوبی کس طرح کی تھی؟ لکھیے۔
3. عبدالملک بن مروان کے عہد خلافت میں ہونے والی تہذیبی اور ثقافتی سرگرمیوں پر روشنی ڈالیے۔

3.6 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1. تاریخ طبری از علامہ ابن جریر طبری (جلد چہارم)، ترجمہ از ڈاکٹر محمد صدیق ہاشمی، نفیس اکیڈیمی، اردو بازار، کراچی، اپریل 2004۔
2. تاریخ ابن کثیر از ابن کثیر (جلد چہارم)، ترجمہ از مولانا ابو طلحہ محمد اصغر مغل، دارالاشاعت، کراچی، نومبر 2008۔
3. تاریخ تہذیب اسلامی از پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی (حصہ دوم)، قاضی پبلشرز اینڈ ڈسٹری بیوٹرز، دہلی، 1998۔
4. تاریخ اسلام از مولانا اکبر شاہ خان نجیب آبادی (حصہ دوم)، ادارہ مرکز ادب، جامع مسجد، دیوبند، ب ت۔
5. تاریخ اسلام از شاہ معین الدین احمد ندوی (حصہ دوم)، دارالمصنفین شبلی اکیڈیمی، اعظم گڑھ، 2009۔

معروضی سوالات کے جوابات

1. D	2. B	3. C	4. A	5. A

اکائی4: اہم حکمراں حصہ سوم: ولید بن عبدالملک

اکائی کے اجزا:

4.0 تمہید

4.1 مقاصد

4.2 ولید بن عبدالملک: (705-715 AD) مختصر سوانح حیات

4.3 بہ حیثیت خلیفہ ولید بن عبدالملک کی اہم خدمات

4.3.1 بری اور بحری فوج میں ترقی

4.3.2 فتوحات

4.3.3 سازشوں اور بغاوتوں کا خاتمہ

4.3.4 بیمارستان، شفاخانوں کا قیام

4.3.5 تعمیراتی خدمات

4.3.6 روضہ اطہر کی مرمت

4.3.7 مسجد نبوی کی توسیع و تعمیر

4.3.8 جامع اموی، دمشق کی تعمیر

4.4 فرہنگ

4.5 اکتسابی نتائج

4.6 نمونہ امتحانی سوالات

4.6.1 معروضی جوابات کے متقاضی سوالات

4.3.9 مختصر جوابات کے متقاضی سوالات

4.3.10 طویل جوابات کے متقاضی سوالات

4.0 تمہید

ولید بن عبدالملک کا شمار اموی حکومت کے کامیاب اور بااثر حکمرانوں میں ہوتا ہے، چنانچہ ان کا دور (86 ہجری، 705 تا 96 ہجری، 715) فتوحات کے اعتبار سے اسلامی تاریخ کا سنہرا دور کہا جاتا ہے۔ اس زمانے میں نہ صرف اموی حکومت کی سرحدیں وسیع ہوئیں، بلکہ وہ سیاسی، سماجی، معاشی اور تہذیبی اعتبار سے اپنے عروج پر پہنچ گئی۔ وہ ایک ایسے حکمراں تھے، جنہوں نے دین داری، عدل، سخاوت، تعمیر و ترقی، فتوحات اور فلاح و بہبود کے شعبوں میں اپنی صلاحیتوں کا غیر معمولی مظاہرہ کیا تھا۔ ان کی شخصیت متوازن اور دور اندیش تھی۔ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ انہوں نے اپنے عمل اور فیصلوں سے اموی حکومت کو دنیا کی ایک بڑی طاقت میں تبدیل کر دیا تھا۔ اس اکائی میں بنیادی طور پر ان کی حیات و خدمات کا جائزہ لیا جائے گا۔

4.1 مقاصد

اس اکائی کا مقصد ہے کہ آپ:

- ولید بن عبدالملک کی شخصیت سے واقف ہوں اور بہ حیثیت خلیفہ ان کے کارنامے کا خلاصہ کر سکیں۔
- ولید بن عبدالملک کے زمانے میں ہوئی فتوحات کی فہرست تیار کر سکیں۔
- ولید بن عبدالملک کی کامیابیوں میں ان کے سپہ سالاروں کے انتخاب اور ان کو دی گئی آزادی پر گفتگو کر سکیں۔
- اس دور میں علم و ادب، تہذیب و تمدن، تعمیرات اور رفاہ عامہ وغیرہ کی اصلاحات کا جائزہ لے سکیں۔
- ولید کے دور کے اہم واقعات کو زمانی ترتیب (Timeline) کے اعتبار سے بیان کر سکیں۔

4.2 ولید بن عبدالملک: (705-715 AD) مختصر سوانح حیات

ابوالعباس ولید بن عبدالملک بنو امیہ کے مشہور خلیفہ اور عبدالملک بن مروان کے بیٹے تھے۔ وہ 50 ہجری میں پیدا ہوئے۔ ان کی والدہ کا نام ولادہ بنت عباس تھا۔ والد محترم کی طرح ان کی بھی مدینہ منورہ میں تعلیم و تربیت ہوئی، البتہ اس میں انہیں وہ شہرت حاصل نہیں ہو سکی جو ان کے والد کی تھی۔ مؤرخین کے مطابق انہیں عربی زبان سے بھی صحیح واقفیت نہیں تھی، اگرچہ ان کے والد نے اس پہلو پر خصوصی توجہ دی اور مختلف اہل علم کے پاس انہیں بھیجا یا ان کی درس و تدریس کے لیے نامور اساتذہ مقرر کیے، لیکن وہ اس میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ شعبی کہتے ہیں کہ ولید کو ان کے والدین نے نہایت ہی ناز و نعمت سے پالا تھا، اس لیے وہ تعلیم میں پیچھے رہ گئے۔ روح بن زنباح کہتے ہیں کہ ''میں ایک دن عبدالملک کے پاس گیا تو انہیں بہت ہی غمگیں اور اداس پایا، میں نے وجہ پوچھی تو انہوں نے کہا کہ میں سوچ رہا ہوں کہ کس کو

اپنا ولی عہد بناؤں، کچھ سمجھ میں نہیں آرہا ہے۔ میں نے کہا کہ ولید میں کیا مسئلہ ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ انہیں نحو نہیں آتی۔ ولید نے ان کی یہ گفتگو سن لی، انہوں نے اسی وقت نحویوں کو جمع کیا اور ان سے چھ مہینے نحو سیکھی، لیکن بد قسمتی سے وہ جیسے پہلے تھے، اب بھی رہے، چنانچہ والد نے ان کو اس سے معذور کہہ کر ٹال دیا''۔ ابوالزناد کہتے ہیں کہ ولید اعراب میں بہت غلطیاں کرتے تھے، چنانچہ انہوں نے ایک مرتبہ مسجد نبوی میں کہا کہ ''یا اھل المدینة''۔ اسی طرح ابو عکرمہ کہتے ہیں کہ ایک بار ولید نے ممبر پر اس طرح آیت پڑھی: ''یا لیتھا کانت القاضیه''۔ اسی جگہ عمر بن عبدالعزیزؒ اور سلیمان بن عبدالملک بھی بیٹھے ہوئے تھے، سلیمان نے کہا، 'واللہ خوب پڑھا'۔

ولید بن عبدالملک کی کم علمی کی ایک وجہ یہ رہی کہ انہیں علوم وفنون سے زیادہ سیاست، آلات حرب اور جنگی امور سے دل چسپی تھی، یقیناً انہیں ان امور سے فائدہ بھی ملا، بالخصوص اس وقت جب انہوں نے مختلف انتظامی اور عسکری ذمہ داریاں بھی نبھائیں۔ اسی طرح خلیفہ بننے کے بعد بھی انہیں جنگی امور سے واقفیت کا فائدہ ملا۔ وہ انتہائی جری، بہادر اور معتدل مزاج انسان تھے، اسلام اور اس کی شریعت کے مطابق زندگی بسر کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ ارکان اسلام کا خصوصی اہتمام فرماتے تھے۔ دوشنبہ اور پنجشنبہ کو پابندی سے روزہ رکھتے تھے۔ انہوں نے اپنے دور امارت میں دو مرتبہ حج بھی کیا۔ انہیں قرآن کریم سے خصوصی شغف تھا، اسی لیے صرف تین دن میں قرآن ختم کر لیتے تھے اور رمضان کریم میں اس کی تعداد بڑھ کر تقریباً سترہ ہو جاتی تھی، اس کے معانی ومفہوم پر بھی غور وفکر کیا کرتے تھے۔ باوجود اس کے کہ وہ ایک بڑی سلطنت کے فرماں روا تھے، ان کی ذاتی زندگی میں سادگی اور تقویٰ نمایاں نظر آتا ہے۔ نیز وہ حقوق العباد پر بھی توجہ دیتے تھے، رمضان میں روزہ داروں کے لیے کھانا مہیا کرانا، ان کا نمایاں وصف تھا۔ اسی طرح وہ صلحاء، علماء اور ضرورت مندوں کو ہدیہ و تحائف اور پیسے وغیرہ بھیجا کرتے تھے۔ وہ اپنے بھائیوں سے بڑی محبت کرتے تھے اور ان کے حقوق ادا کرنے میں کبھی پیچھے نہیں ہٹے اور ان کے ساتھ ہمیشہ مشفقانہ طرز عمل اختیار کیا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے اہل خانہ، قبیلے اور اسلامی ریاست میں ہر دل عزیز تھے، البتہ بسا اوقات انہوں نے مخالفین کے ساتھ سخت رویہ بھی اپنایا یا اپنے گورنروں کی سختی پر خاموشی اختیار کی، اسی لیے بعض مؤرخین نے ان پر تنقید بھی کی ہے، لیکن یہ کہا جاسکتا ہے کہ انہوں نے سیاسی استحکام کو ترجیح دیتے ہوئے بعض سخت اقدامات کی حمایت کی تھی۔ ابن ابی عیلہ انہیں خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ولید پر رحم فرمائے، اب کہاں ولید جیسے بادشاہ پیدا ہوتے ہیں، ان کے زمانے میں ہندوستان یعنی صوبہ سندھ اور اندلس فتح ہوئے۔ مسجد دمشق بنوائی۔ وہ بیت المقدس کی مسجد کے فقراء کو چاندی کے پیالے دیا کرتے تھے۔

ولید بن عبدالملک نے ولی عہدی میں تبدیلی کا ارادہ کرتے ہوئے سلیمان بن عبدالملک کی جگہ اپنے بیٹے عبدالعزیز کو ولی عہد نامزد کرنا چاہا اور اس سلسلے میں اپنے مشیروں اور گورنروں سے بھی مشورہ کیا، مسلم بن قتیبہ، حجاج بن یوسف اور چند ایک کو چھوڑ کر کسی نے ان کے لیے ہاں نہیں کی۔ خود سلیمان بن عبدالملک بھی اس پر راضی نہیں تھے اور ولید کے بلانے کے باوجود ان کے پاس نہیں گئے۔ وہ ابھی اسی کوشش میں تھے کہ ان کا انتقال جمادی الآخر 96 ہجری میں ہو گیا۔ عمر بن عبدالعزیزؒ نے جنازے کی نماز پڑھائی اور دمشق میں باب صغیر کے باہر تدفین ہوئی۔ انتقال کے وقت باختلاف روایت 42 سے 46 سال تک عمر تھی۔ کل مدت خلافت لگ بھگ نو سال کچھ ماہ تھی۔ ان کی کل انیس اولادیں ہوئیں جن میں عبدالعزیز، محمد، عباس، ابراہیم، تمام، خالد، عبدالرحمن، مبشر، مسرور، ابوعبیدہ، منصور، عمر اور یحیی وغیرھم قابل

ذکر ہیں۔ان میں سے عبدالعزیز اور محمد کی والدہ محترمہ ام البنین تھیں اور ابو عبیدہ کی ماں کا نام فزاریہ تھا، باقی دیگر تمام اولادیں لونڈیوں سے تھیں۔

4.3 بہ حیثیت خلیفہ ولید بن عبدالملک کی اہم خدمات

ولید بن عبدالملک 86 ہجری (705) میں اپنے والد عبدالملک بن مروان کی وفات کے بعد خلافت کے منصب پر فائز ہوئے۔ سب سے پہلے عبداللہ بن ہمام نے بیعت کا اعادہ کیا اور اس کے بعد سب نے ان کی تقلید کی۔اس میں کسی کو کوئی اختلاف نہیں ہوا، کیوں کہ عبدالملک بن مروان کی وفات سے ایک سال قبل ہی ولید کی ولی عہدی کی بیعت لی جاچکی تھی، اس لیے وہ متفقہ طور پر شوال 86 ہجری میں تیس یا بتیس سال کی عمر میں اموی حکومت کے چھٹے حکمراں تسلیم کیے گئے۔ان کی حکومت کو اسلامی حکومت کے تمام صوبوں میں سب نے اتفاق رائے سے تسلیم کر لیا تھا۔اس کے بعد انہوں نے ممبر پر چڑھ کر حمد و ثنا کے بعد فرمایا:

''اے لوگو! جس کو اللہ تعالی نے مؤخر کر دیا ہے اس کا کوئی مقدم نہیں اور جس کو اللہ تعالی نے مقدم کر دیا ہے اس کا کوئی مؤخر نہیں ہے۔بے شک موت اللہ تعالی کے حکم اور اس کے سابق علم میں تھی اور اس کو اس نے اپنے انبیاء اور حاملین عرش کے لیے لکھ دیا ہے۔ عبدالملک کے ابرار کے مرتبے پر پہنچ گیا۔اس نے امت کا ولی ایسے شخص کو بنایا جس پر اللہ تعالی کی طرف سے حق یہ ہے کہ وہ مجھے مجرموں پر سختی اور اہل حق و فضل پر نرمی کرے اور جو منازلِ اسلام اللہ تعالی نے قائم کر دیے ہیں ان کو قائم رکھے، حج خانہ کعبہ اور سرحدوں پر جہاد اور اللہ تعالی کے دشمنوں پر حملہ کرتے رہنے سے ان کو ظاہر کرے۔پس وہ اس میں نہ عاجز ہے اور نہ مفرد ہے۔اے لوگو! تم پر خلیفہ وقت کی اطاعت اور جماعت مسلمین سے اتفاق کرنا ضرور فرض ہے، کیوں کہ منفرد کے ساتھ شیطان ہے۔اے لوگو! جو ہم میں سے سرکشی و خودرائی کرے گا، اس کا ہم سر توڑ دیں گے اور جو سکوت اختیار کرے گا وہ اپنے مرض میں آپ مر جائے گا۔''(تاریخ ابن خلدون)

بہر حال ولید بن عبدالملک نے حکومت سنبھالنے کے بعد اس کی توسیع، تعمیری اور انتظامی امور کے علاوہ رفاہ عامہ میں نمایاں خدمات انجام دی ہیں، اسی لیے ان کا عہد اموی دور کا زریں دور سمجھا جاتا ہے۔ذیل میں بطور خلیفہ ان کے نمایاں کارناموں کا جائزہ پیش کیا جارہا ہے.

4.3.1 بری اور بحری فوج میں ترقی

ولید بن عبدالملک نے فوج کے بری اور بحری نظام کو نمایاں ترقی دی۔بیک وقت ہندوستان، وسط ایشیا اور یورپ وغیرہ میں ہو رہی کامیاب جنگیں اس کا واضح ثبوت ہیں۔اس دور میں فوج کی بڑی سے بڑی اور معمولی سے معمولی چیزوں کا خیال رکھا جاتا تھا، جیسے حجاج بن یوسف نے سندھ کے لیے جب فوج بھیجی تو اس کے ساتھ سوئی دھاگہ تک ساتھ بھیجا تھا۔فوج کی غذا کا مکمل انتظام کیا گیا تھا اور سرکہ روئی میں بھگو کر خشک کر کے ساتھ بھیج دیا گیا تھا کہ ضرورت پڑنے پر پانی میں بھگو کر سرکہ تیار کر لیا جائے۔انہوں نے بحری فوج پر بھی اپنی توجہ مرکوز کی اور بحری بیڑوں کو تیار کرنے کے لیے متعدد نئے کارخانے کھولے گئے، چنانچہ موسیٰ بن نصیر نے تیونس میں ایک کارخانہ قائم کرایا تھا۔اس میں اسی کے دور میں 100 بحری بیڑے تیار کیے گئے تھے۔

4.3.2 فتوحات

جس طرح سے حضرت امیر معاویہؓ اور عبدالملک بن مروان کے دور کو اموی حکومت کے استحکام کا دور سمجھا جاتا ہے، اسی طرح سے ولید بن عبدالملک کے دور کو فتوحات کا دور سمجھا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض مغربی مؤرخین نے انہیں بعض دیگر خلفاء پر ترجیح دی ہے۔ ان کے دور میں فتوحات کی کثرت کی تین اہم وجوہات رہیں۔ اول یہ کہ عبدالملک بن مروان نے اپنے عہد میں حکومت کے خلاف ہونے والی تقریباً تمام سازشوں کا خاتمہ کر دیا تھا جیسے شیعہ، خوارج اور خاندانی اور بعض دیگر باغیوں کا زور ختم ہو چکا تھا، اس لیے انہیں اطمینان و سکون کے ساتھ بیرونی محاذوں پر توجہ دینے کا بھرپور موقع ملا۔ دوم ان کے پاس دنیا کے بہترین فوجی دماغ اور سپہ سالار یعنی حجاج بن یوسف ثقفی، قتیبہ بن مسلم باہلی، موسیٰ بن نصیر، طارق بن زیاد، محمد بن قاسم ثقفی اور مسلمہ بن عبدالملک وغیرہ موجود تھے، جنہوں نے اموی حکومت کو وسیع کرنے میں نمایاں اور اہم ترین کردار ادا کیا۔ سوم یہ کہ اس عہد میں اسلامی ریاست کے پاس عالم اسلام کا جدید ترین فوجی نظام تھا، ظاہر ہے کہ فتوحات ان ہی فوجوں کو نصیب ہوتی ہیں جو جدید ترین ہتھیاروں اور انتظامی وسائل میں مضبوط ہوں۔ ولید اگرچہ خود میدان جنگ میں زیادہ نہیں اترے، لیکن ان کے عسکری فیصلے اور فتوحات کی منصوبہ بندی نہایت کامیاب رہی۔ اس کی ایک اہم وجہ یہ تھی کہ انہوں نے سپہ سالاروں پر مکمل اعتماد کیا اور ان کے مشوروں کو اہمیت دی۔ یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ مسلمانوں کی بری فوج کے ساتھ ساتھ ان کی بحری فوج بھی بہت ہی قوی اور مضبوط تھی۔ اس میں حجاج بن یوسف اور موسیٰ بن نصیر نے خصوصی دل چسپی لی اور مؤخر الذکر نے تو افریقہ میں ہی بحری بیڑے بنانے کے کارخانے قائم کرائے۔

ولید بن عبدالملک نے حکومت سنبھالنے کے بعد حجاج بن یوسف کی گورنری کو باقی قائم رکھا۔ اس نے قتیبہ بن مسلم باہلی، حاکم رے، کو مفضل بن مہلب کی جگہ خراسان کا گورنر مقرر کیا اور قتیبہ نے چین اور ترکستان تک لگاتار فتح حاصل کی۔ مغرب کی جانب موسیٰ بن نصیر، گورنر افریقہ نے مسلم فتوحات کو مراکش سے گزر کر اندلس تک پہنچا دیا۔ ولید کے بھائی مسلمہ بن عبدالملک نے رومیوں کے مقابلے میں بہت سے شہر اور قلعے فتح کیے۔ محمد بن قاسم جو حجاج بن یوسف کے قریبی رشتے دار تھے، نے سندھ اور ہند کی طرف فتوحات حاصل کی۔ 87 ہجری میں مسلمہ بن عبدالملک نے بلاد روم پر براہ مصیصہ حملہ کیا اور قلعہ لولق، اخرم، بولس اور قمیقم وغیرہ کو فتح کیا۔ 88 ہجری میں جرثومہ اور طوانہ پر قبضہ کیا گیا۔ 89 ہجری میں مسلمہ بن عبدالملک اور عباس بن ولید نے روم پر حملہ کیا اور قلعہ سوریا، قلعہ اردولیہ، عموریہ، ہرقلہ اور قمولیہ وغیرہ پر قبضہ کر لیا۔ اسی سال مسلمہ بن عبدالملک نے آذربائیجان کی طرف ترکوں پر حملہ کر کے متعدد شہروں اور قلعوں کو فتح کیا۔ اسی سال جزیرہ منورقہ اور مبورقہ فتح ہوئے۔ 90 ہجری میں عباس بن ولید نے سوریا کے علاقے میں پانچ مضبوط قلعے تعمیر کرائے۔ 91 ہجری میں نسف، کش اور شومان کے قلعے مسلمانوں کے قبضے میں آئے۔ 92 ہجری میں مسلمہ بن عبدالملک نے تین قلعے فتح کیے اور اہل سرسنہ کو روم کی طرف بھیج دیا۔ اسی سال سندھ میں دیبل فتح ہوا۔ اسی سال کرخ، برہم، باجہ، بیضا، خوارزم، سمرقند اور صغد وغیرہ فتح ہوئے۔ 93 ہجری میں مسلمہ بن عبدالملک اور عباس و مروان نے روم کی طرف حملہ کیا اور سبیطلہ، خجرہ، ماشہ، حصین الحدید، غزالہ اور ملطیہ وغیرہ فتح کیا۔ 94 ہجری میں عباس بن ولید نے انطاکیہ اور عبدالعزیز بن ولید نے غزالہ دوبارہ فتح کیا۔ اسی سال ولید بن ہشام معیطی مروج الحمام تک اور یزید بن ابی

کبشہ نے سوریا تک فتح حاصل کرلی۔ اسی سال کابل، فرغانہ، شاش اور سندھ وغیرہ فتح ہوئے۔ 95 ہجری میں اہل ہرقلہ نے بغاوت کی تو عباس بن ولید نے دوبارہ اس کو فتح کیا اور اسی سال موقان اور مدینۃ الباب وغیرہ پر قبضہ کیا گیا۔ 96 ہجری میں طوس اور اس کا علاقہ فتح کیا گیا۔ اسی سال قتیبہ بن مسلم نے چین پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا اور خاقان چین کے پاس ہبیرہ بن مشرح کلبی کے ساتھ دس ذہین مسلمانوں پر مشتمل ایک وفد بھیجا، دونوں کے درمیان طویل گفتگو ہوئی اور بالآخر چین کے بادشاہ نے جزیہ اور بہت سے قیمتی تحائف دے کر صلح کی درخواست کی اور اسے قتیبہ بن مسلم نے قبول بھی کرلیا۔ بنیادی طور پر دیکھا جائے تو وسط ایشیا کو قتیبہ بن مسلم نے فتح کیا اور سندھ کو محمد بن قاسم نے جب کہ یورپ کے علاقوں کو موسیٰ بن نصیر اور طارق بن زیاد نے فتح کیا۔ بہر حال ولید بن عبدالملک کے عہد میں وسط ایشیا، ہندوستان، روم، افریقہ اور اندلس تک اموی حکومت کی سرحدیں پہنچ گئیں اور ان کے بیشتر علاقے مسلمانوں کے قبضے میں آگئے تھے۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ کسی ملک کا فتح کرلینا نہ تو انسانیت اور نہ ہی تمدن کی خدمت ہے، لیکن ولید کے دور کی فتوحات کی یہ خصوصیت ہے کہ اس دور میں جو علاقے فتح ہوئے، ان میں نمایاں ترقی ہوئی اور وہ وقت کے ترقی یافتہ علاقوں میں شمار کیے جانے لگے۔ اندلس کی فتح اور اس کے بعد اس کی غیر معمولی ترقی اس کی واضح مثال ہے۔

4.3.3 سازشوں اور بغاوتوں کا خاتمہ

ولید بن عبدالملک کا عہد یوں تو اندرونی سازشوں سے پاک وصاف رہا، ایک دو بار خوارج نے سر اٹھانے کی کوشش ضرور کی، لیکن معمولی سرزنش سے ہی وہ ٹھیک ہوگئے۔ اس طرح سے کہا جاسکتا ہے کہ ان کا دور امن وسکون اور سلامتی کا دور تھا، مگر ان کے عہد میں ایک واقعہ ایسا ہوا جس کا افسوس خود ان کو بھی رہا، یعنی حجاج بن یوسف کے ذریعے 94 ہجری میں، مشہور تابعی حضرت سعید بن جبیرؓ کا شہید کیا جانا۔ انہوں نے سعید بن جبیرؓ کو عبدالرحمن بن اشعث کی بغاوت میں ساتھ دینے اور سرکاری مال ودولت کے اسراف کے جرم میں قتل کرادیا تھا۔ ابن یوسف نے انہیں ابن اشعث الکندی کی فوج کا خازن بنا کر بھیجا تھا اور انہوں نے حکومت کی ساری دولت الکندی کو دے دی جس کو بغاوت میں خرچ کر دیا گیا۔ حجاج بن یوسف نے جب ان سے دولت واپس مانگی تو وہ واپس کرنے میں ناکام رہے، آخر کار بات بڑھتے بڑھتے قتل تک پہنچ گئی، جس کا خود انہیں بھی افسوس ہوا۔

4.3.4 بیمارستان، شفاخانوں کا قیام

ولید بن عبدالملک کا ایک بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے مسلمانوں کا پہلا باقاعدہ بیمارستان دمشق میں 707 عیسوی میں تعمیر کرایا۔ یہ شفاخانہ بصریات، جذام (Lepers) کے مریضوں اور بعض دیگر معذوروں کے لیے مخصوص تھا۔ اس میں دواخانے کے علاوہ ماہر اور تجربہ کار طبیبوں اور جراحوں کو متعین کیا گیا اور ان کے لیے بڑی بڑی جاگیریں اور تنخواہیں مقرر کی گئیں۔ اسی طرح اندھوں اور جذام کے مریضوں کے لیے بھی وظائف مقرر تھے، کیوں کہ انہیں بیمارستانوں سے باہر جانے کی اجازت نہیں تھی۔ طب میں ترقی کے ساتھ ساتھ کوڑھیوں کو ''جذمیٰ'' (Jadhma) کے بجائے ''مرضیٰ'' (Marda) کا نام دیا گیا، تاکہ انہیں سبکی نہ محسوس ہو اور عام طور پر انہیں شہر سے دور الگ بستی میں آباد کرایا جاتا تھا، جیسے قرطبہ (Cordova) میں ان کا ایک محلہ ہی ''ربض المرضیٰ'' (Rabad al-Marda) (بیماروں کی

بستی) کے نام سے معروف تھا۔ان کی بستی کو ''الحارۃ''(Al-Hara) بھی کہا جاتا تھااور کم و بیش تمام مسلم شہروں میں ''الحارۃ'' کا قیام تھا، نیز انہیں حسب ضرورت ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کیا جاتا تھا۔اس کے بعد پورے ملک میں جدید طرز کے شفاخانے قائم کیے گئے،ان میں دواؤں، تجربہ کار ڈاکٹروں اور مریضوں کی دیکھ بھال کرنے والوں کو مقرر کیا گیااوران کی تنخواہیں حکومت کے ہی ذمے ہوتی تھیں۔شدید بیمار مریضوں کو شفاخانے میں داخل کیے جانے کی بھی سہولت دی گئی تھی،البتہ عام بیماروں کو دوادے کر رخصت کر دیا جاتا تھا۔ان شفاخانوں کی خاص بات یہ تھی کہ ان میں تمام لوگوں کا علاج مفت کیا جاتا تھا۔

4.3.5 تعمیراتی خدمات

ولید بن عبدالملک کو تعمیرات کا بہت شوق تھا،اس لیے انہوں نے بہ کثرت عالیشان مساجد،مکاتب، شفاخانے، سرکاری دفاتر، مہمان خانے،پل،سڑکیں،نہریں، کنویں اور تالاب وغیرہ بنوائے، نیز انہوں نے متعدد پرانی مسجدوں کی نئے سرے سے توسیع و تزئین کرائی۔نوبت یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ لوگ جب آپس میں ملتے تو ان کی گفتگو کا موضوع فن تعمیر،عمارتوں کی خوب صورتی اوران کی خصوصیات وغیرہ ہوتی تھیں، جیسے، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے دور میں ہر طرف لوگوں کے درمیان قرآن و حدیث اور دینی مسائل پر اور سلیمان بن عبدالملک کے عہد میں ظروف اور نساء کے حوالے سے گفتگو ہوا کرتی تھی۔ذیل میں ان کی بعض اہم تعمیرات کا ذکر کیا جارہا ہے۔

4.3.6 روضہ اطہر کی مرمت

ولید بن عبدالملک سے پہلے روضہ مبارک کی کوئی بڑی عمارت نہیں تھی۔وہ صرف چار دیواری سے گھرا ہوا تھا۔ولید کے زمانے میں اس کی دیواریں شکستہ ہو چکی تھیں،اس لیے انہوں نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے ذریعے روضہ کے چاروں طرف دوہری دیواریں تعمیر کرادیں،تاکہ وقت کے ساتھ ساتھ اگر ایک دیوار کم زور ہو تو دوسری سے اس کی حفاظت کی جاسکے۔

4.3.7 مسجد نبوی کی توسیع و تعمیر

ولید بن عبدالملک کا ایک بڑا تعمیری کارنامہ مسجد نبوی کی توسیع اور اس کی تزئین وآرائش ہے۔انہوں نے 88 ہجری میں عمر بن عبدالعزیزؒ، گورنر مدینہ کو حکم دیا کہ مسجد نبوی کی پرانی عمارت کو گرا کر از سر نو تعمیر کیا جائے اور مسجد سے متصل امہات المومنین اور دیگر افراد کے مکانات کو خرید کر مسجد کا حصہ بنادیا جائے،البتہ ان سے مکانات مناسب قیمت دے کر خریدے جائیں اور جو نہ بیچنا چاہے،اس کو قیمت دے کر اس کے گھر کو زبردستی گرادیا جائے،اگر کوئی قیمت نہ لے تو اس کی قیمت خیرات میں دے دی جائے۔عمر بن عبدالعزیزؒ نے ان کے حکم کی پوری تعمیل کی اور اس حوالے سے طبری کا بیان ہے کہ اس کار خیر میں کسی کو تعمل نہیں ہوااور سب نے مناسب قیمت لے کر اپنے گھر خالی کر دیے،البتہ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں بعض مکانوں کو خالی کرانے میں جبر سے کام لیناپڑا۔دوسری طرف خلیفہ وقت نے قیصر روم کو لکھا کہ ہم اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد از سر نو بنانا چاہتے ہیں،اس سلسلے میں تم سے جو کچھ ہو سکے، کرو اور تعمیراتی سامان بھیجو۔اس نے فوراًہی ایک لاکھ مثقال سونا،40 گٹھے منبت کاری کا سامان اور بہت سے کاریگر بھیجے۔اسی طرح مدائن سے بھی مختلف تعمیراتی اور نقش و نگار کے سامان منگائے گئے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے تعمیر کا سامان مہیا ہونے کے بعد قاسم بن محمد بن ابی بکر، سالم بن عبداللہ، ابو بکر بن

عبدالرحمن، عبیداللہ بن عبداللہ، خارجہ بن زید اور عبداللہ بن عبداللہ عمر وغیرہ علماء مدینہ کے موجودگی میں پرانی عمارت کو گرا کر ان بزرگوں کے ہاتھوں سے نئی عمارت کی بنیاد رکھوائی اور بڑے اہتمام کے ساتھ تعمیر کا کام شروع کرادیا۔ ایک ایک جھاڑ کے نقش پر کاریگر کو مزدوری کے علاوہ تیس درہم انعام دیا جاتا تھا۔ صرف قبلہ رخ کی دیوار اس کی طلائی کے کاموں پر 45 ہزار اشرفیاں خرچ کی گئیں۔ اسی طرح تمام در و دیوار اور چھت پر طلائی کا کام اور اعلیٰ درجے کی میناکاری کرائی گئی تھی۔ مسجد سے متعلق ایک فوارہ بھی تعمیر کیا گیا تھا۔ پوری عمارت پتھر کی تھی۔ تین سال میں یہ مسجد تیار ہوئی۔ 91 ہجری میں ولید خود اس کے دیدار کے لیے مدینہ گئے اور عمارت دیکھ کر انہوں نے خوشی کا اظہار کیا اور فوارہ کو بہت پسند کیا، اس کی نگرانی کے لیے خادم مقرر کیے اور اہل مسجد کو اس کے پانی کو استعمال کرنے کا حکم دیا۔ اس کے بعد انہوں نے مسجد نبوی کی غیر معمولی تعمیر کی خوشی میں اہل مدینہ میں نقد روپیہ اور طلائی و نقرئی ظروف تقسیم کیے۔

4.3.8 جامع اموی، دمشق کی تعمیر

ولید بن عبدالملک کا ایک اور اہم کارنامہ جامع اموی کی تعمیر ہے۔ شام کے دارالحکومت دمشق میں واقع دنیا کی قدیم اور تاریخی مساجد میں شمار اس مسجد کو ''جامع بنی امیہ'' یا ''اموی مسجد'' بھی کہا جاتا ہے۔ یقیناً یہ اسلامی فن تعمیر کا بے مثال نمونہ ہے، اس میں بازنطینی، رومی اور اسلامی طرز تعمیر کی جھلک نمایاں ہے۔ مؤرخین نے لکھا ہے کہ مسجد کی تعمیر سے قبل یہاں ایک رومی عبادت گاہ (معبد) اور پھر بعد ازاں ایک گرجا گھر، چرچ آف سینٹ جان بپٹسٹ موجود تھا، اس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ حضرت یحییٰ علیہ السلام (سینٹ جان دی بپٹسٹ) کا مزار تھا۔ اسلام کے آنے کے بعد جب مسلمانوں نے دمشق فتح کیا تو اس مقام کو مسلمانوں اور عیسائیوں نے مشترکہ طور پر استعمال کیا۔ پھر خلیفہ ولید بن عبدالملک نے عیسائیوں کو اس کا معاوضہ دے کر اسے مکمل طور پر مسجد کی تعمیر کے لیے وقف کر دیا۔

ولید بن عبدالملک نے جامع اموی دمشق کی تعمیر میں بے دریغ دولت صرف کی۔ مورخین کا بیان ہے کہ ملک شام کا پورے سات برس کا خراج صرف اسی کے لیے مخصوص کر دیا گیا تھا۔ محتاط اندازے کے مطابق تقریباً 56 لاکھ اشرفیاں خرچ کی گئیں تھیں۔ مسجد کی تعمیر کے لیے ہندوستان، فارس، مغرب اور روم وغیرہ سے کاریگر اور تعمیری سامان منگائے گئے تھے۔ صرف جزیرہ قبرص سے ہی 18 جہازوں پر سونا اور چاندی لایا گیا تھا۔ قیصر روم نے علیحدہ سے منبت کاری کا سامان بھیجا تھا۔ مشہور مقامات کے سنگ مرمر اور سنگ ساق وغیرہ منگائے گئے تھے۔ یہ اتنے قیمتی تھے کہ بعض ستونوں کی قیمتیں کئی سو اشرفیاں تھیں۔ اس کی تعمیر کا آغاز 706 میں ہوا اور تکمیل تقریباً 715 میں ہوئی۔ بارہ ہزار مزدور اس میں بیک وقت کام کر رہے تھے۔ یہ مسجد اتنی وسیع تھی کہ بیک وقت بیس ہزار آدمی اس میں نماز پڑھ سکتے تھے۔ پوری عمارت سنگ مرمر کی تھی اور اس میں مختلف رنگ کے پتھروں سے بوقلمونی پیدا کی گئی تھی۔ اسی طرح در و دیوار پر طلائی، لاجوردی کام اور مختلف رنگوں کی منبت کاری تھی۔ نقش و نگار اور طغرے صنعتی نزاکت و نفاست کا بہترین نمونہ تھے۔ محرابوں میں تناسب کے ساتھ بیش قیمت جواہرات جڑے ہوئے تھے۔ چھت منقش ساج کی تھی۔ اوپر سے سیسہ کی چادر چڑھی ہوئی تھی۔

مسجد میں تزئین و آرائش کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ صرف 600 قندیلیں سونے کی زنجیروں میں آویزاں تھیں۔ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ یہ مسجد عظمت و شان اور آرائش و زیبائش یعنی ہر لحاظ سے اس دور کے عجائبات میں سے تھی اور اسے دنیا کی بڑی عمارتوں میں پانچویں

نمبر پر شمار کیا جاتا تھا۔ دور دور سے لوگ اسے دیکھنے آتے اور متحیر ہوتے تھے۔ چونکہ اس مسجد میں سونے، چاندی، ہیرے و جواہرات اور دیگر قیمتی پتھروں کا بہ کثرت استعمال کیا گیا تھا، اس لیے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اپنے زمانے میں اسے صرف بے جا سمجھ کر تمام بیش قیمتی چیزوں کو نکلوا کر بیت المال میں داخل کرنے کا ارادہ کیا تھا، لیکن اتفاق سے اسی زمانے میں روم کے کچھ قاصد دمشق آئے ہوئے تھے، انہوں نے اس مسجد کو دیکھ کر کہا کہ ہم لوگ سمجھتے تھے کہ مسلمانوں کو عروج چند روزہ ہے، لیکن اس عمارت کو دیکھ کر اندازہ ہو گیا ہے کہ مسلمان ایک زندہ رہنے والی قوم ہیں۔ عمر بن عبدالعزیزؒ نے یہ سن کر اپنا ارادہ ترک کر دیا۔ جامع اموی کئی اہم تاریخی واقعات کی گواہ رہی ہے، جیسے خلافت امویہ کے کئی اہم فیصلے اور اجتماعات اسی مسجد میں ہوئے۔ صلیبی جنگوں اور دیگر حملوں میں بھی یہ مسجد کئی بار متاثر ہوئی، لیکن ہمیشہ اس کی عظمت بحال کی گئی۔ تیموریوں، ایوبیوں، عثمانیوں اور موجودہ دور میں بھی اس مسجد کی تزئین و آرائش اور مرمت ہوتی رہی ہے۔ آج بھی یہ مسجد ایک فعال مسجد ہے، جہاں روزانہ نمازیں، جمعہ کے خطبے اور دینی اجتماعات منعقد ہوتے ہیں، نیز یہ سیاحوں اور زائرین کے لیے بھی ایک اہم روحانی اور تاریخی مرکز ہے۔

ولید بن عبدالملک نے جامع مسجد دمشق کے علاوہ مکہ، مدینہ، مصر، بیت المقدس وغیرہ کی پرانی مسجدوں کی توسیع اور تزئین کاری کرائی اور متعدد نئی مساجد بھی تعمیر کرائیں۔ اس میں مصر کی جامع مسجد بھی شامل ہے جو اس کے حکم سے مصر کے نائب گورنر قرہ بن شریک نے تعمیر کرائی تھی۔

4.3.9 تعلیمی اور مذہبی خدمات

ولید بن عبدالملک کو قرآن کریم سے خصوصی دل چسپی تھی، اس لیے انہوں نے اس کی تلاوت اور علم تفسیر کے حصول پر بہت توجہ دی، چنانچہ ان کے دور میں حفاظ کرام کو وظائف اور انعام و اکرام سے نوازا جاتا تھا اور اس سے غفلت کرنے والوں کو سزا بھی دی جاتی تھی۔ بعض مؤرخین کے مطابق حجاج بن یوسف ثقفی نے اسی عہد میں قرآن مجید پر نقطے اور اعراب لگائے تاکہ عجمیوں کو اس کی تلاوت میں دقت نہ ہو۔ انہوں نے لوگوں کی تعلیم و تربیت کا خصوصی نظم کیا اور اس کے لیے جگہ جگہ اسکول اور مکاتب کھولے۔ اساتذہ کرام کی تنخواہیں اور طلبہ کے وظائف مقرر کیے گئے، اسی لیے ان کے دور میں اسلامی علوم و فنون کا ارتقاء بالخصوص قرآن، حدیث اور فقہ میں نظر آتا ہے۔ انہوں نے ملک کی مختلف مساجد اور مکاتب میں روشنی کا معقول انتظام کیا۔ رمضان میں مساجد میں روزے داروں کے لیے افطار اور سحری کا نظم کیا۔

4.3.10 رفاہی اور عمومی خدمات

ولید بن عبدالملک نے اپنی حکومت کے تیسرے سال تقریباً 88 ہجری میں پوری مملکت میں سڑکوں کا جال بچھا دیا اور ان کا محور دارالخلیفہ دمشق کو بنایا، نیز سڑکوں کے کنارے سنگ میل نصب کرائے، اس سے مسافروں کو مسافت کا بخوبی اندازہ ہو جاتا تھا۔ اسی طرح سفر کرنے والوں کے لیے تھوڑی تھوڑی دوری پر مسافر خانے اور کنوئیں تعمیر کرائے، تاکہ انہیں کھانے اور پینے کے تعلق سے کوئی مشکل نہ ہو۔ انہوں نے فقیروں، اپاہجوں، ناکارہ، مسکینوں، معذوروں، مفلسوں، بیواؤں، یتیموں، مظلوموں کی دادرسی کی اور ان کی پرورش و کفالت نیز تعلیم و تربیت کا انتظام حکومت کی طرف سے کیا۔ اول الذکر طبقات کو بھیک مانگ کر گزارہ کرنے سے روک دیا اور ان کے روزینے مقرر

کر دیے۔اسی طرح اندھوں اور اپاہجوں کی رہ نمائی اور خدمت کے لیے آدمی مقرر کیے۔انہوں نے بازاروں میں ایمان دار افسر مقرر کیے تاکہ دوکان دار گراہک کو دھوکہ اور فریب نہ دے سکیں، نیز اشیاء کی قیمتیں بھی متعین کیں اوراس سے زیادہ رقم لینے پر سزا دی جاتی تھی۔ بسااوقات وہ خود بازاروں میں جاکر قیمتیں دریافت کرتے اور زیادہ ہونے پر کم کرایا کرتے تھے یا کم ہونے پر زیادہ قیمت پر بیچنے کی تاکید کرتے تھے کہ دوکان دار کو بھی نقصان نہ ہو۔اسی طرح ملکی پیداوار میں بڑھوتری کی غرض سے جگہ جگہ نہریں کھدوائی گئیں۔ بہرحال ولید بن عبدالملک کے عہد کو فتوحات کے علاوہ معاشرتی، تمدنی، معاشی اور مذہبی ترقی کے لیے بھی یاد رکھا جائے گا۔

4.4 فرہنگ

تمکنت	:	خزانچی، خزانے دار، محافظ، کسی ادارے یا مملکت میں مالی امور کا ذمے دار۔
بیمارستان	:	اسپتال
ظروف	:	برتن
قندیل	:	مشعل
بوقلمونی	:	بوقلمونی کا مطلب رنگارنگی، نیرنگی، تنوع، یا مختلف رنگوں کا ہونا ہے۔یہ لفظ ایسی چیز کے لیے استعمال ہوتا ہے جس کا رنگ ہر لحظہ بدلتا ہوا نظر آئے، یا جس میں کئی قسم کے رنگ یا حالتیں شامل ہوں۔

4.5 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے درج ذیل نکات سیکھے:

- ولید بن عبدالملک کا شمار اموی حکومت کے کامیاب اور بااثر حکم رانوں میں ہوتا ہے، چنانچہ ان کا دور اسلامی تاریخ کے سنہری ادوار میں شامل کیا جاتا ہے۔اس زمانے میں نہ صرف اموی حکومت کی سرحدیں وسیع ہوئیں، بلکہ وہ اپنے عروج پر پہنچ گئی۔
- وہ ایک ایسے حکمراں تھے، جنھوں نے دین داری، عدل، سخاوت، تعمیر و ترقی، فتوحات اور فلاح و بہبود کے شعبوں میں اپنی صلاحیتوں غیر معمولی مظاہرہ کیا تھا۔ان کی شخصیت متوازن اور دور اندیش تھی۔یہ کہنا بے جانہ ہو گا کہ انہوں نے اپنے عمل اور فیصلوں سے اموی حکومت کو دنیا کی ایک بڑی طاقت میں تبدیل کر دیا تھا۔
- ولید بن عبدالملک نے حکومت سنبھالنے کے بعد اس کی توسیع، تعمیری اور انتظامی امور کے علاوہ رفاہ عامہ میں نمایاں خدمات انجام دی ہیں، اسی لیے ان کا عہد اموی دور کا زریں دور سمجھا جاتا ہے۔ان کے عہد میں وسط ایشیا، ہندوستان، روم، افریقہ اور اندلس تک اموی حکومت کی سرحدیں پہنچ گئیں اور ان کے بیشتر علاقے مسلمانوں کے قبضے میں آگئے تھے۔یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ کسی ملک کا فتح کر لینا نہ تو انسانیت اور نہ ہی تمدن کی خدمت ہے، لیکن ولید کے دور کی فتوحات کی یہ خصوصیت ہے کہ اس دور میں جو علاقے فتح ہوئے، ان میں نمایاں ترقی ہوئی اور وہ وقت کے ترقی یافتہ علاقوں میں شمار کیے جانے لگے۔اندلس کی فتح اور اس کے بعد اس کی غیر

معمولی ترقی اس کی واضح مثال ہے۔

- ولید بن عبدالملک کو تعمیرات کا بہت شوق تھا، اس لیے انہوں نے بہ کثرت عالیشان مساجد، مکاتب، شفاخانے، سرکاری دفاتر، مہمان خانے، پل، سڑکیں، نہریں، کنویں اور تالاب وغیرہ بنوائے، نیز انہوں نے متعدد پرانی مسجدوں کی نئے سرے سے توسیع و تزئین کرائی۔ نوبت یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ لوگ جب آپس میں ملتے تو ان کی گفتگو کا مرکز فن تعمیر، عمارتوں کی خوب صورتی اور ان کی خصوصیات وغیرہ ہوتی تھیں، جیسے، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے دور میں ہر طرف لوگوں کے درمیان قرآن وحدیث اور دینی مسائل پر اور سلیمان بن عبدالملک کے عہد میں ظروف اور نساء کے حوالے سے گفتگو ہوا کرتی تھی۔

4.6 نمونہ امتحانی سوالات

4.6.1 معروضی جوابات کے متقاضی سوالات

1. ولید بن عبدالملک کی سن پیدائش اور وفات بتائیں؟

(a).50-96ھ (b).40-80ھ (c).45-93ھ (d).55-100ھ

2. ولید بن عبدالملک کب خلیفہ بنے؟

(a).605ء (b).705ء (c).708ء (d).709ء

3. ولید بن عبدالملک کی جنازے کی نماز کس نے پڑھائی؟

(a). سلیمان (b).ہشام (c).عمر بن عبدالعزیزؒ (d).معاویہ

4. ولید کے دور میں وسط ایشیا کو کس نے فتح کیا؟

(a).نعمان (b).ہشام (c). عمر بن عبدالعزیزؒ (d).قتیبہ بن مسلم

5. ولید بن عبدالملک کے دور میں مسلمانوں کا باقاعدہ پہلا شفاخانہ کس سن میں تعمیر کیا گیا؟

(a).707 (b).702 (c).709 (d).704

4.3.9 مختصر جوابات کے متقاضی سوالات

1. ولید بن عبدالملک کی شخصیت پر ایک تعارفی نوٹ تحریر کیجیے۔
2. ولید بن عبدالملک کے دور کی فتوحات نے اموی خلافت کو کس طرح مستحکم کیا؟
3. ولید بن عبدالملک کی فوجی خدمات کا جائزہ لیجئے۔
4. ولید بن عبدالملک سیاسی، انتظامی اور معاشی اصلاحات پر نوٹ لکھیے۔
5. رفاہ عامہ کے میدان میں ولید بن عبدالملک کی خدمات کا جائزہ لیجئے۔

4.3.10 طویل جوابات کے متقاضی سوالات

1. ولید بن عبدالملک کی حیات وخدمات پر ایک تعارفی مضمون قلمبند کیجیے۔
2. ولید بن عبدالملک کے دور کی فتوحات اور سپہ سالاروں رجامع مضمون تحریر کیجیے۔
3. ولید بن عبدالملک کی تعمیر کردہ جامع اموی، دمشق کا تعارف پیش کیجئے۔

4.4 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1. تاریخ ابن خلدون، حصہ دوم : عبدالرحمن ابن خلدون
2. تاریخ اسلام، حصہ دوم : شاہ معین الدین احمد ندوی
3. تاریخ الخلفاء : امام جلال الدین سیوطی (مترجم: محمد عبدالاحد قادری)
4. تاریخ اسلام، جلد دوم : مولانا اکبر شاہ نجیب آبادی
5. تاریخ تہذیب اسلامی، حصہ دوم : پروفیسر محمد یاسین مظہر صدیقی

معروضی سوالات کے جوابات

1. A	2. B	3. C	4. D	5. A

اکائی5: اہم حکمراں حصہ چہارم: عمر بن عبدالعزیز، ہشام بن عبدالملک

اکائی کے اجزا:

5.0 تمہید

5.1 مقاصد

5.2 حضرت عمر بن عبدالعزیز اور ان کا عہد خلافت

5.2.1 عہد خلافت سے قبل کے حالات

5.2.2 دربار خلافت سے وابستگی اور سرکاری مناصب

5.2.3 عہد خلافت

5.2.4 عہد خلافت کے اقدامات

5.2.5 مالی اصلاحات

5.2.6 انتظامی اصلاحات

5.2.7 معاشرتی اصلاحات

5.2.8 مذہبی خدمات

5.2.9 سیاسی حالات

5.2.10 حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی شخصیت اور اخلاق و کردار

5.2.11 خلافت عمر ثانی کا ایک عمومی جائزہ

5.3 ہشام بن عبدالملک اور ان کا دور خلافت

5.3.1 عہد خلافت

5.3.2 سیاسی حالات

5.3.3 جنگی و فوجی مہمات/بغاوتیں اور فتوحات

5.3.4 عباسی تحریک کی ابتداء
5.3.5 عہد ہشام کے انتظامی اقدامات
5.3.6 مذہبی خدمات
5.3.7 عہد خلافت (تہذیب وثقافت اور علوم وفنون کے حوالہ سے)
5.3.8 خلافت ہشام بن عبدالملک-ایک عمومی جائزہ
5.4 فرہنگ
5.5 اکتسابی نتائج
5.6 نمونہ امتحانی سوالات
5.6.1 معروضی جوابات کے متقاضی سوالات
5.6.2 مختصر جوابات کے متقاضی سوالات
5.6.3 طویل جوابات کے متقاضی سوالات
5.7 تجویز کردہ اکتسابی مواد

5.0 تمہید

عہد اموی اسلامی تاریخ کا ایک اہم باب ہے۔اس عہد میں جہاں ایک طرف اسلامی فتوحات کا دائرہ وسیع ہوا وہیں اسلامی مملکت کی شان وشوکت میں بھی اضافہ ہوا۔اسی عہد میں اسلامی علوم وفنون کی بناڈالی گئی جس پر برگ وبار عہد عباسی میں کچھ اس طرح سے آئے کہ اسلامی علوم وفنون، علوم وفنون کی تاریخ کی ایک اکائی بن گئے۔اسی عہد میں اسلامی تہذیب وثقافت نے اپنے بال وپر نکالے اور دیکھتے ہی دیکھتے اس نے ایرانی، رومی اور دیگر تہذیب وثقافت کے مقابلہ میں اپنی ایک الگ پہچان بنالی۔

آپ نے پڑھا کہ اموی خلافت کا دورانیہ تقریبا ایک صدی پر مشتمل ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز اور ہشام بن عبدالملک کا شمار اہم اموی خلفا میں ہوتا ہے۔دونوں حضرات کا تعلق شاہی گھرانے کی شاخ بنو مروان سے تھا۔اول الذکر خلافت اموی کے آٹھویں خلیفہ اور مؤخر الذکر دسویں خلیفہ تھے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز کی نامزدگی اس لحاظ سے غیر متوقع قرار دی جاسکتی ہے ان کے پیش رو خلیفہ - سلیمان بن عبدالملک- نے حضرت رجاء بن حیات کے مشورہ پر اپنے بیٹوں اور بھائیوں میں سے کسی کو ولی عہد کی نامزد کرنے کے بجائے انھیں اپنا پہلا جانشین مقرر کیا

تھااوران کے بعد اپنے بھائی یزید بن عبدالملک معروف بہ یزید ثانی کو ولی عہد نامزد کیا تھاتا کہ ان کے اپنے صلبی خاندان میں خلافت کا تسلسل باقی رہ سکے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ انھیں اگلا خلیفہ مقرر کیا جائے گا لہذا جب خلیفہ سلیمان بن عبدالملک کی وصیت پڑھی گئی تو وہ سکتے میں آ گئے تاہم وصیت کے مطابق اس ذمہ داری کو عوامی ریفرنڈم کے بعد قبول کر لیا۔اس کوہ بار گراں نے ان کی اعلی درجہ کی پر تعیش زندگی کا رخ ہی پھیر کر رکھ دیا تھابلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہو گا کہ خلافت کی گراں قدر ذمہ داری نے ان کی شخصیت کی کایا ہی پلٹ کر رکھ دی تھی اور وہ ایک بالکل نئے عمر بن عبدالعزیز کی شکل وصورت میں عوام الناس کے سامنے آئے تھے جس میں پرانے عمر بن عبدالعزیز کی کوئی بھی خوبو موجود نہیں تھی۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اپنے دور خلافت میں عدل وانصاف اور سماجی اصلاحات کو کچھ اس طرح نافذ کیا کہ ان کے دور خلافت کو خلافت راشدہ کے مماثل قرار دیا جانے لگا لیکن سوئے اتفاق سے ان کے جانشین خلیفہ ان کی ڈگر پر قائم نہ رہ سکے اور ان کی لگائی ہوئی پود کو سینچ نہ سکے جس کی وجہ سے بہت جلد وہ دور لوٹ آیا جو ان کے دور خلافت سے چلا آرہا تھااور وہ تمام سماجی برائیاں پھر معاشرہ کا ناسور بن گئیں جنھیں انھوں نے جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کی کامیاب کوشش تھی۔اگر ان کے بعد آنے والے خلفاءان کی روش پر قائم رہتے تو ایک مرتبہ پھر عہد خلافت راشدہ کے عہد کی یاد تازہ ہو جاتی ہے

مؤخر الذکر کی نامزدگی یزید بن عبدالملک معروف بہ یزید ثانی جانب سے ہوئی تھی لہذاان کی وفات کے بعد وہ خلیفہ ہوئے اور اپنی خلافت کے زمانہ میں اہم اور نمایاں کارنامے انجام دیے۔اموی خلافت وحکومت کے دورانیہ میں ہشام بن عبدالملک کا دور خلافت اپنی طویل مدتی—تقریبا بیس سال کی وجہ سے اہم ہے۔مقالہ نگار اردو دائرۃ المعارف،لاہور نے اسے اموی خلافت کی خوشحالی اور شان وشوکت کا آخری مظہر قرار دیا ہے۔

5.1 مقاصد

اس اکائی کا مقصد ہے کہ آپ:

- اموی خلافت کے دو اہم خلفاء حضرت عمر بن عبدالعزیز اور ہشام بن عبدالملک کے حیات اور کارناموں سے واقف ہو سکیں۔
- عمر بن عبدالعزیزؒ کی اصلاحات کی نوعیت اور ان کے پس منظر کی وضاحت کر سکیں۔
- عمر ثانی کے دورِ حکومت کو دیگر اموی خلفاء سے ممتاز کرنے والی خصوصیات پر تبصرہ کر سکیں۔
- ہشام کے دور میں اندرونی وبیرونی چیلنجز کا تجزیہ کر سکیں۔
- ہشام کے عہد کے سماجی، معاشرتی حالات اور اس عہد میں ہونے والی علمی ترقیوں پر تحقیقی گفتگو کر سکیں۔

5.2 حضرت عمر بن عبدالعزیز اور ان کا عہد خلافت

خاندان اور نسب

حضرت عمر بن عبدالعزیز کا تعلق بنوامیہ سے تھا جس کا شمار قریش کے اہم ترین خانوادوں میں ہوتا ہے۔ خاندان بنوامیہ کو ان کے خلفاء کے اعتبار سے سفیانی اور مروانی شاخوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ اموی خلافت و حکومت کے ابتدائی تین خلفاء کا تعلق اول الذکر شاخ سے تھا، باقی ماندہ تمام اموی خلفاء کا تعلق مؤخر الذکر شاخ سے تھا جن میں حضرت عمر بن عبدالعزیز بھی شامل ہیں کہ وہ مروان بن حکم کے پوتے اور عبدالملک بن مروان کے سگے بھتیجے تھے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز کا مکمل نسب نامہ اس طرح ہے: عمر بن عبدالعزیز بن مروان بن حکم بن عاص بن امیہ بن عبدالشمس بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوئی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدطکہ بن الیاس بن مضر بن نزاط بن معد بن عدنان اموی قریشی۔ والدہ ام عاصم کی جانب سے ان کا نسب حضرت عمر بن خطابؓ سے جاملتا ہے کہ وہ خلیفہ دوم کی پوتی تھیں۔

ولادت اور تعلیم و تربیت

حضرت عمر بن عبدالعزیز کی پیدائش 61 ہجری یا 63 ہجری میں مدینہ میں ہوئی تھی۔ ان کی پیدائش کے وقت ان کے والد محترم عبدالعزیز بن مروان مصر کے گورنر تھے۔ دیگر اسلامی شخصیات کی طرح ان کی زندگی کے ابتدائی حالات پردہ خفا میں ہیں تاہم مصادر سے پتہ چلتا ہے کہ ان کی تعلیم و تربیت مدینہ منورہ میں ہوئی تھی۔ سب سے پہلے قرآن حفظ کیا، پھر اس زمانہ کے اساطین علم و فن سے علم حدیث و فقہ میں درک حاصل کیا۔

اساتذہ

ان کے اساتذہ میں حضرت عبداللہ بن جعفرؓ، انس بن مالکؓ، ابو بکر بن عبدالرحمنؒ، سعید بن مسیبؒ، یوسف بن عبداللہ بن سلامؒ، عامر بن سعیدؒ، عروہ بن زبیرؒ، عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہؒ اور ربیع بن سمرہؒ وغیرہ اساطین علم شامل تھے۔

صالح بن کیسان کی نگرانی میں انھوں نے آداب معاشرت کے اسرار و رموز سیکھے تھے کہ وہ انھیں اٹھنے بیٹھنے، رہنے سہنے، کھانے پینے اور لباس زیب تن کے آداب سے روشناس کیا تھا۔

مزید برآں اموی دربار خلافت سے وابستہ اہل علم جیسے امام شعبی، امام اعمش، امام زہری، امام ابراہیم نخعی اور امام حسن بصری وغیرہ کی صحبت نے ان کے علم و فضل میں اضافہ کیا تھا۔ بچی کھچی کسر مدینہ کی گورنری کے درمیان پوری ہوگئی کہ انھوں نے وہاں کے علماء و فقہاء سے بھرپور استفادہ کیا تھا۔ اسی طرح انھوں نے مصر کے باکمال علمی شخصیات سے بھی فیض اٹھایا تھا۔

تلامذہ

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ سے روایت کرنے والے میں امام شہاب الدین زہری، ابو بکر بن حزم، ، رجاء بن حیات، ابو سلمہ بن

عبدالرحمن، محمد بن مکندر، یحیی بن سعید انصاری جیسے اساطین علم حدیث شامل ہیں۔

5.2.1 عہد خلافت سے قبل کے حالات

حکومت وقت سے وابستہ خاندان کے ایک اہم فرد ہونے کے باوجود حضرت عمر بن عبدالعزیز کی زندگی صالح اور پاکیزہ ہونے کے ساتھ ساتھ تمام اخلاقی برائیوں سے پاک وصاف تھی تاہم ان کی نوجوانی کے ایام بہت ہی شان وشوکت اور کروفر کے ساتھ گذرے تھے کہ وہ قیمتی لباس پہنتے تھے اور اپنے لباس کے حوالہ سے اس قدر اہتمام کرتے تھے کہ ایک مرتبہ کا استعمال شدہ لباس دوبارہ استعمال نہیں کرتے تھے۔ اعلی ترین خوشبو اور عطر کا استعمال کرتے تھے کہ جس راہ سے وہ گذر جاتے تھے وہ پوری کی پوری معطر ہو جاتی تھی اور وہاں سے گذرنے والے دیگر حضرات سمجھ جاتے تھے کہ وہاں سے ابھی ابھی ان کا گذر ہوا ہے۔ اعلی نسل کی سواریاں ان کے زیر استعمال تھیں۔ ان کا دولت کدہ قیمتی فرنیچر سے آراستہ رہتا تھا۔ ایک روایت کے مطابق جب وہ مدینہ منورہ کے گورنر کی حیثیت سے وہاں جارہے تھے تو تیس اونٹوں پر صرف ان کا ذاتی سامان لدا ہوا تھا۔

5.2.2 دربار خلافت سے وابستگی اور سرکاری مناصب

ایک پر تعیش زندگی کے ساتھ ساتھ انھوں نے حکومتی سطح پر متعدد منصبی ذمہ داریاں بھی انجام دی تھیں جیسے ولید بن عبدالملک کی خلافت میں انھیں مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کا گورنر بنایا گیا۔ انھوں نے وہاں باوقار اور اہم شخصیات پر مشتمل ایک کونسل بنائی اور ان ارکان کونسل کے مشوروں کے روشنی میں ملکی، مالی اور فوجداری معاملات حل کیا کرتے تھے۔

مدینہ کے گورنر کی حیثیت سے انھوں نے اعلی درجہ کے ساز وسامان کے ذریعہ مسجد نبوی کی توسیع اور تعمیر نو کی اور اس کی آرائش وزیبائش کا خاصا اہتمام کیا۔ ابن بطوطہ کے مطابق انھوں نے پہلی مرتبہ مسجد نبوی میں محراب بنوائی تھی۔ مزید برآں انھوں نے مدینہ کی پرانی سڑکوں کو کشادہ کرنے کے ساتھ ساتھ نئی سڑکوں کی تعمیر کروائی، جابجا کنوئیں کھدوائے، جدید مسافر خانے بنوائے۔

جناب آبادشاہ پوری کے بقول مدینہ کی گورنری کے زمانہ میں ہی انھوں نے خلیفہ وقت ولید بن عبدالملک کے حکم پر حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے صاحبزادہ خبیب کو اتنی سخت سزائیں دیں کہ ان کا انتقال ہو گیا۔ اس واقعہ نے ان کی ماہیت قلبی میں بنیادی کردار ادا کیا تھا اور "اپنے کیے پر ندامت اور آخرت میں جواب دہی کا خوف واحساس عمر کے اعصاب اور ذہن وقلب پر کچھ اس طرح مسلط ہوا کہ گورنری سے استعفادے دیا اور حکومت اور خاندانی سیاست کے جھمیلوں سے کنارہ کش ہو گئے۔ تاہم شہزادگی کی خو بو پھر بھی باقی رہی۔ تخت خلافت پر قدم رکھا تو اس دور کی باقی عادات بھی ختم ہو گئیں اور ان کے شب وروز میں ایسا انقلاب آگیا کہ بڑے بڑے راہبوں، عابدوں اور زاہدوں کی داستانیں گرد ہوئیں"۔

مذکورہ بیانیہ کے مقابلہ میں زیادہ مشہور روایت کے مطابق انھیں حجاج بن یوسف کی سفارش یا مخالفت کی بنیاد پر انھیں مدینہ ومکہ کی گورنری سے معزول کر دیا گیا تھا تاہم وہ دربار خلافت سے ایک مشیر کی حیثیت سے منسلک رہے۔

حضرت ولید بن عبدالملک کے دور خلافت کی طرح انھیں حضرت سلیمان بن عبدالملک کے دور خلافت میں بھی ایک خاص مقام ومرتبہ حاصل تھا بلکہ یہ کہا جاسکتا ہے وہ خلیفہ سلیمان بن عبدالملک کے مزاج میں کافی دخیل تھے اور دونوں کے مزاج میں کافی ہم آہنگی پائی جاتی تھی حتی کی وہ سرکاری پالیسیوں پر اثرانداز ہوتے تھے غالباً اسی وجہ سے علامہ سیوطی نے انھیں خلیفہ وقت کے وزیر کے مثل قرار دیا ہے۔ خلیفہ وقت بھی نہ ان کے مشوروں کا لحاظ رکھتے تھے بلکہ ان پر کلی اعتماد بھی کرتے تھے۔ان پر اعتماد اور بھروسہ کے پیش نظر ہی شیخ مظہر الحق مئوی کے بقول انھیں مدینہ ومصر کا یکے بہ دیگرے مصر کا گورنر بھی بنایا تھا۔

مؤرخین کا کہنا ہے کہ سلیمانی دور خلافت میں نرم روی کی جو پالیسی اختیار کی گئی وہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کی مرہون منت تھی۔ خلیفہ وقت حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے اخلاق وکردار اور طرز حکومت سے کس قدر متاثر تھے اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ وہ اپنے بیٹوں کی بجائے انھیں اگلا خلیفہ نامزد کر گئے جس کے بارے میں انھوں نے دربار خلافت سے بھرپور وابستگی کے باوجود خواب وخیال میں بھی نہیں سوچا تھا۔

5.2.3 عہد خلافت

نامزدگی

خلیفہ وقت حضرت سلیمان بن عبدالملک کو جب اپنے وقت موعود کے پہنچنے کا اندازہ ہوا تو انھوں نے بھی حسب معمول دیگر اموی خلفاء کی طرح یکے بہ دیگرے اپنے کمسن بیٹے اور قسطنطنیہ کی مہم میں مصروف بیٹے داؤد کو اپنا ولی عہد بنانے کے حوالہ سے حضرت رجاء بن حیات کندی سے مشورہ کیا لیکن انھوں نے ادب کے ساتھ خلیفہ وقت کی اس رائے سے اختلاف کا اظہار کیا تو انھوں نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے بارے میں ان کی رائے جاننا چاہی تو انھوں نے مثبت انداز میں جواب دیا۔ لہذا خلیفہ وقت نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو اپنا ولی عہد نامزد کر دیا اور خاندان عبدالملک میں خلافت کے تسلسل کو برقرار رکھنے کے لیے اپنے چھوٹے بھائی یزید بن عبدالملک کو دوسرا ولی عہد نامزد کیا۔

بیعت وآغاز خلافت

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی خلافت کا آغاز خلیفہ سلیمان بن عبدالملک کی وفات صفر 99ھ / ستمبر 717ء سے ہوتا ہے۔ توقع کے برخلاف نہ صرف وہ بلکہ دیگر افراد خانہ بھی ان کی نامزدگی کو سن کر سکتہ وحیرت میں پڑ گئے تھے بلکہ خاندان عبدالملک کے بعض افراد خاص طور پر ہشام بن عبدالملک نے برملا اپنی ناگواری کا اظہار کیا اور بیعت نہ کرنے کا عندیہ بھی ظاہر کیا لیکن حضرت رجاء بن حیات کے سخت تیور کو دیکھ کر سب لوگ راضی ہو گئے اور پورے شاہی خانوادہ نے ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔

خلافت پر فائز ہوتے ہی حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی زندگی کا رنگ وڈھنگ اور عادات واطوار مکمل طور پر بدل جاتے ہیں۔ شاہی خاندان سے بیعت لینے کے بعد وہ عمومی بیعت کا اعلان کرتے ہوئے پوری آزادی کے ساتھ انھیں اپنی مرضی کا خلیفہ چننے کا مکمل اختیار دیتے ہیں لیکن عوام نے اس آفر کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور ان کی خلافت پر عوامی طور بیعت کر لی گئی۔ اموی عہد خلافت وحکومت کے مکمل دورانیہ میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا یہ طرز عمل انفرادی حیثیت رکھتا ہے کہ ان سے پہلے اور ان کے بعد کسی بھی خلیفہ نے اپنی نامزدگی اور

شاہی خاندان کی بیعت کے بعد بھی عوام الناس کو اپنی مرضی و پسند کا خلیفہ چننے کا اختیار نہیں دیا تھا۔

5.2.4 عہد خلافت کے اقدامات

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی ماہیت قلبی کا آغاز حضرت ولید بن عبدالملک کے زمانہ میں ہی ہو چکا تھا جب وہ مدینہ کے گورنر تھے۔ان کی شخصیت اور مزاج میں تبدیلی کا سلسلہ بتدریج جاری تھا کہ خلافت کے بار گراں نے انھیں مکمل طور پر بدل کر رکھ دیا۔عہد عمر ثانی پر ایک نظر ڈالنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے عہد میں سیاسی تبدیلیوں، فتوحات اور مہم آرائیوں کے مقابلہ میں خلافت کی اندرونی اصلاحات پر زیادہ توجہ مبذول کی گئی تھی کہ مبادا انھیں کسی پر بھی ادنی سی ہونے والی ناانصافی کا جواب دہ نہ ہونا پڑ جائے۔

5.2.5 مالی اصلاحات

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اپنے دور خلافت میں سب سے پہلے مالی اصلاحات کی تھی۔ان کے اس قدم کے منفی و مثبت اثرات مرتب ہوئے۔ منفی اثرات میں، خلیفہ وقت کے نظریہ کے مطابق غلط طریقہ سے جمع شدہ مال و دولت سے اموی خاندان کے افراد کی محرومی نے خلیفہ وقت کے خلاف اندرون خانہ ایک محاذ کھول دیا تھا لیکن نظام کی شفافیت نے انھیں ایک حد سے زیادہ بڑھنے کا موقع فراہم نہیں کیا تھا۔ایک روایت کے مطابق ان کے نافذ کردہ مالی نظام سے پریشان ہو کر خاندان کے بعض افراد کی جانب سے زہر دے کے انھیں موت کے گھاٹ اتار دیا گیا تھا۔

مرتب ہونے والے مثبت اثرات میں مشہور بیانیہ کے مطابق لوگ اس قدر آسودہ حال ہو گئے تھے کہ زکوۃ، صدقات اور خیرات لینے والے نہیں ملتے تھے۔پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی کے بقول یہ بیانیہ کافی مبالغہ آمیز ہے۔ حسب ذیل سطور میں خلیفہ وقت کی جانب سے کی جانے والی مالی اصلاحات پر اختصار کے ساتھ روشنی ڈالی گئی ہے:

اموی جائیدادوں کا بحق سرکار ضبط کرنا

اموی خلفاء نے اپنے رشتہ داروں اور خاندان والوں کے ساتھ اپنے امراء، گورنروں، سپہ سالاروں اور دیگر عہدیداروں کو بہت سی جائیدادیں دی تھیں جن میں سے بعض الاٹ منٹ میں کچھ خامیاں بھی پائی جاتی تھی لیکن انھیں یکسر طور پر غلط قرار دینا صحیح نہیں ہوگا تاہم حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا خیال تھا الاٹ منٹ کی جانے والی تمام جائیدادیں غلط انداز میں الاٹ کی گئیں تھیں لہذا انھوں نے ان تمام کو منسوخ کر دیا اور انھیں بحق خلافت ضبط کر لیا۔سب سے پہلے انھوں نے اپنی ساری جایئدادوں کے ساتھ ساتھ اپنی بیوی فاطمہ بنت عبدالملک کی تمام دولت اور زیورات بیت المال میں جمع کر دیے اور پھر تمام اموی جائیدادوں کو بھی بیت المال کے حوالہ کر دیا اور اس سے متعلق تمام دستاویزات کو پھاڑ کر پھینک دیا۔

غصب شدہ اموال کو ان کے صحیح وارثین تک پہنچانا

انھوں نے اموی جائیدادوں کی واپسی کے ساتھ ساتھ غصب شدہ اموال کو بھی ان کے جائز وارثین تک پہنچا دیا تھا۔کسی کی بھی

معمولی شہادت پر بھی غصب شدہ اموال اور جائیدادیں واپس کر دی جاتی تھیں۔ سب سے زیادہ اموال اور جائیدادیں عراق میں واپس کی گئی تھیں جس کی وجہ سے وہاں کا خزانہ خالی ہو گیا تھا اور خرچ پورا کرنے کے لیے مرکز سے مالی اعانت کی جاتی تھی۔

سرکاری آمد و صرف کی اصلاح کرنا

حجاج بن یوسف نے شہروں کو بھیڑ بھاڑ اور اس کی وجہ سے پیدا ہونے والے مسائل سے نجات دلانے کے لیے ان کے مالکان کو دوبارہ ان کی آراضی پر بھیج دیا تھا کہ زرعی پیداوار کم ہو گئی تھی۔ اسی طرح انھوں نے سرکاری آمدنی بڑھانے کے لیے نو مسلموں سے جزیہ اور مختلف مواقع جیسے نوروز وغیرہ پر مختلف قسم کے محاصل (ٹیکس) بھی وصول کیا جاتا تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے ان تمام ذرائع آمدنی کو موقوف کر دیا۔ اسی طرح سرکاری آمدنی پر ہونے والے عیش و تنعم کو بھی ختم کر دیا جس کی وجہ سے سرکاری مصارف میں کافی کمی آگئی تھی۔ اسی طرح سرکاری طور پر قرض لینے والوں کے لیے، قرض کی واپسی کے لیے ایک مخصوص مدت طے کر دی گئی تھی جس کی وجہ سے خزانہ کی آمدنی میں اضافہ ہو گیا تھا۔

سرکاری آمدنی کا ان کے عہد خلافت میں سختی سے محاسبہ کیا جاتا تھا اور صرف ایک دینار کھونے پر بھی باز پرس کی جاتی تھی۔ یزید بن مہلب جیسے سرکاری افسران کو ان کے عہدوں سے صرف اس لیے ہٹا دیا گیا تھا کہ وہ سرکاری آمدنی کا خاطر خواہ حساب نہیں دے سکے تھے۔ اسی طرح عمر ثانی نے سرکاری آمد "خمس" کو اس کے صحیح مصرف میں استعمال کرنے کی بنا ڈالی لہذا اسے فقیروں، مسکینوں اور غریبوں کے لیے مختص کر دیا گیا کہ اسی سے غریب کی امداد اور مقروض کے قرض ادا کیے جاتے تھے، شیر خوار بچوں کے وظائف مقرر کیے گئے، سرکاری لنگر خانے قائم کیے گئے جہاں ضرورت مندوں کے کھانے پینے کا انتظام ہوتا تھا۔ ساتھ ہی ساتھ صدقات و خیرات کے ذریعہ عام ضرورت مندوں کی مدد کی جاتی تھی جس سے عام لوگوں میں خوشحالی پیدا ہو گئی تھی۔ مزید برآں سڑکوں کے کنارے کثرت سے کارواں سرائیں بنوائیں گئیں اور مسافروں کی سہولت و آرام کا سامان فراہم کیا گیا تھا۔

پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی نے خلیفہ وقت کی مالی اصلاحات، خاص طور پر عراق میں کی جانے والی مالی اصلاحات کو لاثانی قرار دیا ہے جس کی وجہ سے مالیہ میں کافی اضافہ ہو گیا تھا۔ ان کے بقول مالیہ کی رقم بارہ کروڑ چالیس لاکھ درہم تک پہنچ گئی تھی۔ مالیہ کی اس قدر کثرت کو انھوں نے خلیفہ وقت کی مالی اصلاحات کے ساتھ ساتھ ان کے پیشرو خلفاء کی کوششوں کا ثمرہ قرار دیا ہے۔

5.2.6 انتظامی اصلاحات

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو حجاج بن یوسف کی سخت انتظامی پالیسی سے شدید اختلاف تھا۔ حکومت کے مخالفین و معاندین کی آواز کو وہ ہر قیمت پر دبانے کے قائل نہیں تھے بلکہ گفت و شنید اور ان کے ساتھ نرمی کی پالیسی اختیار کرنے کے قائل تھے۔ اس پالیسی پر وہ مدینہ، مکہ اور مصر کی گورنری کے زمانہ عمل پیرا رہے جس کی وجہ عراق و دیگر علاقوں سے مخالفین حکومت وقت بھاگ بھاگ کر حجاز خاص طور پر مدینہ میں پناہ لے رہے تھے۔ ان کی نرمی کی پالیسی کی بنیاد پر ہی ولید بن عبدالملک نے انھیں مدینہ کی گورنری سے برطرف کر دیا تھا۔

اپنے عہد خلافت میں انھوں نے عوام کے ساتھ نرمی اور انصاف کی پالیسی کو مکمل طور پر اختیار کرتے ہوئے حجاج بن یوسف، ان کے

خاندان کو یمن کی طرف جلاوطن کر دیااور ان کے مقرر کردہ تمام عمال کو برطرف کر کے اچھے عمال، گورنروں اور افسروں کا تقرر کیااور انھیں ہر حال میں عدل وانصاف پر عمل پیرا ہونے کی تاکید کی۔ کسی بھی شبہ میں گرفتار اور مخالفین کے ساتھ بیجا سختی نہ کرنے کی ہدایت جاری کی۔اسی طرح کم قیمت پر سرکاری خریداری وغیرہ پر پابندی عائد کر دی۔

پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقیؒ کے بقول عہد عمر ثانی میں ذمیوں کے حقوق کا خاص خیال رکھا جاتا تھا کہ نادار، لاوارث اور بوڑھے ذمیوں کے نان ونفقہ کا انتظام بیت المال کی جانب سے کیا جاتا تھا۔ان کے خون کی قیمت مسلم خون کے برابر کر دی گئی تھی۔ذمیوں کا مال غصب کرنے والوں کے لیے سخت سزا مقرر کی گئی تھی۔اموی خاندان کے افراد یا دیگر لوگوں نے ان کی زمینوں پر ناجائز قبضہ کر رکھا تھا،انھیں ان سے واگذار کرا کے ذمیوں کو یا ان کے وارثین کو واپس کر دیا گیا۔اسی طرح ان کے گرجوں پر سے غاصبانہ قبضوں کو ختم کیا گیا۔ان کے ساتھ خراج اور جزیہ کی وصولی میں نرمی اختیار کی گئی۔ مقدمات کی سنوائی کے دوران مسلم وغیر مسلم فریق کے درمیان فرق کو مٹا دیا گیا تھا۔

5.2.7 معاشرتی اصلاحات

عہد عمر ثانی میں متعدد قسم کی معاشرتی اصلاحات کی گئیں جن میں شراب کی ذمیوں کی جانب سے کی جانے والی خرید وفروخت پر پابندی لگائی گئی اور شراب کی دوکانوں کو بند کیا، نبیذ کی بعض اقسام کے پینے کی ممنوع کر دیا گیا،جنازوں میں عورتوں کی شمولیت اور قبرستانوں میں ان کے جانے پر پابندی لگادی گئی،ہر قسم کے لہو ولعب کے کاروبار کو بند کر دیا گیا،حمام میں عورتوں اور مردوں کے اختلاط کو نہ صرف ختم کیا گیابلکہ عورتوں کو وہاں جانے اور وہاں مردوں کو ننگے ہو کر نہانے کے ساتھ ساتھ انھیں زنانہ قسم کے فیشن اختیار کرنے کی ممانعت بھی کر دی گئی۔اسی طرح قاتلین عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی مذمت کرنے پر بھی پابندی لگادی گئی تھی۔

5.2.8 مذہبی خدمات

عمر ثانیؒ کی مذہبی خدمات میں سب سے اہم خدمت شریعت کو نافذ کرنا اور اسلام کی اشاعت کرنا ہے۔انھوں نے اپنے تمام عاملین،افسران اور گورنروں کو سختی کے ساتھ شریعت کے احکام پر پابندی کرنے اور ہر معاملہ میں اسلامی شریعت کو مقدم رکھنے کے لیے سخت قسم کی ہدایات جاری کی تھی۔ نماز کی اول وقت میں ادائیگی کا خود بھی اہتمام کیااور دوسروں سے بھی اہتمام کا ماحول بنانے کے ساتھ ساتھ زکوۃ کے نظام کو بھی درست کیا۔اسلام کی اشاعت کے مبلغین کا تقرر کیا۔ان کے دور خلافت میں خراسان کے والی عبداللہ بن جراح حکمی، مغرب کے والی اسمعیل بن عبداللہ اور سندھ کے عاملین اور سفراء کی کوششوں سے اسلام کی کافی اشاعت ہوئی۔ مصر وغیرہ میں جزیہ وخراج کو معاف کرنے کی وجہ سے وہاں کے ذمیوں میں اسلام بہت تیزی سے پھیلا اور وہ جوق در جوق اسلام کے سائے میں آتے چلے گئے۔ان کے اسلام قبول کرنے کی وجہ سے سرکاری آمدنی کافی گھٹ کر رہ گئی تھی۔اس حوالہ سے جب انھیں آگاہ کیا گیااور گھٹتی ہوئی آمدنی کی جانب توجہ مبذول کرائی گئی تو انھوں نے وہ تاریخی جملہ کہا جو آج بھی داعیان اسلام کے لیے مہمیز کا کام کرتا ہے۔انھوں نے کہا کہ ''رسول اللہ ﷺ ہادی ورہبر بنا کر بھیجے گئے تھے، تحصیل دار بنا کر نہیں بھیجے گئے تھے۔''

5.2.9 سیاسی حالات

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی اختیار کردہ پالیسیوں کے نتیجہ میں ان کا عہد خلافت امن وامان کا گہوارہ بن گیا تھا اور ہر قسم کی افراتفری سے محفوظ ہو گیا تھا۔ پورے اموی دور میں ان کا عہد ہی ایسا عہد ہے جس میں خانہ جنگی کا خاتمہ ہو گیا تھا کہ خوارج ہر وقت فتنہ وفساد پر آمادہ رہتے تھے اور خلفائے وقت کو چین وسکون کی سانس نہیں لینے دیتے تھے لیکن عمر ثانی کی پالیسیوں سے متاثر ہو کر انھوں نے ان کے عہد میں کسی بھی قسم کا فتنہ وفساد برپا نہ کرنے کا عہد کر دیا تھا۔

خلیفہ وقت نے خوارج کے فتنہ کو ہمیشہ کے لیے ختم کرنے کے لیے ان سے گفت وشنید کے سلسلہ بھی شروع کیا تھا لیکن متعدد مجلسوں کے باوجود فریقین کسی نتیجہ پر نہیں پہنچ سکے اور بالآخر گفت وشنید کا یہ سلسلہ بند ہو گیا۔ تاہم اس گفتگو کا نتیجہ یہ نکلا کہ انھوں نے عہد عمر ثانی میں کسی بھی قسم کا فتنہ وفساد برپا نہیں کیا اور پورا عہد امن وسکون کی آماجگاہ بنا رہا۔

فتوحات

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا عہد خلافت فتوحات کے لحاظ سے کافی کمزور ہے کہ وہ فتوحات کے لیے جنگی مہمات کو انجام دینے کے لیے افواج روانہ کرنے کے قائل نہیں تھے بلکہ اس کے مخالف تھے۔ فتوحات کے لیے افواج کو روانہ نہ کرنے کی پالیسی کا آغاز حضرت سلیمان بن عبدالملک کے عہد خلافت سے ہو چکا تھا جس میں کسی حد تک حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی مشاورت کا بھی دخل تھا۔ انھوں نے اپنے عہد خلافت میں اسلامی خلافت ومملکت کے دائرہ کو وسیع کرنے کی خاطر فوجی مہمات کی روانگی کو یکسر بند کر دیا بلکہ کئی ایک محاذ سے اسلامی افواج کو واپس بلا لیا تھا اسی لیے ان کے عہد میں صرف اندلس اور سندھ میں بہت معمولی فتوحات حاصل ہوئیں تھیں۔

علالت، ولی عہدی، وفات اور مدت خلافت

رجب 101ھ/جنوری 720ء میں خلیفہ وقت کی علالت کا آغاز ہوتا ہے۔ بعض روایات کے مطابق ان کی یہ علالت طبعی تھی جب کہ بعض روایات کے مطابق ان کی یہ علالت غیر فطری تھی کہ خاندان اموی کے بعض افراد نے ان کی پالیسیوں خاص طور سے مالی پالیسیوں کی وجہ سے ناراض ہو کر ان کے خادم کے ذریعہ انھیں زہر دے دیا تھا۔ جب مرض کی شدت بڑھ گئی تو انھوں اپنے ولی عہد یزید بن عبدالملک کو وصیت لکھوائی اور ان کی ولی عہدی کو برقرار رکھا۔

علالت کے چند روز بعد ہی ان کی وفات رجب 101ھ/جنوری 720ء میں تقریباً چالیس سال کی عمر میں ہوئی اور دیر سمعان میں تدفین ہوئی۔ ان کے عہد خلافت کا کل دورانیہ دو سال پانچ ماہ ہے۔

5.2.10 حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی شخصیت اور اخلاق وکردار

جناب آباد شاہ پوری نے ان کی شخصیت کے اجزائے ترکیبی کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "صلاح وخیر تو ان کے خمیر میں گوندھی گئی تھی مگر یہ سونا اس انقلاب کی بھٹی میں کندن بن گیا۔ ورع وتقوی، زہد وقناعت، عزیمت وتوکل، خشیت وتواضع، رفق وملائمت، امانت

ودیانت، طاعت وعبادت اور وہ اخلاق فاضلہ وصلحاء اور اتقیاء کا نشان عظمت ہوتے ہیں، عمر بن عبدالعزیز ان کا پیکر مجسم تھے۔ خشیت الٰہی، قیامت کا خوف اور آخرت کی جواب دہی کا احساس ان سب پر غالب تھا۔ دن میں کاروبار خلافت اسی احساس کے ساتھ سرانجام دیتے اور رات کو یہی احساس انھیں تڑپاتا اور رلاتا تھا.....امت کے بارے حکمراں کی حیثیت سے ان پر جو ذمہ داریاں عائد ہوتی تھیں، ان کا احساس انھیں ہر دم تڑپائے رکھتا تھا.....قرآن مجید کی جن آیات میں بازپرس اور احوال قیامت کا ذکر ہے، ان کی تلاوت کرتے تو وارفتگی کا عالم طاری ہو جاتا، آنکھوں سے آنسو بہنے لگتے اور ماہی بے آب کی طرح تڑپ کر ایسے گرتے کہ گمان ہوتا دم توڑ چکے ہیں۔

عہد خلافت (تہذیب وثقافت اور علوم وفنون کے حوالہ سے)

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا عہد خلافت اموی خلافت کا سب سے الگ عہد ہے۔ اس زمانہ میں نہ تو فتوحات کا دائرہ وسیع ہوا اور نہ بغاوتوں کا بازار سرگرم رہا اور نہ ہی کسی قسم کی تہذیبی وثقافتی ترقی ہوئی کہ وہ تہذیب وثقافت کو پروان چڑھانے کے لیے مال ودولت کو خرچ کرنے کے قائل نہ تھے تاہم ان کے عہد خلافت میں تعلیمی سرگرمیوں اور کئی ایک علوم وفنون کے آغاز وابتدائی ارتقاء کا پتہ چلتا ہے کہ ان ہی کے عہد خلافت میں احادیث جمع وتدوین کا آغاز اور دیگر علمی سرگرمیوں کا آغاز ہوا تھا۔ پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقیؒ کے بقول انھوں نے پورے ملک میں تعلیم کو عام کرنے کے لیے مساجد میں مکاتب قائم کیے، علماء کو فکر معاش سے آزاد کرنے کے خاطر ان کے وظیفے مقرر کیے تاکہ وہ یکسوئی کے ساتھ اپنے منصبی فرائض کو انجام دیتے رہیں۔ مختلف صوبوں اور علاقوں میں تعلیم کو فروغ دینے کے لیے علماء کو روانہ کرنے کے ساتھ ساتھ عام اخلاقی اصلاح کے لیے واعظین اور مفتیان کا تقرر کیا۔ تعلیم کے عمومی فروغ دینے کے علاوہ انھوں نے قاضی ابو بکر بن عمرو بن حزم اور امام زہری وغیرہ سے احادیث کے مجموعے تیار کروائے، حضرت سعید بن مسیب سے تفسیر لکھوائی، حضرت عاصم بن عمر بن قتادہ سے سیرت ومغازی نبوی کا مجموعہ تیار کروایا اور انھیں جامع اموی میں درس سیرت کے لیے مامور فرمایا۔ مزید برآں ان کے عہد میں بعض یونانی طب کی کتابوں کو عربی کے قالب میں ڈھالا گیا تھا۔

5.2.11 خلافت عمر ثانی کا ایک عمومی جائزہ

عہد خلافت راشدہ کو چھوڑ کر اسلام کی پوری سیاسی تاریخ میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو اس لحاظ سے ایک استثنائی حیثیت حاصل ہے کہ اقتدار پر فائز ہوتے ہی عیش وتنعم میں گزرنے والے ان کے شب وروز یکلخت بدل جاتے ہیں کہ وہ ایک عام انسان کی طرح اپنی زندگی گزارنے لگتے ہیں۔ خلافت کے بار گراں اور احساس ذمہ داری نے ان کے دن ورات کے چین وسکون کو بے چینی اور بے سکونی میں بدل کر رکھ دیا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ اقتدار کا نشہ سب سے زیادہ تیز ہوتا ہے جو مزاج وشخصیت کو بالکل ہی بدل کر رکھ دیتا ہے لیکن بقول جناب آباد شاہ پوری حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے حوالہ سے یہ عجیب نظارہ دیکھنے میں آتا ہے کہ تخت خلافت پر جلوہ افروز ہوتے ہی خود پسندی، تکبر وغرور اور عیش واقتدار کا رہا سہا خمار بھی کافور ہو جاتا ہے۔ ان کی زندگی کا منہاج اور اخلاق واطوار کا قالب بدل جاتا ہے۔ مسجد وابق میں شاہی خاندان کے ارکان سے بیعت لے کر اٹھتے ہیں تو ماضی سے اس طرح دامن جھاڑ کر اٹھتے ہیں کہ پھر مرتے دم تک ان کی زندگی پر اس کا پرتو پڑنے نہیں پاتا ہے۔ پہلے وہ عمر بن عبدالعزیز تھے اب وہ مؤرخ اسلام شمس الدین ذہبی کے الفاظ میں عدل وانصاف اور طریق حکمرانی میں عمر بن خطاب، زہد

میں حسن بصری اور علم میں امام زہری بن جاتے ہیں..... عظمت و شوکت اور عام شہریوں سے بلند تر مخلوق ہونے کے ان تمام مظاہر کو پاؤں تلے روند ڈالتے ہیں جو ان کے پیش رو خلفاء نے اپنے لیے وضع کیے تھے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اپنے دور خلافت میں عدل وانصاف اور سماجی اصلاحات کو کچھ اس طرح نافذ کیا کہ ان کے دور خلافت کو خلافت راشدہ کے مماثل قرار دیا جانے لگا لیکن سوئے اتفاق سے ان کے جانشین خلیفہ ان کی ڈگر پر قائم نہ رہ سکے اور ان کی لگائی ہوئی پود کو سینچ نہ سکے جس کی وجہ سے بہت جلد وہ دور لوٹ آیا جو ان کے دور خلافت سے چلا آرہا تھا اور وہ تمام سماجی برائیاں پھر معاشرہ کا ناسور بن گئیں جنھیں انھوں نے جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کی کامیاب کوشش تھی۔ اگر ان کے بعد آنے والے خلفاء ان کی روش پر قائم رہتے تو ایک مرتبہ پھر عہد خلافت راشدہ کے عہد کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔

پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقیؒ نے ان کی خلافت کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "اموی خلافت کے ایک اہم دور کا آغاز حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ اموی کے عہد حکومت میں ہوتا ہے..... لیکن ان کی ذاتی زندگی کے یک لخت انقلاب نے اور ان کی سیاسی، فوجی اور مالی پالیسیوں نے ان کے دور کو ایک نیا اور مسلمانوں کے نزدیک بڑا پسندیدہ رخ دے دیا۔ اسلامی معاشرہ پر اس کے اچھے اثرات ضرور مرتب ہوئے لیکن انتظامیہ میں خاصی کمزوری آئی"۔

پروفیسر موصوف نے ان کے عہد خلافت کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "بلاشبہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے بعض اہم اصلاحات کیں اور کئی غلط طریقوں کو بدلا لیکن یہ کہنا کہ وہ خلافت اموی کو اسلامی خلافت یا خلافت راشدہ بنانا چاہتے تھے صحیح نہیں ہے کیونکہ خلافت اموی اسلامی ہی تھی۔ البتہ اس میں کبھی کبھی بعض غیر صالح یا غلط چیزیں شامل ہو گئی تھیں جو انسانی کمزوریوں کے سبب تھیں۔ حضرت عمر ثانی نے انھیں کی اصلاح کی تھی"۔

5.3 ہشام بن عبدالملک اور ان کا دور خلافت

ہشام بن عبدالملک، اموی خلافت و حکومت کے دسویں خلیفہ اور خلیفہ عبدالملک بن مروان کے چوتھے بیٹے تھے جنھوں نے اپنے بھائی یزید بن عبدالملک معروف بہ یزید ثانی کے بعد مسند خلافت سنبھالی تھی۔ ان کے عہد خلافت کا دورانیہ تقریباً بیس سال (شعبان 105- ربیع الثانی 125ھ / جنوری 724- فروری 743ء) پر محیط ہے۔ ان کے دور خلافت کو اموی خلافت کے شان و شوکت کا آخری مظہر قرار دیا جاتا ہے کہ ان کے بعد اموی خلافت کے انحطاط کا آغاز ہو گیا تھا۔

خاندان، نسب اور ولادت

ہشام بن عبدالملک کا تعلق بھی بنو امیہ کی مروانی شاخ سے تھا۔ ان کا مکمل نسب نامہ حسب ذیل ہے:

ہشام بن عبدالملک بن مروان بن حکم بن عاص بن امیہ بن عبدالشمس بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان اموی قریشی۔ ان کی والدہ کا نام عائشہ

بنت ہشام مخزومی تھا جنھوں نے اپنے والد ہشام کے نام پر اپنے بیٹے کا نام ہشام رکھا تھا۔ ہشام بن عبدالملک کی پیدائش دمشق میں سنہ 72ھ / 691ء میں ہوئی تھی۔

5.3.1 عہد خلافت

نامزدگی

نویں اموی خلیفہ یزید بن عبدالملک نے مسند خلافت پر بیٹھتے ہی اہل خاندان اور اصحاب رائے کی رائے کے مطابق اپنا پہلا ولی عہد اپنے چھوٹے بھائی ہشام بن عبدالملک کو اور دوسرا ولی عہد اپنے گیارہ سالہ بیٹے ولید کو نامزد کیا تھا۔

بیعت و آغاز خلافت

یزید بن عبدالملک کی وفات کے بعد شعبان 105ھ / جنوری 724ء میں دسویں خلیفہ ہشام بن عبدالملک نے 34 سال کی عمر میں مسند خلافت پر قدم رکھا۔ ان کی تخت نشینی رصافہ نامی شہر میں ہوئی تھا جہاں وہ اس وقت مقیم تھے۔

5.3.2 سیاسی حالات

دسویں اموی خلیفہ ہشام بن عبدالملک کا پورا عہد سیاسی انتشار اور بغاوتوں کا آماجگاہ بنا رہا اور انھیں اس بات کا بہت ہی کم موقعہ ملا کہ وہ اپنی خلافت کے زیر نگیں علاقوں میں مکمل طور پر امن وامان کو قائم رکھ سکیں۔ پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقیؒ نے ہشام بن عبدالملک کے عہد میں سیاسی حالات کے انتشار و بگاڑ اور اس کے اسباب و عوامل کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے: "عہد ہشام کے پورے بیس برسوں میں بغاوتوں اور شورشوں کی وجہ سے سیاسی صورت حال خراب سے خراب تر ہوتی چلی گئی۔ خلیفہ وقت اور عراق کے گورنروں نے خراسان کے لیے متعدد والی اور سالار مقرر کیے لیکن وہ سیاسی استحکام نہ پیدا کر سکے۔ خراسان کے بگاڑ کے لیے جہاں ترک اور دوسرے قبیلوں کی بغاوتیں ذمہ دار تھیں وہاں فوجی، سیاسی اور مالی نظام کی شکست وریخت اس کی ایک اہم وجہ تھی۔ متعدد مرکز مخالف عناصر جیسے خوارج، شیعہ اور عباسی تحریک بھی اس کے لیے پوری طرح ذمہ دار تھے۔

5.3.3 جنگی و فوجی مہمات / بغاوتیں اور فتوحات

ہشام بن عبداللہ کا پورا دور سیاسی انتشار اور بغاوتوں کا مرکز بنا رہا اور پوری اسلامی سلطنت میں کہیں بھی مکمل طور پر امن وامان قائم نہیں ہو سکا تھا۔ ایک بغاوت فرو کی جاتی تو کسی اور جگہ دوسری بغاوت کا آغاز ہو جاتا۔ ان کے عہد کی اسلامی سلطنت میں ہونے والی جنگی و فوجی مہمات کو خراسان، سندھ، آرمینیا و خزر، ایشیائے کوچک، افریقہ، اندلس اور مرکزی محاذ (شام، فلسطین اور مصر وغیرہ) جیسے محاذوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ان تمام محاذوں پر اموی افواج جنگی و فوجی مہمات کو سر کرنے اور بغاوتوں کو فرو کرنے کے لیے مسلسل مصروف عمل رہیں، کہیں انھیں کامیابی ملی تو کہیں ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔ (آگے کی اکائی میں آپ تفصیل سے جنگی و فوجی مہمات کے بارے میں پڑھیں گے۔)

زید بن علی کا خروج

حضرت زین العابدین کے بیٹے حضرت زید بن علی نے کوفہ والوں کے بہکاوے میں آکر حکومت کے خلاف علم بغاوت بلند کیا تھا۔اس بغاوت کا خاتمہ یوسف ثقفی نے کیا تھا۔اس معرکہ میں حضرت زید بن علی شہید ہو گئے تھے۔

5.3.4 عباسی تحریک کی ابتداء

عباسی تحریک کا بیج سلیمان بن عبدالملک کے عہد میں بویا گیا تھا جسے ہاشمیہ تحریک سے موسوم کیا جاتا ہے۔اس تحریک کے روح رواں حضرت محمد بن حنفیہ کے صاحب زادہ حضرت ابوہاشم عبداللہ تھے۔انھوں نے اپنی خلافت کی دعوت کا آغاز خفیہ طور کیا تھااور فلسطین کی سرحد پر واقع ایک گاؤں حمیمہ میں خیمہ زن ہو کر اپنی خفیہ دعوت کو خراسان اور کوفہ تک پھیلا دیا۔یہ تحریک اس قدر خفیہ طریقے سے چلائی جارہی تھی اس کے "امام" کے نام سے صرف چند لوگ ہی واقف تھے حتیٰ کہ عوام الناس سے "امام آل محمد" کے نام سے خفیہ بیعت لی جاتی تھی۔

اتفاقی طور پر حضرت ابوہاشم عبداللہ کی ملاقات عباسی خاندان کے ایک معتبر فرد محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس ہاشمی سے ہو جاتی ہے۔اسی دوران حضرت ابوہاشم عبداللہ بیمار پڑ جاتے ہیں اور اپنے وقت موعود کو قریب دیکھ کر محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس ہاشمی کو اپنا جانشین اور ہاشمیہ تحریک کا امام نامزد کر دیتے ہیں۔

محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس ہاشمی نے ہاشمیہ تحریک کو باقاعدہ طور پر منظم کیا،اس کے اصول وضوابط مقرر کیے اور کوفہ میں "وزیر آل محمد" کے نام سے اپنا ایک وزیر مقرر کیا۔وزیر آل محمد کا فرض منصبی "داعیوں" کو مقرر کرنا تھا۔یہ کام اتنے خفیہ طریقے سے انجام دیا جارہا تھا کہ "داعیوں" تک کو "امام آل محمد" اور "وزیر آل محمد" کے نام معلوم نہیں ہوتے تھے۔اسی وجہ سے جب کوئی عباسی داعی گرفتار ہوتا تو وہ اس تحریک کے ذمہ داران کا نام نہیں بتا پاتا تھا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے عہد میں یہ تحریک زیر زمین کام کرتی رہی لیکن عہد ہشام میں اس تحریک کو کوفہ، عراق اور خراسان میں کافی مقبولیت حاصل ہوئی اور دیکھتے دیکھتے بہت سے اہم لوگ اس تحریک سے جڑ گئے جن میں سے سب سے اہم نام ابو مسلم خراسانی کا ہے جس نے اس تحریک کو خراسان کے گوشہ گوشہ میں پہنچا دیا۔صورت حال سے واقفیت کے بعد خلیفہ وقت نے خراسان کے والی نصر بن سیار کو اس تحریک کے خلاف قدم اٹھانے کو کہا لیکن بہت زیادہ خفیہ ہونے کی وجہ سے اس تحریک کے خلاف کوئی مؤثر کاروائی نہیں کی جاسکی۔اور اس تحریک نے کافی زور پکڑ لیا اور آخر ایک دن ایسا آگیا کہ اس نے اموی خلافت کی بساط لپیٹ کر رکھ دی اور عباسی خلافت کی بناڈال دی۔

ولی عہدی، وفات اور مدت خلافت

ہشام بن عبدالملک نے یزید بن عبدالملک کی جانب سے نامزد کیے جانے والے ولی عہد کو تبدیل نہیں کیا لہذا ان کے بعد ولید ثانی بن یزید بن عبدالملک تخت نشین ہوئے۔ان کا انتقال 6 ربیع الثانی 125ھ/فروری 743ء میں 55 سال کی عمر میں ہوا تھا۔ان کی خلافت کا دورانیہ تقریباً 20 سال (105-125ھ/724-743ء) پر محیط ہے۔

5.3.5 عہد ہشام کے انتظامی اقدامات

ہشام بن عبدالملک ایک بیدار مغز، مدبر اور قابل خلیفہ تھے لیکن اسلامی مملکت کی وسعت، داخلی انتشار، سیاسی ابتری، فوجی بدانتظامی اور مالی فساد کی وجہ سے ان کی تمام کوششیں ضائع ہوتی رہیں تاہم ان کے انتظامی اقدامات پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے بھی ان کی انتظامی صلاحتیوں کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ان کے عہد خلافت کے انتظامی اقدامات کو حسب ذیل نقاط میں اجاگر کیا جاسکتا ہے:

- شریعت کا نفاذ
- مرکزی خلافت کے تمام دفاتر کی تنظیم نو اور افسران کو نئے ضوابط واصول کا پابند بنانا۔
- بیت المال کی تنظیم نو اور سرکاری اخراجات کی شفافیت
- عدالتی نظام کو از سر نو مرتب کرنا اور عدل وانصاف کے حوالہ سے کسی کے ساتھ بھی نرمی ورعایت نہ برتنا۔
- فوجی نظام کی درستگی، اچھے سالاروں کا انتخاب، غلطیوں پر ان کی معزولی، متعدد قلعوں کی تعمیر، فوجی رسد، اسلحہ جات اور خوراک کی فراہمی۔
- بحریہ کی تنظیم نو، شمالی افریقہ کے ساحلی مقامات پر جہاز سازی کے کارخانوں کا قیام۔

5.3.6 مذہبی خدمات

خلیفہ وقت حضرت عمر بن عبدالعزیز کی طرح وہ دینی مزاج کے حامل تھے لہذا انھوں نے عوام کے مزاج کو دین کے قالب میں ڈھالنے کی کوشش کی جیسے وہ خود بھی صوم وصلوۃ کے پابند تھے اور اپنے خاندان اور عوام الناس کو ان کا پابند ہونے کی تلقین کرتے تھے۔انھیں لہو ولعب، گانے بجانے اور شراب وکباب سے سخت نفرت تھی لہذا وہ سب کو ان سے بچنے کی تلقین کرتے تھے۔انھوں نے ایک محکمہ احتساب قائم کیا تھا جو عوام وخواص دونوں کے اخلاق پر نظر رکھتا تھا۔بدعات وغلط عقائد کو ختم کرنے کی خاطر انھوں نے سخت سزائیں دینے سے بھی دریغ نہیں کیا حتی کہ بعض لوگوں کو موت کے گھاٹ پر اتار دیا تھا۔

حضرت ہشام بن عبدالملک کی شخصیت اور اخلاق وکردار

خلیفہ ہشام بن عبدالملک کی شخصیت میں اعتدال، حلم، تدبر اور کفایت شعاری پائی جاتی تھی۔وہ نرم گو ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے مخالفین کی بدگوئی اور سخت تنقید کو بھی برداشت کرنے کی صلاحیت رکھتے تھے۔اگر کبھی کوئی سخت جملہ منھ سے نکل جاتا تو معافی مانگنے میں کسی قسم کی جھجھک محسوس نہیں کرتے تھے۔وہ دوسروں کے جذبات کا خیال رکھنے والے اور بنوہاشم وقریش سے محبت کرنے والے تھے۔ان کے مزاج میں سادگی کا عنصر پایا جاتا تھا اور وہ اپنے متعلقین کو بھی سادگی پسند ہونے کی تلقین کرتے تھے۔خلیفہ وقت کو گھوڑوں سے کافی محبت تھی اور گھوڑوں کے حوالہ سے ان کی دلچسپی کا محور گھڑ دوڑ تھی۔

5.3.7 عہد خلافت (تہذیب و ثقافت اور علوم و فنون کے حوالہ سے)

ہشام نے اپنے عہد میں اسلامی تہذیب و ثقافت اور علوم و فنون کو پروان چڑھانے کی کامیاب کوشش کی تھی۔ان کے عہد میں رصافہ اور منصورہ و دیگر شہر آباد کیے گئے جن میں شاندار عمارتوں کی تعمیر ہوئی تھی۔مکہ کے مختلف راستوں میں حاجیوں کی سہولت کی خاطر پانی کے حوض و تالاب بنوائے گئے۔اسی طرح صنعت و تجارت پر کافی توجہ دی گئی جس کی وجہ سے صنعتوں خاص طور ریشمی کپڑوں کی صنعت کو کافی فروغ حاصل ہوا کہ اس کے متعدد کارخانے لگائے گئے تھے۔انھوں نے زراعت کو کافی فروغ دیا جس کی وجہ سے پیداوار میں ریکارڈ توڑ اضافہ ہوا۔ خلیفہ وقت کی گھوڑوں سے حد سے بڑھی ہوئی محبت نے گھوڑوں کی تجارت کو کافی فروغ دیا تھا۔

خلیفہ وقت نے علوم و فنون کو فروغ دینے میں اہم کردار ادا کیا تھا لہذا ان کے عہد خلافت میں بھی احادیث کے مزید مجموعے تیار ہوئے۔سیاسی امور سے بحث کرنے والی ایک فارسی کتاب کا عربی ترجمہ کرایا اور اس کے متعدد نسخے تیار کر کے اپنے گورنروں، والیان اور افسران کو روانہ کیے تھے کہ اس میں سیاسیات کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کیا تھا۔اسی طرح انھوں نے دمشق میں سرکاری کاغذات کو محفوظ رکھنے کے لیے ایک آرکائیوز تعمیر کرایا تھا۔

5.3.8 خلافت ہشام بن عبدالملک-ایک عمومی جائزہ

ہشام بن عبدالملک اموی خلافت و حکومت کے دسویں خلیفہ تھے جنھوں نے اپنے پیش رو خلفاء میں سے حضرت معاویہ اور اپنے والد عبدالملک بن مروان کی طرح ایک طویل مدت تک مسند خلافت پر فائز تھے۔اردو دائرۃ المعارف کے مقالہ نگار کے بقول ہشام بن عبدالملک کا عہد خلافت اموی دور کی خوش حالی اور شان و شوکت کا آخری مظہر اور مجموعی طور پر پر امن تھا۔ان کی خلافت کے خاتمہ کے ساتھ ہی اموی خلافت کا حقیقی زوال شروع ہو جاتا ہے۔پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی نے ان کے عہد خلافت کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ انھوں نے ہر لحاظ سے اپنے آپ کو خلافت اسلامی کا نمونہ ثابت کیا۔اپنی خداداد ذہانت، سیاسی قابلیت، فوجی دور اندیشی اور انتظامی صلاحیت کے سبب ہی وہ اموی خلافت کے حقیقی زوال پر گویا ایک باندھ تعمیر کر دیا تھا جسے ایک کارنامہ ہی قرار دیا جاسکتا ہے کہ انھوں نے ایک زوال پذیر سلطنت کو اپنے پورے طمطراق کے ساتھ نہ صرف باقی رکھا بلکہ اس کے حدود اربعہ میں اضافہ کیا تھا تاہم پانی سر سے اونچا ہو چکا تھا لہذا عہد سلیمانی سے در آنے والی کمزوریوں پر مکمل طور پر قابو نہ پاسکے اور رہی سہی کسر ان کے بعد آنے والے خلفاء نے پوری کر دی تھی لیکن مؤرخین کے بیانیہ کے اعتبار سے ان کی وفات کے بعد ہی حقیقی طور اموی خلافت و حکومت کا خاتمہ ہو گیا تھا۔

5.4 فرہنگ

خو بو: عادت، خصلت۔(یہ اردو اور فارسی زبان کا ایک مستعمل لفظ ہے جس کا اکثر استعمال مزاج اور خاندانی خصائل کے اظہار کے لیے ہوتا ہے)

اساطین (ج) اسطوانہ: سہارے دینے والا ستون۔اردو اور عربی ادب میں اساطین کا استعمال بڑے علما، نامور شخصیات یا کسی فن کے

ماہرین کے لیے بھی ہوتا ہے۔

تنظیم نو: نئی ترتیب آرکائیوز: محفوظ شدہ دستاویزات کا ادارہ

طمطراق: شان و شوکت، یہ لفظ عام طور پر بہت زیادہ شان دکھانے یا کسی تقریب کے بڑے پیمانے پر انعقاد کے لیے مستعمل ہے۔

5.5 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے درج ذیل نکات سیکھے:

- عمر بن عبدالعزیز خلافت بنوامیہ کے آٹھویں اور اہم خلیفہ گذرے۔ ان کا دور مختصر مگر اصلاحی اقدامات کے باعث اسلامی تاریخ میں نمایاں مقام رکھتا ہے۔ انہیں ان کے تقویٰ کی بنا پر "خلیفۂ خامس" بھی کہا جاتا ہے۔
- انہوں نے خلافت سنبھالتے ہی شاہانہ طرزِ زندگی ترک کیا اور بیت المال کی امانت داری کو یقینی بنایا۔ ان کی نمایاں اصلاحات میں غیر مسلموں پر ناجائز ٹیکس کی منسوخی، مظالم کا ازالہ، گورنروں کی نگرانی، اور احادیث کی تدوین شامل ہے۔
- ہشام بن عبدالملک بنوامیہ کے طاقتور اور مدبر حکمرانوں میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کے دور میں سلطنت کو عسکری اور انتظامی استحکام حاصل رہا۔ انہوں نے مالیاتی نظم و نسق کو مضبوط کیا اور سرحدوں پر رومیوں کے خلاف مہمات جاری رکھیں۔ تاہم ان کے عہد میں قبائلی عصبیت اور اندرونی اختلافات نے بھی سر اٹھایا، جو بعد میں اموی زوال کا سبب بنے۔
- ہشام کا دور اموی خلافت کے استحکام اور بتدریج زوال کے درمیان ایک اہم مرحلہ سمجھا جاتا ہے۔

5.6 نمونہ امتحانی سوالات

5.6.1 معروضی جوابات کے متقاضی سوالات

1. حضرت عمر بن عبدالعزیز کی بحیثیت خلیفہ نامزدگی کس نے کی تھی؟

(a). ولید بن عبدالملک (b). سلیمان بن عبدالملک (c). یزید بن عبدالملک (d). ہشام بن عبدالملک

2. حضرت عمر بن عبدالعزیز کو سب سے پہلے مدینہ کا گورنر کس نے مقرر کیا تھا؟

(a). ولید بن عبدالملک (b). سلیمان بن عبدالملک (c). یزید بن عبدالملک (d). ہشام بن عبدالملک

3. ہشام بن عبدالملک کو کس نے اپنا ولی عہد مقرر کیا تھا؟

(a). ولید بن عبدالملک (b). سلیمان بن عبدالملک (c). یزید بن عبدالملک (d). ہشام بن عبدالملک

4. ہشام بن عبدالملک کی خلافت کا آغاز کس سنہ سے ہوتا ہے؟

(a). 104ھ (b). 105ھ (c). 106ھ (d). 107ھ

5. ہشام بن عبدالملک کی خلافت کا دورانیہ کتنے سالوں پر محیط ہے؟

(a).5سال (b).7سال (c).14سال (d).20سال

5.6.2 مختصر جوابات کے متقاضی سوالات

1. خلافت پر فائز ہونے سے قبل حضرت عمر بن عبدالعزیز کی زندگی پر ایک نوٹ لکھیے۔
2. حضرت عمر بن عبدالعزیز کی معاشرتی اصلاحات پر روشنی ڈالیے۔
3. ہشام بن عبدالملک کی مذہبی خدمات پر ایک مختصر نوٹ لکھیے۔
4. عباسی تحریک کے آغاز پر ایک نوٹ لکھیے۔
5. اندلسی محاذ پر ایک نوٹ لکھیے۔

5.6.3 طویل جوابات کے متقاضی سوالات

1. حضرت عمر بن عبدالعزیز کی عہد پر ایک تجزیاتی مضمون قلمبند کیجیے۔
2. ہشام بن عبدالملک کے عہد کے اہم واقعات پر ایک تعارفی مضمون قلمبند کیجیے۔
3. حضرت عمر بن عبدالعزیز اور ہشام بن عبدالملک کے دور کا تقابلی جائزہ پیش کیجیے۔

5.7 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1. تاریخ طبری از علامہ ابن جریر طبری (جلد چہارم)، ترجمہ از ڈاکٹر محمد صدیق ہاشمی، نفیس اکیڈیمی، کراچی، اپریل 2004ء۔
2. تاریخ ابن کثیر از ابن کثیر (جلد چہارم)، ترجمہ از مولانا ابو طلحہ محمد اصغر مغل، دارالاشاعت، کراچی، نومبر 2008ء۔
3. تاریخ تہذیب اسلامی از پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی (حصہ دوم)، قاضی پبلشرز اینڈ ڈسٹری بیوٹرز، نئی دہلی، 1998ء۔
4. تاریخ اسلام از مولانا اکبر شاہ خان نجیب آبادی (حصہ دوم)، ادارہ مرکز ادب، جامع مسجد، دیوبند۔
5. تاریخ اسلام از شاہ معین الدین احمد ندوی (حصہ دوم)، دارالمصنفین شبلی اکیڈیمی، اعظم گڑھ، 2009ء۔
6. عمر بن عبدالعزیز از شیخ مظہر الحق مئوی، مطبع انوار محمدی، الہ آباد، 1913ء۔
7. حضرت عمر بن عبدالعزیز از آباد شاہ پوری، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی، 1998ء

معروضی سوالات کے جوابات

1. B	2. A	3. A	4. B	5. D

اکائی6: اموی فتوحات کا اجمالی خاکہ

اکائی کے اجزا:

6.0 تمہید

6.1 مقاصد

6.2 خلافت بنوامیہ فتوحات

6.3 امیر معاویہ(680-661)

6.3.1 پوربی علاقہ

6.3.2 قسطنطنیہ کی لشکر کشی

6.3.3 افریقہ کی فتح

6.4 خلافت یزید اول بن معاویہ

6.5 عبدالملک بن مروان

6.6 ولید بن عبدالملک

6.6.1 ہندوستان

6.6.2 رومی سرحد

6.6.3 یوروپی فتوحات

6.6.4 فتح اندلس

6.7 سلیمان بن عبدالملک

6.8 عمر بن عبدالعزیز

6.9 یزید دوم عبدالملک

6.10 فتوحات ہشام بن عبدالملک

6.10.1 وسط ایشیا کا محاذ

6.10.2 سندھی، ہندی محاذ
6.10.3 آرمینیا و خزر کا محاذ
6.10.4 ایشیائے کوچک: رومی محاذ
6.10.5 افریقہ کا محاذ
6.10.6 اندلس کا محاذ
6.11 فرہنگ
6.12 اکتسابی نتائج
6.13 نمونہ امتحانی سوالات
6.13.1 معروضی جوابات کے متقاضی سوالات
6.13.2 مختصر جوابات کے متقاضی سوالات
6.13.3 طویل جوابات کے متقاضی سوالات
6.14 تجویز کردہ اکتسابی مواد

6.0 تمہید

اسلامی سلطنت میں فتوحات کا سلسلہ خلافت راشدہ سے شروع ہوتا ہے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے مختصر دور خلافت میں شام، ایران، عراق کے کئی شہر حضیر، عین التمر، بلقاء، بصری وغیرہ خلافت اسلامیہ کے ماتحت آئے اور حضرت عمرؓ کے دور میں اسلامی ریاست جزیرۃ العرب سے نکل کر پورا عراق، فلسطین، اردن اور مصر تک وسیع ہو گئی اور حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں ایرانی صوبہ خراسان، آذربائیجان، آرمینیا وغیرہ اسلامی ریاست میں شامل ہوئے اور حضرت علیؓ کا دور خلافت فتوحات سے خالی رہا اس کی وجہ یہ رہی کہ آپ کی خلافت میں اندرونی خلفشار اور جنگ جمل و جنگ صفین اور اس جیسے مسائل نے اہم کردار نبھائے اور فتوحات کے راستہ میں رکاوٹ بنے۔

6.1 مقاصد

اس اکائی کا مقصد ہے کہ آپ:

- بنوامیہ کی فتوحات کے اسباب و محرکات (سیاسی، معاشی، دینی) کی وضاحت کر سکیں۔

- اموی حکومت کے اہم سپہ سالاروں کے کردار کا جائزہ لے سکیں اور ان کے نمایاں کارناموں کا تجزیہ کر سکیں۔
- اموی فتوحات اور اس کی اہمیت و ثمرات کا جائزہ لے سکیں۔

6.2 خلافت بنوامیہ فتوحات

خلافت راشدہ جو حضرت علیؓ کی شہادت پر تمام ہوئی اور حضرت حسن کے خلافت سے امیر معاویہ کے حق میں دستبرداری کے بعد حضرت امیر معاویہؓ نے خلافت بنوامیہ بمطابق 661ء میں قائم کی جس کو عالم اسلام نے قبول کیا۔ بنوامیہ کا دورِ حکومت اسلامی تاریخ کا ایک اہم باب ہے، جس میں اسلامی سلطنت نے غیر معمولی وسعت اختیار کی۔ بنوامیہ کے خلفاء نے منظم فوجی حکمتِ عملی، مضبوط نظم و نسق اور باصلاحیت سپہ سالاروں کی قیادت میں ایک وسیع سلطنت قائم کی۔ یہ فتوحات محض علاقائی توسیع تک محدود نہیں تھیں بلکہ ان کے نتیجے میں مختلف تہذیبوں، ثقافتوں اور اقوام کے درمیان رابطہ قائم ہوا، جس نے اسلامی تہذیب کو مزید فروغ دیا۔

6.3 امیر معاویہ (661-680)

حضرت امیر معاویہؓ جہاں دیدہ شخصیت کے مالک تھے ساتھ ہی بڑے جری اور جنگ آزما تھے انہوں نے فاروقی و عثمانی دونوں ادوار میں بڑی فتوحات حاصل کی تھیں اس لئے ان کے زمانہ خلافت میں بھی فتوحات میں بہت اضافہ ہوا۔ اسلامی فتوحات پر لکھی گئی کتب کے مطالعے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ نے فتوحات کا آغاز اس مقام سے کیا جہاں حضرت عثمان غنیؓ کے زمانہ میں فتوحات کا سلسلہ رک گیا تھا۔ امیر معاویہ عہد عثمانی میں تجربہ کار فوجی افسر تھے اس لیے آپ کو بخوبی اندازہ تھا کہ کن عناصر کی سرکوبی پہلے ضروری ہے، اس وقت بلخ، ہرات، بوشنج، بادغیس کے خطوں میں بغاوت کی آگ بھڑکی ہوئی تھی اس لیے سب سے پہلے بغاوتوں کو فرو کرنے کے لیے گورنر خراسان عبداللہ بن عامرؓ نے قیس بن ہیثم کو خراسان کی طرف بھیجا۔ قیس بن ہیثم سیدھے بلخ کے علاقہ میں پہنچے اور وہاں موجود آتش کدہ کو توڑا اور فسادیوں کو اطاعت پر مجبور کیا۔ اسی طرح عامر بن قیس نے سپہ سالار عبداللہ بن حازم کو ہرات، بوشنج، اور بادغیس جیسے علاقوں کی طرف بھیجا گیا انہوں نے یہاں باغیوں کی سرکوبی کی اور انہیں باغیانہ روش اختیار کرنے سے باز رکھا۔

663ء میں کابل کے علاقہ میں بغاوت کا طوفان اٹھا اس کی سرکوبی کے لیے عبدالرحمن بن سمرہؓ کو مقرر کیا گیا۔ آپ نے ایک بڑے معرکہ کے بعد کابل کے علاقہ کو فتنہ بازوں سے خالی کرایا اور کابل کے بعد بست زران اور طخارستان کو بھی بغاوت سے پاک کیا۔ چونکہ امیر معاویہؓ کے دور میں فتوحات کا دائرہ بہت وسیع ہے اس لیے اس کو سمجھنے کے لیے اسے دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

6.3.1 پوربی علاقہ

اس پوربی محاذ میں دو ممالک کی فتوحات شامل ہیں:

(الف) متحد ہندوستان

متحد ہندوستان میں پاکستان، افغانستان اور سری لنکا کے علاقے شامل ہیں ان مقامات کو فتح کرنے اور اسلامی حکومت کے زیر سایہ

لانے کے لیے حضرت امیر معاویہ نے سندھ اور درۂ خیبر (یہ علاقے اس وقت پاکستان میں ہیں) کے علاقوں سے دو طرفہ حملے کروائے۔ اسلامی لشکر نے ایک تو قدیم راستہ سندھ کا اختیار کیا۔ دوسرا راستہ خیبر کا۔ ان دونوں راستوں سے ہندوستان پر حملہ ہوا اور ان علاقوں کو فتح کرنے کے لیے ایک کے بعد ایک کئی سالار کو ذمہ داری دی گئی۔

1. **مہلب بن ابی صفرہ:** یہ سالار خیبر کے راستہ سے ہندوستان میں داخل ہوئے، سرحدی علاقوں کے لوگوں نے مزاحمت کیا، مہلب نے انہیں شکست دی اور قیقان کی طرف متوجہ ہوئے صرف چند ترکی سواروں سے مقابلہ ہوا انہیں زیر کیا اور کثیر مال غنیمت حاصل کیا۔
2. **عبداللہ بن سوار عبدی:** عبداللہ بن عامرؓ نے عبداللہ بن سوار کو سرحدی علاقہ کا حاکم بنایا۔ انہوں نے قیقان پر حملہ کیا اور فتح یاب ہوئے اور قیمتی گھوڑے امیر معاویہ کی خدمت میں پیش کیا کچھ دونوں بعد پھر واپس آئے لیکن دوسری بار جنگ میں شہید ہوئے۔
3. **سنان بن ابی سنان ہذلی:** اس عظیم سالار نے سب سے پہلے مکران صوبہ قیقان کے علاقہ پر فوج کشی کی اور کامیابیاں بھی حاصل کیا لیکن قوم کے ساتھ ایک معرکہ میں شہید ہوگیے۔ ان کے بعد سنان بن سلمہ اور منذر بن جارود وغیرہ کو سندھ کے مختلف علاقوں میں اسلامی سالار بنا کر بھیجا گیا اور قندھار، اور مکران جیسے اہم خطے اسلامی حکومت میں شامل ہوئے۔

(ب) ترکستان

ترکستان کی فتح میں دو اہم اسلامی والیوں کا تذکرہ ملتا ہے: (1) عبیداللہ بن زیاد: یہ 54ھ میں خراسان کے حاکم مقرر ہوئے اور ترکستان کی سرزمین پر اپنی فوجی مہم کا آغاز کیا اور سغد کے علاقہ پر حملہ کر کے اسے اسلامی حکومت میں شامل کرنے کے بعد اپنی عسکری کاروائی کو جاری رکھا اور کئی علاقے فتح کیے جن میں رافنی، نصف اور بیکند کے علاقے خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ (2) سعید بن عثمانؓ۔ سعید بن عثمان کو عبیداللہ بن زیاد کے بعد اس خطہ کا والی مقرر کیا گیا تھا، انہوں نے اپنی قابلیت و سمجھ کا مظاہرہ کرتے ہوئے نہر جیحون کو پار کر فوجی کاروائی کی شروعات کی، اس علاقہ کی خاتون حکمراں قبق نے سعید بن عثمانؓ سے صلح کر لی لیکن اس کی رعایا نے اس صلح کو منظور نہ کیا اور بڑی تعداد میں اسلامی فوج سے مقابلہ کے لیے نکلے، بڑی تعداد دیکھ کر قبق نے بھی صلح توڑ دی اور میدان جنگ میں کود پڑی لیکن مسلمانوں کی مسلسل فوجی کاروائی کو دیکھ کر قبق نے دوبارہ صلح کے لیے اپنی عوام کو مجبور کیا لہٰذا ان کے درمیان صلح ہوگئی۔ اس کاروائی سے فراغت حاصل کر لینے کے بعد اسلامی لشکر آگے بڑھا اور بخارا و سمرقند پر فوجی حملہ کر کے انہیں خراج کی آدائیگی پر مجبور کر دیا۔

6.3.2 قسطنطنیہ کی لشکر کشی

اسلام اور مسلمانوں کے ازلی دشمن بازنطینی / رومی تھے ان کے خلاف کاروائی خلافت راشدہ میں شروع ہوگئی تھی اس کی وجہ یہ رہی کہ رسول اکرمؐ نے قسطنطنیہ کو فتح کرنے والے لشکر کے لیے مغفرت کی بشارت دی ہے، اسی لیے ہر مسلمان حکمراں نے اس رومی سلطنت کو فتح کرنے کی پوری کوشش کی۔

امیر معاویہ نے قسطنطنیہ فتح کرنے کے لئے ایک بڑا لشکر تیار کیا جس میں اس زمانہ میں موجود اکثر صحابہ بھی شامل تھے۔ امیر معاویہ

نے اس جنگ میں اپنے بیٹے یزید کو سپہ سالار منتخب کیااور اسے قسطنطنیہ (اس وقت قسطنطنیہ کو استنبول کہا جاتا ہے اور یہ ترکی کا دارالحکومت ہے) کو فتح کرنے کے لیے روانہ کیا۔ لشکر 668ء میں خشکی کے راستے سے روانہ ہوا اس مبارک سفر کے خصوصی فضائل کے سبب عوام وخواص بڑی تعداد میں شریک ہوئے، ان میں حضرت ابوایوب انصاریؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور حضرت حسین بن علیؓ وغیرہم شامل ہیں۔ اس فوج نے اپنا ہیڈ کوارٹر / صدر مقام طرطوس کے درے کو بنایا۔ یہ مقام قسطنطنیہ سے چار سو (400) کلو میٹر کے فاصلہ پر تھا لیکن اللہ کے رسول کی بشارت کی وجہ سے اتنا لمبا سفر لوگوں کے لئے مانع نہیں تھا۔ مسلمانوں نے اس دوری کو طے کر کے شہر قسطنطنیہ پر حملہ کیا، گو یہ شہر فتح تو نہ ہوا لیکن اس کے ضمن میں مضافات کے کئی علاقے فتح ہوئے۔ اسی مقام پر دوران جنگ حضرت ایوب انصاریؓ سخت بیمار ہوئے۔ ان سے پوچھا گیا کہ کوئی آرزو ہے تو بتائیں تو جواب دیا کہ جہاں تک ممکن ہو سکے دشمن کی زمین میں دور لے جا کر دفن کرنا۔ چنانچہ انکے انتقال کے بعد قسطنطنیہ کی فصیل کے نیچے انہیں دفن کیا گیا۔ دور حاضر کے محققین کی رائے ہے کہ 674ء میں حضرت معاویہؓ نے ایک اور لشکر قسطنطنیہ کو فتح کرنے کے لیے بھیجا تھا جس میں خشکی اور دریائی دونوں فوجیں شامل تھیں۔

6.3.3 افریقہ کی فتح

اس علاقہ میں اسلامی لشکر نے دو طرف سے کامیابیاں حاصل کیں۔ **1۔ شمالی افریقہ** **2۔ بحر روم**

شمالی افریقہ میں فتوحات کی ابتداء خلافت راشدہ ہی میں ہو چکی تھی۔ چنانچہ حضرت امیر معاویہؓ نے معاویہ بن خدیجؓ کی سرکردگی میں شمالی افریقہ کے دیگر حصوں کو اسلامی ریاست میں شامل کرنے کے لئے لشکر روانہ کئے۔ جن میں عبداللہ ابن عمر، عبداللہ ابن زبیر اور عبدالملک بن مروان شامل تھے انہوں نے الگ الگ حصوں پر فوج کشی کی اور بزرت، حربہ، سوسہ، جلولہ وغیرہ کے علاقوں کو اسلامی ریاست میں شامل کر لیا۔ شمالی افریقہ کے بربری ایک باغی اور سرکش قوم تھے جن پر جب تک فوج مسلط رہتی تب تک اطمینان قائم رہتا اور جب تک لوگ فوجی کاروائیوں میں مشغول رہتے تبھی تک سرکشی اور فساد سے دور رہتے امن کے زمانہ میں تھوڑا عرصہ گزر جانے کے بعد وہ اپنے ہی حاکم کے خلاف بغاوت پر آمادہ ہو جاتے تھے۔ اس لیے امیر معاویہؓ نے اس علاقے میں حضرت عقبہ بن نافع کو سپہ سالار مقرر کیا۔ انہوں نے عرب اور بربر قبیلوں پر مشتمل ایک عمدہ فوج تیار کر لی جس نے اس علاقہ میں موجود رومی (بازنطینیوں) اور بربر باغیوں کو نکال باہر کیا اور آپ کی کوششوں سے لواتہ، زناتہ، غدامش اور سوڈان کے کچھ حصے بھی اسلامی ریاست میں شامل ہوئے۔ اسی کے ساتھ ساتھ حضرت عقبہ نے برقہ اور تقریباً مکمل لیبیا کو فتح کرنے کے بعد تیونس کا رخ کیا اور وہاں بھی فتوحات حاصل کیں۔ ان فتوحات کو باقی رکھنے اور بغاوت کے استیصال کے لیے ضروری تھا کہ وہاں ایک فوجی چھاؤنی قائم کی جائے چنانچہ عقبہ بن نافع نے قیروان نامی شہر کی بنیاد رکھی اور اسے فوجی چھاؤنی بنایا اور افریقہ کا صدر مقام بھی منتخب کیا۔

بحر روم میں روڈس کی فتح

حضرت امیر معاویہ نے حضرت عثمان غنیؓ کے دور خلافت میں رومیوں کے فوجی حملوں سے حفاظت کے لیے بحیرہ روم کے کئی جزیروں کو فوجی کاروائی کے ذریعہ اسلامی حکومت میں شامل کر لیا تھا جس میں جزیرہ قبرص کی فتح شامل تھی۔ امیر معاویہ نے اپنے زمانہ حکومت

میں اس سلسلہ کو آگے بڑھاتے ہوئے روڈس کی طرف توجہ کی، روڈس اناطولیہ سے مغرب میں واقع ہے، جس کو 52ھ میں اسلامی سپہ سالار جنادہ بن ابی امیہ نے فوجی کاروائی کے ذریعہ فتح کر کے اسلامی سلطنت کا حصہ بنایا۔ افریقہ میں اسلام کے سپہ سالاروں میں معاویہ بن خدیج کا نام بہت اہم ہے بحر روم میں کئی جزیرے تھے ان کو بھی فتح کیا۔ سسلی اور کریٹ جزیرے فتح نہ ہو سکے تھے (جو بعد میں فتح ہوئے) لیکن 663ء میں روڈس اور 665ء میں ارواڈ فتح ہوئے۔

6.4 خلافت یزید اول بن معاویہ

یزید کی پیدائش امیر معاویہؓ کے دور حکومت میں میسون بنت بحدل کے بطن سے ہوئی۔ ناز و نعم میں پرورش ہوئی، تفریح اور شکار کرنا پسندیدہ مشغلہ تھا، اسی کے ساتھ ساتھ ایک فوجی و سالار کے سارے کمالات بھی اس کی ذات میں موجود تھے، قسطنطنیہ کی مشہور جنگی مہم میں شریک رہا۔ خلیفہ بننے کے بعد یزید نے ریاست کے مختلف اہم کام انجام دیے اور کئی اہم فتوحات حاصل کیں جن میں ایک ترکستان اور دوسری افریقہ کی فتوحات ہیں۔ یزید بن معاویہ اموی خلافت کا دوسرا خلیفہ ہے اس نے تقریباً تین سال تک حکومت کی۔

ترکستان میں اسلامی حکومت

ترکستان کی فتوحات کا سلسلہ بھی خلافت راشدہ سے ہی شروع ہو گیا تھا لیکن اس کو پورے طور سے اسلامی ریاست کا حصہ نہیں بنایا جا سکا تھا، امیر معاویہؓ نے بھی ترکستان پر فوج کشی کی تھی لیکن چند علاقوں میں کامیابی کے بعد یہ سلسلہ آگے نہ بڑھ سکا۔ چنانچہ یزید کے دور حکومت میں متعدد فتوحات الگ الگ علاقوں اور خطوں میں ہوئی ہیں جن میں ترکستان کی فتح سر فہرست مانی جاتی ہے۔ ترکستان خراسان کے ماتحت آتا تھا جہاں کے حکمراں خوارزم کے علاقہ میں ایک مقام پر جمع ہوتے، مسلمانوں و اسلامی لشکر کے خلاف مشورے کرتے، خراسان میں موجود اسلامی لشکر کو ان کی اس سازش کا علم ہوا تو انہوں نے دار الخلافہ سے ترکستان پر حملہ کرنے کی کئی بار اجازت طلب کی مگر والی خراسان نے اجازت نہ دی جس کی وجہ سے فتنہ پروروں کو اپنی شر انگیزی کو فروغ دینے کا مزید موقع مل گیا۔ لیکن 61ھ میں یزید جب مسند خلافت پر بیٹھا تو اس نے مسلم بن زیاد کو خراسان کا گورنر بنایا اور اس نے مہلب بن ابی صفرہ سے اجازت لیکر شہر کا محاصرہ کیا جس سے مجبور ہو کر یہاں کے حکمرانوں نے صلح کر لی۔ اس صلح سے دو فائدے ہوئے ایک تو فسادیوں کا مرکز ٹوٹ گیا دوسرا فائدہ یہ ہوا کہ پانچ کروڑ کی کثیر رقم بھی اسلامی حکومت کو حاصل ہوئی۔ اس کے بعد سمرقند اور خجندہ کے شہروں پر فوجی کاروائی ہوئی اور اس طرح شر انگیزی کے اس گڑھ کا قلع قمع ہو گیا۔

افریقہ میں فتوحات

اسی طرح یزید کے دور میں شمالی افریقہ کی فتوحات کی تکمیل ہوئی۔ لیکن اس علاقہ میں موجود اسلامی سلطنت کے ایک والی ابو المہاجر کی سیاسی غلطیوں کی وجہ سے اس پر دوبارہ بربروں کا قبضہ ہو گیا تھا۔ اس علاقہ میں موجود بربر قبیلہ کے لوگ ہمیشہ اسلام اور مسلمانوں کے لیے مسئلہ بنے رہتے اور بار بار بغاوت کرتے تھے۔ 62ھ میں بربروں کی جماعت بغاوت کے ارادہ سے جمع ہوئی اس وقت کے والی افریقہ عقبہ بن نافع نے قسم کھائی کہ تاحیات ان بربروں سے لڑتا رہوں گا اور انہوں نے اپنے لڑکوں کو اس بات کی وصیت کر کے باغیوں کے علاقہ کا رخ کیا جہاں کثیر تعداد میں رومی اور بربر اکٹھا تھے۔ عقبہ بن نافع نے ان لوگوں سے خونریز جنگ کی اور ان کو شکست سے دوچار کیا۔ ان باغیوں نے

شکست کھا کر شہر میں پناہ لی۔ حضرت عقبہ نے شہر کا محاصرہ کیا مگر یہ لوگ باہر نہ نکلے۔ عقبہ نے انہیں چھوڑ کر رومیوں کے دوسرے اہم مرکز لمیس پر فوج کشی کر دی اور لمیس کو اسلامی حکومت کا حصہ بنایا اس کے بعد رومیوں کے دوسرے اہم شہر فزان پر حملہ کیا اور اس کے حکمران کو صلح پر مجبور کیا اور آگے بڑھ کر ودان، قفصہ اور قسطنطنیہ کے علاقوں میں اسلامی حکومت کے خلاف اٹھنے والی بغاوت کو ختم کر دیا۔

ان کامیابیوں کے بعد عقبہ زاب کے علاقہ میں گیے وہاں اریہ اور تاہرت میں موجود رومیوں کی کثیر تعداد کو شکست دیا۔ اس کے بعد کئی علاقوں کو فتح کرتے ہوئے بحر روم کے کنارے پر واقع شمالی افریقہ کے آخری شہر طنجہ پہنچے اور سب کو شکست دی۔ طنجہ شہر پر خشکی کا علاقہ ختم ہو جاتا ہے اس لیے سوس ادنی کی طرف رخ کیا اور بربر کو شکست دے کر یعلی، نفیس کو فتح کیا اور آگے بڑھ کر ورعہ پر حملہ کر کے قبضہ کیا اور بحر محیط کے ساحل تک پہنچ گیے۔ جب دریا سامنے آیا تو فرمایا "اے اللہ اگر یہ دریا حائل نہ ہو جاتا تو جہاں تک زمین ملتی میں تیری راہ میں جہاد کرتا۔" اس طرح عقبہ بن نافع نے ملیس، فزان، ودان، قصفہ، زاب، تاہرت، سبتہ وغیرہ علاقوں کو فتح کر کے اسلامی ریاست کی سرحد کو بحر اوقیانوس تک وسیع کر دیا تھا۔ یہ فتوحات یزید کے زمانہ میں پیش آئیں اور اسی فوج کشی کے زمانہ میں ہی یزید کا انتقال ہو گیا۔

6.5 عبدالملک بن مروان

عبدالملک بن مروان 65ھ / 685 میں یزید کے بعد خلیفہ بنا اس وقت اس کی عمر 39 سال تھی، وہ نہایت ہی ذہین، بہادر اور معاملہ فہم تھا، اس کا دور حکومت افراتفری کا شکار رہا ایک طرف خارجیوں کا فتنہ تھا جو بنی امیہ کے سب سے بڑے دشمن تھے اور ان کا مرکز عراق اور فارس تھا، یہ علاقہ عبداللہ بن زبیر کے بعد عبدالملک کے قبضہ میں تھا اس لیے خوارج کا رخ عبدالملک کی طرف رہا اس وجہ سے ہر دن کسی نہ کسی علاقہ میں فتنہ جنم لیتا۔ 73ھ میں والی کوفہ خالد بن عبداللہ نے مہلب بن ابی صفرہ کو ہٹا کر اپنے ناتجربہ کار بھائی عبدالعزیز کو سالار بنایا۔ مہلب کا ہٹنا تھا کہ خوارج دلیر ہو گیے اور انہوں نے اسلامی سالار عبدالعزیز کو شکست دے کر قتل کر دیا۔ جب عبدالملک کو اس صورتحال کا علم ہوا تو والی کوفہ خالد بن عبداللہ کو تنبیہ کی اور مہلب بن ابی صفرہ کو دوبارہ خوارج کے مقابلہ کے لیے مقرر کر دیا نیز خالد بن عبداللہ، عبدالرحمن بن اشعث اور بشر بن مروان کو الگ الگ فوج کے ساتھ خوارج پر حملہ کرنے کی ہدایت دی چنانچہ انہوں نے 5000 ہزار فوج کے ساتھ تین طرف سے حملہ آور ہوئے۔ خوارج کو ان کے مقابلہ میں شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ اسی طرح بحریہ پر ابو فدک نام کے ایک خارجی نے قبضہ کر لیا اس کی سرکوبی کے لیے عبدالملک نے عمر بن عبیداللہ کو دس ہزار فوج دے کر بھیجا جس میں خارجی سردار ابو فدک مارا گیا۔ بغاوتوں کے انسداد کا یہی حال ملک کے دوسرے علاقوں میں بھی رہا۔

عبدالملک کے دور خلافت کے ابتدائی سالوں میں عبداللہ ابن زبیر کی خلافت تھی جنہوں نے حجاز، مصر و عراق تک اپنی حکومت قائم کر رکھی تھی، جو عبدالملک بن مروان کے گلے کی ہڈی بنی ہوئی تھی۔ ایسی صورت میں بیرونی فتوحات کا پیش آنا کسی معجزہ سے کم نہیں ہے۔ عبدالملک نے بہت ہی دلیری سے ان حالات کا سامنا کیا اور چند سالوں کی مدت میں اندرونی خانہ جنگی کو ختم کر کے بیرونی فتوحات کا آغاز کیا جسے درج ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔

افریقہ کی فتوحات

یزید کے دور میں عقبہ بن نافع نے افریقہ کے تمام علاقوں سے بغاوتوں کو فرو کر کے اسے مکمل طور پر اسلامی ریاست کے ماتحت کر دیا تھا لیکن ان کی شہادت کے بعد افریقہ میں بر بر قوم نے اسلامی سلطنت کے خلاف بغاوت کا دوبارہ آغاز کر دیا۔ چنانچہ بر بری قبیلہ کے کسیلہ بن مکرم نے بغاوت کا اعلان کیا اور اس علاقہ میں اسلامی حکومت کے تمام حصہ پر قبضہ کر لیا۔ یہ سلسلہ یزید کے دور حکومت سے عبدالملک کے خلیفہ بننے تک رہا۔ سیاسی اتھل پتھل کی وجہ سے کسی کو اس جانب توجہ کا موقع نہ ملا۔ جب عبدالملک بن مروان خلیفہ بنا تو اس نے افریقہ کی اہمیت کو محسوس کرتے ہوئے اپنے تجربہ کار سپہ سالار افریقہ کے لیے روانہ کئے جو افریقی علاقہ سے باخبر تھے ان میں سپہ سالار زہیر بن قیس کو عمدہ جنگی ساز و سامان سے لیس فوج دے کر افریقہ کی جانب روانہ کیا۔ جب زہیر افریقہ پہنچے تو کسیلہ بن مکرم قیروان کی سرزمین میں تھا۔ جب اسے مرکزی فوج کی آمد کی اطلاع ملی تو وہ شہر قیروان سے منتقل ہو کر محفوظ مقام ''ممش'' چلا گیا۔ اسلامی لشکر کے سپہ سالار کو اس کا علم ہوا تو کسیلہ کی تلاش میں اپنے جاسوسوں کو لگا دیا بالآخر ممش کے قریب دونوں فوجوں کا سامنا ہوا، کسیلہ کے ساتھ رومی اور بر بر قبیلہ کے لوگ بڑی تعداد میں تھے دونوں فریق میں بہت زبردست لڑائی ہوئی اور گمان یہ ہوا کہ فریقین ختم ہو جائیں گے لیکن مسلمان غالب آئے اور کسیلہ کے ہم خیال رومی اور بر بر لڑاکوں کی اکثریت قتل و گرفتار ہوئی۔

عبدالملک نے ایک سے زیادہ مرتبہ افریقہ کی شورش کو ختم کیا اور کوفہ، بصرہ، عراق، پر کئی کاروائی کی اور فتنوں کا سد باب کیا۔ عبدالملک کے عہد حکومت میں زیادہ فتوحات نہیں ہیں اس کی وجہ ہر طرف اٹھنے والے فتنے رہے مگر اس شخصیت نے وہ کام انجام دیے جس کے سبب آنے والے حکمرانوں کے لیے فتوحات کا دروازہ کھل گیا۔

6.6 ولید بن عبدالملک

ولید بن عبدالملک کا زمانہ فتوحات کا زمانہ کہا جاتا ہے اس کی وجہ یہ رہی کہ عبدالملک بن مران نے اپنے عہد خلافت میں اسلامی ریاست میں اٹھنے والی شورشوں اور فتنوں سے ریاست کو پاک و صاف کر دیا تھا۔ اسی لیے جب ولید بن عبدالملک خلیفہ بنا تو اسے اطمینان و سکون کا ماحول ملا جس کے نتیجہ میں فتوحات حاصل ہوئیں اور اس نے اپنے علاقوں سے باہر نکل کر فوجی کاروائی کی اور اسلامی حکومت کے دائرہ کو وسیع تر کر دیا یہاں پر ان کا اجمالی خاکہ پیش کیا جا رہا ہے۔

ولید بن عبدالملک کے دور کی فتوحات میں اس کے سپہ سالاروں کا بھی بہت اہم رول ہے جنہوں نے سندھ سے لیکر بحر اوقیانوس اور کاشغر سے لیکر فرانس تک اسلامی ریاست کی سرحدیں وسیع کر دیں۔ ان علاقوں کی فتوحات کو ترتیب وار پیش کیا جا رہا ہے۔

ترکستان اور چین کی فتوحات

عبدالملک بن مروان نے اپنے دور میں حجاج بن یوسف ثقفی کو وسط ایشیائی علاقہ کے ساتھ ساتھ عراق کا گورنر بنایا تھا اور اس کے ذریعہ قابل قدر فتوحات حاصل ہوئی تھیں۔ لہٰذا جب ولید بن عبدالملک خلیفہ ہوا تو اس نے حجاج بن یوسف ثقفی کو اسی عہدے پر باقی رکھا اور حجاج نے 705ء86ھ میں اس مشرقی محاذ سے یزید ازدی کو ہٹا کر قتیبہ بن مسلم باہلی کو سپہ سالار بنایا دیا۔ قتیبہ نے سب سے پہلے 705ء

86ھ میں بلخ، طخارستان جیسے شہروں کو اسلامی ریاست کا حصہ بنایا اور 706ء 87ھ میں ماوراءالنہر کے تجارتی مرکز بیکند اور 707ء88ھ میں بخارا کو فتح کیا اور 709ء90ھ میں طالقان، جوزجان، اوعام، وادئ فرغانہ، شومان کش اور نسف جیسے شہر اسلامی مملکت میں آگیے اور 711ء 93ھ میں بخارا کو فتح کیا اور کاشغر کو فتح کرتے ہوئے چینی سرحد تک پہنچا اور اس وقت (712-14) کے چینی حکمران خاقان کو صلح پر مجبور کیا۔ یہ وسط ایشیائی محاذ کی فتوحات ہیں اس کے علاوہ بھی بہت سے اسلام دشمن طاقتوں کا استیصال کیا گیا۔

6.6.1 ہندوستان

ولید بن عبدالملک کے زمانہ میں جن علاقوں کو فتح کیا گیا ان میں متحدہ ہندوستان کا علاقہ بھی شامل ہے۔ مکران (پاکستان) کا علاقہ پہلے ہی اسلامی ریاست کا حصہ بن چکا تھا اور سندھ (پاکستان) پر اسلامی فوج کے حملے جاری تھے مگر مکمل طور پر کامیابی نہ ملی تھی۔ سندھ کے حکمران راجہ داہر کے سلطنت کے حدود میں اہل ایمان اور اسلامی ریاست کے خلاف دو کاروائیاں ہوئیں:

1۔ سری لنکا سے آنے والے تجارتی جہاز کو لوٹا گیا اور اس میں موجود مسلمان تاجر اور بیوی بچوں کو قید کر دیا گیا۔

2۔ اسلامی ریاست کے خلاف باغیوں کو پناہ دی گئی نیز ان پر حملہ بھی کروایا گیا۔

اس صورتحال میں والی عراق حجاج بن یوسف نے محمد بن قاسم کو 6ہزار فوج دے کر سندھ فتح کرنے کے ارادے سے روانہ کیا۔ محمد بن قاسم نے علاقہ قزپور وایا بیل سے سندھ کی فتح کا آغاز 711ء میں کیا۔ اس کے بعد شہر دیبل فتح ہوا، اس کا یہ اثر ہوا کہ نیرون کے راجہ بھدر کن نے خوف و ہراس اور خوشی کے ملے جلے تاثرات کے ساتھ محمد بن قاسم کو اپنے شہر میں خوش آمدید کہا اور فوج کے لیے رسد اور جانوروں کے لیے چارہ کا انتظام کیا اور اسلامی مملکت سے صلح کر کے ٹیکس ادا کیا۔ اس کے بعد محمد بن قاسم نے آگے بڑھ کر دریائے سندھ عبور کیا اور سریبدس (ویدس) پہنچا۔ دریائے سندھ کے ان مقامات کو فتح کرنے کے بعد محمد بن قاسم نے بھروج کا رخ کیا اور یہاں بھی صلح پر بات طے ہو گئی اور اس کے بعد سیوستان پر قبضہ کیا اس کے بعد راجہ بجرانے سیسم میں پناہ لی لیکن مسلمانوں نے اس پر بھی قبضہ کیا۔

ان مقامات کی فتح کے بعد حجاج بن یوسف نے محمد بن قاسم کو حکم دیا کہ سندھ کی راجدھانی "برھمن آباد" کو فتح کیا جائے، محمد بن قاسم نے منصوبہ کے مطابق راستہ کی تمام رکاوٹوں کو دور کیا اور برھمن آباد سے پہلے تمام علاقہ فتح کیے اور پھر برھمن آباد کو ایک طویل اور دشوار کن محاصرہ کے بعد اسلامی ریاست میں شامل کر لیا نیز اس علاقہ میں موجود دھلیلا اور دوسرے قلعے بھی فتح کر لیے گئے۔ راجہ داہر جو برھمن آباد میں جا چھپا تھا برھمن آباد کی جنگ میں مارا گیا۔ محمد بن قاسم نے برھمن آباد و اطراف کی فتح کے بعد ارور کی طرف پیش قدمی کی اور وہاں موجود ارور کے قلعہ پر صلح کے ذریعہ کامیابی حاصل کی اور ساتھ ہی بابیہ و اسکلندھ پر بھی قبضہ کر لیا۔ ان تمام فتوحات نے محمد بن قاسم کے ساتھ ساتھ ولید کے حوصلہ بھی بڑھا دئے اور اس نے فوج کشی جاری رکھنے کا حکم دیا جس کے بعد محمد بن قاسم نے ملتان شہر کا ارادہ کیا اور دریائے چناب کو عبور کر کے اس پر حملہ آور ہوا اور 715ء 93ھ میں ملتان کو فتح کر لیا گیا۔ اسی فتح کے بعد ولید کا انتقال ہو گیا جس کی وجہ سے ہندوستان کی فتوحات کا سلسلہ یہی رک گیا جس کو دو سو سالوں کے بعد محمود غزنوی نے آگے بڑھایا۔ محمد بن قاسم کی یہ آخری فتح تھی۔

6.6.2 رومی سرحد

ولید بن عبدالملک کے عہد خلافت میں حدود روم پر فتوحات کا تیسرا اہم محاذ قائم تھا جس کے تحت بہت سے شہر اور قلعے فتح ہوئے۔ رومی/بازنطینی بہت طاقت ور تھے۔ اسلام اور مسلمانوں سے ان کی عداوت بھی قدیم رہی ہے، عہد فاروقی سے یہ دشمنی چلی آرہی تھی، اور ہر دور میں رومی مسلم حکمرانوں کو داد مضاربت دینے کے لیے مجبور کر دیا کرتے تھے۔ چنانچہ عبدالملک بن مروان نے اس علاقے میں فتنہ کو ختم کرنے کے لیے اپنے بیٹے مسلمہ بن عبدالملک کو اس حصہ میں موجود اسلامی لشکر کا سالار اعلیٰ مقرر کیا تھا جس نے متعدد جنگوں میں رومیوں کے پسینے چھڑا دیے۔ اس لیے جب ولید بن عبدالملک خلیفہ ہوا تو اس نے اس محاذ پر اپنے بھائی مسلمہ بن عبدالملک کو سالار اعلیٰ کے عہدے پر باقی رکھا۔

مسلمہ بن عبدالملک بڑی جوانمردی کے ساتھ رومی علاقوں پر مسلسل حملہ کرتا رہا اور آرمینیا وایشیائے کوچک کے کئی علاقوں، شہروں کو اپنے مقبوضات میں شامل کر لیا، جن میں طوانہ، قلعہ عموریہ، ارولیہ وغیرہ بہت نمایاں ہیں۔ اس عظیم جرنیل نے 708ء میں سوریہ کے مقام پر پانچ اہم قلعے اسلامی ریاست میں شامل کر لیے یہاں تک کہ عباس اموی نے فتوحات کے سلسلہ کو مزید طول دیتے ہوئے باب ارزان کے کئی حصوں پر فتح حاصل کی اور 713ء/94ھ میں بحر روم کے ساحلی علاقے طرطوس اور انطاکیہ بھی فتح کئے۔ ان دونوں عظیم جرنیل مسلمہ بن عبدالملک اور عباس بن ولید کی فتوحات کا سلسلہ ولید کی خلافت تک جاری رہا۔

6.6.3 یوروپی فتوحات

ولید اول بن عبدالملک نے 708ء میں افریقہ کے گورنر حسان بن نعمان کو معزول کر کے ان کی جگہ موسی بن نصیر کو گورنر بنایا تو بربریوں نے بغاوت کر دی، موسی بن نصیر ایک جانباز، معاملہ فہم اور سیاسی بصیرت کا حامل سپہ سالار تھا اس نے بلا تامل بغاوت کو فرو کر کے بربروں کے لیے مبلغ اور معلم کا انتظام کیا جس کے نتیجہ میں پورا علاقہ مسلمان ہو گیا۔ اس امن واستحکام کے ساتھ مجورقہ، منورقہ، سارڈینیا کے علاقوں پر حملہ کیے گئے اور انہیں اسلامی ریاست کا حصہ بنا دیا گیا۔ موسیٰ بن نصیر نے بربر نسل کے اپنے ایک غلام طارق بن زیاد کو آزاد کر کے اس خطہ کا حاکم بنا دیا۔

6.6.4 فتح اندلس

اسی طرح ولیدی عہد کے یورپی فتوحات میں ایک بڑی فتح اندلس کی شکل میں موجود ہے جس کا سہرا موسیٰ کے آزاد کردہ غلام طارق بن زیاد کے سر جاتا ہے۔ جس کی مختصر سی تاریخ پیش کی جارہی ہے۔ کاؤنٹ جولین مراکش کے شمالی علاقہ سبتہ (Ceuta) (یہ علاقہ رومی سلطنت میں آتا تھا) کا حکمران تھا۔ جب افریقہ سے رومی سلطنت کا خاتمہ ہوا تو یہ اندلس کی وزی گاتھ حکومت میں شامل ہو گیا، ادھر اندلس کے سپہ سالار راڈرک نے اپنے بادشاہ وٹیزا کے خلاف بغاوت کر دی اور حکومت پر قابض ہو گیا جس کی وجہ سے کاؤنٹ جولین اور دوسرے سردار راڈرک کو ناپسند کرتے تھے۔ راڈرک نے کاؤنٹ جولین کی بیٹی کے ساتھ نازیبا سلوک کئے اس لیے کاؤنٹ جولین نے افریقہ میں طارق بن زیاد سے ملاقات کر کے اسے اندلس پر حملہ کرنے کے لیے راغب کیا اور رہبری بھی کیا۔

موسی بن نصیر نے سارے حالات خلیفہ ولید اول کو لکھ کر اجازت کی درخواست کیا۔ بڑی مشکل سے خلیفہ نے اجازت دیا۔ اجازت ملتے ہی موسی بن نصیر نے اندھا دھند حملہ نہ کیا بلکہ کچھ فوجی جنوبی ساحل پر بھیجا تاکہ دشمن کی طاقت کا اندازہ کیا جاسکے اور ایک غلام طریف بن مالک کو اس فوج کا سربراہ مقرر کیا کچھ ہی دنوں میں طریف کامیاب ہو کر واپس ہوا۔

اس کامیابی سے اسلامی فوج کو حوصلہ ملا اور موسی بن نصیر نے باضابطہ ایک عمدہ منصوبہ تیار کر کے طارق بن زیاد کو سات ہزار فوج کا سالار منتخب کر کے اندلس کی طرف روانہ کر دیا اور اس فوج نے بحر روم پار کر کے جس مقام پر پہلا قدم رکھا تاریخ اس کو جبل الطارق (جبرالٹر) کے نام سے یاد کرتی ہے۔

اس وقت اندلس کے سیاسی حالات اچھے نہ تھے اور شاہ اندلس راڈرک نے ملک کی اندرونی بغاوتوں کو فرو کرنے کے لیے متعدد مہمات روانہ کی تھیں ان میں سے ایک مہم جس کی سربراہی تھیوڈمیر کر رہا تھا اسی مقام پر تھی جہاں طارق بن زیاد اپنی فوج کے ساتھ نمودار ہوا تھا چنانچہ ایک نئے دشمن سے مقابلہ کے لیے تھیوڈمیر آگے بڑھا لیکن مسلمانوں کے استقلال و حوصلہ کے سامنے شکست کھائی اور خوفزدہ ہو کر بھاگ نکلا۔ اس نے شاہ اندلس راڈرک کو اطلاع دی کہ ہمارے ملک میں ایسے لوگوں نے حملہ کیا ہے نہ ان کا وطن معلوم ہے نہ اصلیت لہٰذا راڈرک بھی اس خبر پر چونکا اور طارق بن زیاد کے مقابلہ کے لیے نکلا ادھر طارق کو بھی شاہ اندلس اور اس کے ساتھیوں کی تیاری کا حال معلوم ہو چکا تھا اس لیے اس نے موسی بن نصیر سے فوجی مدد مانگی اور بہت جلد پانچ ہزار عرب فوج بھیجی گئی جن کی مجموعی تعداد بارہ ہزار تھی جب کہ راڈرک کی فوج ایک لاکھ تھی۔ اسلامی لشکر نے وادئ الکبیر (دریائے گواڈلیٹ) کے مقام پر بادشاہ راڈرک کا مقابلہ کیا۔ راڈرک کی فوج میں شامل شاہی خاندان اور جاگیر دار اس سے خوش نہ تھے کیونکہ وہ شاہی خاندان سے تعلق نہ رکھتا تھا اس لیے آغاز جنگ سے پہلے انہوں نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا جس کے بعد اس کی قوت ٹوٹ گئی اور وہ مسلمانوں کے ہاتھوں بری طرح شکست کھا کر فرار ہو گیا۔

راڈرک کی شکست کے بعد طارق بن زیاد نے آگے بڑھ کر استجہ فتح کیا جس کی وجہ سے اہل اندلس کے اندر خوف و ہراس پیدا ہو گیا تھا وہ اندلس کے دارالخلافہ طلیطلہ کی طرف بھاگے۔ طارق نے کاؤنٹ جولین کے مشورہ کے مطابق فوج کو ٹکڑوں میں بانٹ کر مختلف حصوں میں تقسیم کر دیا اور ان کے سربراہ مقرر کر کے قرطبہ، غرناطہ، مالقہ، تدمیر اور دوسرے صوبوں کی طرف روانہ کیا۔

اسلامی فوج نے جدھر کا رخ کیا ہر طرف شہر و خطہ فتح ہوتا چلا گیا چنانچہ طارق بن زیاد کے غلام مغیث رومی نے قرطبہ جیسا عظیم شہر فتح کیا اسی طرح تدمیر کے قلع پر بھی قبضہ ہو گیا اس کے بعد طارق بن زیاد نے اندلس کے دارالخلافہ طلیطلہ کو بغیر کسی جنگ کے حاصل کر لیا اور اسی طرح مالقہ اور غرناطہ بھی اسلامی حکومت میں شامل ہو گیے۔

موسی بن نصیر کی جنگ میں شرکت

موسی بن نصیر طارق بن زیادہ کی فتوحات سے بہت خوش ہوا اور خود اندلس کی فتح میں شریک ہونے کا فیصلہ کر لیا تاکہ اندلس کی فتح میں دیر نہ ہو۔ وہ اندلس کے مغربی حصہ سے لشکر لے کر نمودار ہوا اور قرمونہ، اشبیلیہ شہر کو فتح کرتا ہوا آگے بڑھا اور تھوڑی ہی مدت میں اس پورے صوبہ کو اسلامی حکومت کا حصہ بنا دیا۔ موسیٰ نے بطیلموس کے شہر ماردہ کو 713ء میں سخت محاصرہ کے بعد فتح کر لیا تھا۔

ان فتوحات کے بعد موسی بن نصیر اور طارق بن زیاد نے ملکر شمال مشرقی اندلس کے بچے ہوئے شہروں کی طرف پیش قدمی کی اور طارق بن زیاد نے سرقوسہ، برسلونہ، حصن ایبون، لوڈون فتح کیے۔ وہیں دوسری طرف موسی بن نصیر نے اربونہ اور دیگر مشرقی علاقہ کو فتح کر کے اسلامی سلطنت میں شامل کر لیا۔ نیز طارق بن زیاد نے آگے چل کر اپنی فتوحات کا رخ جنوب کی طرف کیا اور دریائے ابرو کے کئی ساحلی شہروں کو فتح کیا جن میں بلنسیہ اور طرطوسہ خاص طور سے ذکر کیے جاتے ہیں۔ دونوں حضرات (موسی بن نصیر اور طارق بن زیاد) شمال کی ریاست ارگون، لیون اور جلیقہ کو ناموافق موسم کی بنا پر فتح نہ کر سکے، بعد میں یہی ریاستیں اسلامی سلطنت کے لیے مصیبت بنیں۔ موسی بن نصیر اندلس کے پورے علاقہ کو مکمل فتح کر لینا چاہتے تھے لیکن خلیفہ ولید نے انہیں 714ء میں اندلس سے واپس بلا لیا اور اس طرح فتوحات کا سلسلہ موقوف ہو گیا۔

6.7 سلیمان بن عبدالملک

سلیمان بن عبدالملک کا زمانہ خلافت 715ء، 717ء کے درمیان رہا ہے، سلیمان نے اپنے پیش روؤں کی طرح ہر محاذ پر کام کیا جس کا خلاصہ پیش ہے:

شمالی محاذ

سلیمان بن عبدالملک نے 715ء میں یزید بن مہلب ازدی کو خراسان کا گورنر مقرر کیا۔ خراسان اور طبرستان وغیرہ سیدنا عثمان غنیؓ کے زمانہ خلافت میں اسلامی سلطنت کا حصہ بن چکے تھے لیکن ان کے حکمرانوں کی طرف سے بغاوت اور نافرمانی ہوتی رہتی تھی اور وہ اسلامی حکومت کو دیے جانے والا خراج روک لیتے تھے تو یزید بن مہلب ازدی نے ایک لاکھ فوج کے ساتھ جرجان پر فوج کشی کی اور قہستان کو زیر کر کے امن وامان قائم کیا۔

فتح طبرستان

قہستان اور جرجان جیسے علاقوں کو سیدھا کرنے کے بعد سپہ سالار یزید بن مہلب نے طبرستان کا رخ کیا، طبرستان کے حاکم نے صلح کی پیش کش کی لیکن یزید ازدی نے قبول نہ کیا، دونوں فریق میں جنگ ہوئی جس میں فتح اسلامی لشکر کو ملی مگر ان کا نقصان بھی بہت ہوا۔ اس جنگ سے اہل طبرستان کی ہمت بلند ہو گئی اور بغاوت کر کے چار ہزار افراد نے اسلامی لشکر کو قتل کر دیا۔ کچھ دنوں بعد امیر لشکر یزید ازدی نے زوردار حملہ کیا اور طبرستان میں موجود بغاوت کو ختم کر کے جہم بن قیس کو امیر طبرستان بنایا۔

شمالی محاذ

قسطنطنیہ کی فتح امت مسلمہ کا ایک دیرینہ خواب رہا، ہر مسلم بادشاہ نے اس کو فتح کرنے کی کوشش کی۔ چنانچہ خلیفہ سلیمان بن عبدالملک کو خراسان واطراف کے خطوں کی فتوحات کی خبر ملی تو اس کے دل میں قسطنطنیہ کو بھی فتح کرنے کا ارادہ کیا اور مسلمہ بن عبدالملک کو اس اہم کام کی ذمہ داری سونپی اور خود بھی اپنی فوج کے ساتھ قسطنطنیہ سے قریب شہر وابق میں مقیم رہا تاکہ بوقت ضرورت وہ مسلمہ کی مدد کر

سکے۔ چونکہ مقام عموریہ کے بازنطینی شہزادہ لیون سوم نے مسلمہ بن عبدالملک سے قسطنطنیہ کی فتح میں مدد کا معاہدہ کیا تھا لیکن حالات بدل گیے اور بازنطینی امراء نے شہزادہ لیون سوم کو ہی بازنطینی سلطنت کا نیا بادشاہ بنادیا اور اس طرح اسلامی مملکت کے ساتھ کیا گیا معاہدہ ٹوٹ گیا۔

اس محاذ میں بحری اور بری دونوں افواج شامل تھیں، اس فوج نے قسطنطنیہ پہنچ کر شہر کا محاصرہ کر لیا اور یہ محاصرہ ایک سال تک جاری رہا، دوران محاصرہ اہل قسطنطنیہ نے صلح کا ارادہ کیا جو اسلامی سپہ سالار نے قبول نہ کیا کیونکہ وہ قسطنطنیہ کو مکمل فتح کر لینا چاہتے تھے، مگر ٹھنڈ کا موسم شروع ہو گیا تھا۔ سردی اور دوسرے کئی مسائل کی وجہ سے اسلامی لشکر کو بڑا نقصان پہنچا اور انہیں یہ محاصرہ مسترد کرنا پڑا۔

ہندی محاذ

ولید بن عبدالملک کے زمانہ میں فتوحات سندو ہند کا آغاز محمد بن قاسم ثقفی کے ہاتھوں عمل میں آچکا تھا۔ سلیمان بن عبدالملک کے زمانہ میں بھی فتوحات کا سلسلہ جاری رہا، لیکن چند مہینوں کے بعد محمد بن قاسم کو سندھ کی ولایت سے معزول کر کے عراق واپس بلا لیا گیا جس وجہ سے ہندوستان کی سرزمین پر فتوحات کا کارواں تھم گیا اور اس کے بعد اس خطہ میں کوئی قابل قدر ترقی نہ ہوئی۔

6.8 عمر بن عبدالعزیز

عمر بن عبدالعزیز 717ھ میں خلیفہ بنائے گیے، ناز و نعم میں تربیت ہوئی لیکن خلافت کی ذمہ داری سنبھالنے کے بعد زندگی یکسر بدل گئی۔ آپ اموی دور کے نظام حکومت میں مکمل انقلاب چاہتے تھے، اموی حکومت ذاتی سلطنت بن گئی تھی، عوام کی آزادی ختم ہو گئی تھی، بیت المال ذاتی ملکیت کا حصہ شمار کیا جاتا تھا۔ غرض ہر برائی اس حکومت میں سرایت کر گئی تھی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے ہر محاذ پر اصلاح کی کوشش کی۔ آپ نے فتوحات کی پالیسی اختیار نہ کی اس وجہ سے ان کے عہد میں زیادہ فتوحات کا ذکر نہیں ملتا، اسپین اور سندھ کے کچھ علاقوں میں معمولی فتوحات ہوئیں جو اس میں پہلے سے جاری مہم جوئی کی وجہ سے ہوا اندلسی محاذ پر عبدالرحمن غافقی نے کچھ حصہ فتح کیا تھا۔

6.9 یزید دوم عبدالملک

یزید دوم بن عبدالملک کے دور میں کچھ زیادہ فتوحات کا تذکرہ نہیں ملتا ہے۔ اہم کامیابی یہ رہی کہ اسلامی مملکت نے بازنطینی ریاست رومی حکومت کے خلاف مہم جوئی جاری رکھا اور اسلامی سپہ سالار عباس بن ولید اموی نے دلسہ کے مقام پر واقع قلعہ کو 723ء/103ھ میں فتح کر کے اسلامی حکومت میں شامل کیا اور دوسرے سالار مروان بن محمد نے قونیہ جیسے مشہور شہر پر حملہ کر کے اس کو اسلامی ریاست کا حصہ 724ء/105ھ میں بنایا۔

6.10 فتوحات ہشام بن عبدالملک

ہشام بن عبدالملک کا دور خلافت عہد اموی میں کافی طویل ہے جو 724ء سے 743ء تک 20 سال پر احاطہ کیے ہوئے ہے۔ ہشامی دور میں بھی سابق خلفاء کی طرح ایک وقت میں کئی محاذ پر فوجی مہم جاری رہی جن کی مختصر تفصیل ذیل میں پیش ہے۔

6.10.1 وسط ایشیا کا محاذ

ہشامی عہد میں خراسان اور وسط ایشیا میں بغاوتوں کا دور دورہ تھا۔ ایک طرف خراسان میں شورش بپا تھی تو دوسری طرف آرمینیا و خزر کے ممالک تھے۔ خراسان کی شورش کے پیچھے خوارج ذمہ دار تھے۔ ہشام نے اس فتنہ کو ختم کرنے کے لیے متعدد سالار بھیجے جن میں اشرش بن عبداللہ (727ء) جنید بن عبدالرحمٰن (729ء) عاصم بن عبداللہ ہلالی (734ء) اور نصر بن سیار بہت نمایاں ہیں۔

اسد قسری اور اشرش بن عبداللہ خراسان کے یکے بعد دیگرے سالار بنے لیکن ان کی کوششوں سے بھی باغیوں کی شورش ختم نہ ہوئی۔ لیکن جنید بن عبدالرحمان نے متعدد معرکے لڑے اور باغیوں کو سپر ڈالنے پر مجبور کر دیا نیز اس نے سمرقند و ترکی کی سرحد پر خاقان کے حملہ کو نہ صرف روکا بلکہ اس کی حفاظت کے انتظام بھی کیے۔ اس کامیابی کے بعد جنید نے بخارا جیسے عظیم شہر کو بھی ترکی فوج سے محفوظ کرایا اس کے علاوہ اسد قسری نے ترکستان کے بعض قلعوں و فرغانہ پر حملہ کر کے اس پر مکمل قابو پالیا۔ اس طرح ہشامی عہد میں وسط ایشیائی محاذ مکمل ہوا۔

6.10.2 سندھی، ہندی محاذ

ہشام نے 725ء میں جنید بن عبدالرحمن مرسی کو سندھ کا گورنر بنایا اس نے اس علاقہ میں راجہ جے سنگھ کی بغاوت کے خلاف کاروائی کی اور کرج کے قلعہ میں اٹھنے والی بغاوت کا قلع قمع کرتے ہوئے کئی گجراتی علاقوں پر بھی قبضہ کر لیا۔ لیکن ہشام بن عبدالملک کے آخری زمانہ میں اس محاذ پر یکے بعد دیگرے شورش اٹھتی رہیں جس کے نتیجہ میں اس خطہ پر مکمل عبور حاصل نہ ہو سکا۔

6.10.3 آرمینیا و خزر کا محاذ

آرمینیا کے علاقہ میں ترک، خزر قبیلے آباد تھے اور انہوں نے اسلامی سلطنت کے خلاف بغاوت کا بازار گرم کر رکھا تھا۔ اسلامی سلطنت نے اس علاقے میں جراح بن عبداللہ حکمی کو مقرر کیا، انہوں نے 729ء کے ابتدا میں فتح پائی لیکن دوسرے مرحلہ میں باغیوں سے لڑتے ہوئے شہید ہو گیے اور پھر خزر قبیلہ نے پورے کردستان میں فتنہ پھیلا دیا اور اس کو ختم کرنے کے لیے خلیفہ نے سعید حرشی کو مقرر کیا انہوں نے اس علاقے میں موجود خلاظ کا قلعہ فتح کیا اور ابرذعہ کے ترکی فوج کو محاصرہ اٹھانے پر مجبور کیا نیز اسلامی لشکر نے ترمذ پر فتح حاصل کی اور مسلمہ بن عبدالملک کو اس خطہ کا گورنر بنایا گیا تو اس نے کوہ بلنجر کے علاقوں میں کامیابی حاصل کی اس کے بعد جب مروان بن محمد آرمینیا کا گورنر بنا تو اس نے خزر کو شکست دی تب جا کر امن وامان قائم ہوا لیکن امن و جنگ کا چولی دامن کا ساتھ رہا۔

6.10.4 ایشیائے کوچک: رومی محاذ

ایشیائے کوچک ہمیشہ مسلمانوں کی فوج کشی کی آماج گاہ بنا رہا اور مسلمان مسلسل رومیوں کے خلاف نبرد آزما رہے اس محاذ پر مسلمانوں کو زیادہ کامیابی ملی اس کی وجہ رومیوں کا آپسی خلفشار رہا، اس علاقے میں ضرورت کے مطابق کئی سالار متعین کیے گیے، چنانچہ مروان بن محمد اموی نے رومی سلطنت کے اہم علاقے قونیہ اور کنج کو 723ء میں فتح کیا اور قلعہ قیساریہ مسلمہ بن عبدالملک کے ہاتھوں 726ء میں فتح ہوا اور

ہشام بن عبدالملک کے صاحبزادے معاویہ نے طیبہ، صملہ اور خرشتہ قلعہ فتح کیااور مسلمہ بن ہشام نے 738ء میں مطمورہ قلعہ فتح کیا۔

6.10.5 افریقہ کا محاذ

ہشام بن عبدالملک کے زمانہ خلافت میں اسلامی فوج کو متعدد محاذپر شکست کا سامنا کرناپڑا جن میں افریقی واندلسی محاذ شامل ہے۔ یہاں گورنروں کی کمزور حکومتی پالیسی اور فوج میں ضعف کی وجہ سے خوارج کو اپنی طاقت بڑھانے کا موقع مل گیااور انہوں نے افریقہ کے شمالی ساحل پر طنجہ سے قیروان کے خطہ تک 734ء میں بغاوت کرکے مسائل پیدا کردیے۔ مسلمان فوج کو 735ء میں بربر باغیوں کے خلاف قیروان کے قریب صرف ایک جنگ میں فتح ملی بقیہ اندرونی انتشار و خلفشار ہی پھیلتا رہا۔ لیکن اس ضمن میں بحر روم کے علاقہ سسلی پر فوجی حملہ کیا گیا جس میں مسلمانوں کو کامیابی ملی اور وافر مقدار میں مال غنیمت حاصل ہوا نیز 735ء میں سارڈینہ پر بھی حملہ کیا گیا۔ 739-40ء کے درمیان سسلی پر اسلامی فوج نے دوسرا حملہ کیا جس کے بعد سسلی خراج دینے پر مجبور ہوا لیکن افریقہ میں ابتر صورت حال کی وجہ سے مسلمانوں کو سسلی میں اپنی مہمات کو آگے بڑھانے کے منصوبہ کو ترک کرناپڑا۔

6.10.6 اندلس کا محاذ

سیاسی طور پر اندلس شمالی افریقہ کا ایک حصہ تھا شمالی افریقہ کی خراب صورتحال کا اثر اندلس پر پڑتا رہااور یہاں بربر قبیلہ کے لوگوں نے تصادم کی راہ اختیار کرلی تھی جس کے انسداد کے لیے متعدد والی مختلف مواقع پر مقرر کیے گیے۔

ہشام بن عبدالملک کے زمانہ میں پہلے والی عنبسہ بن سحیم کا تقرر ہوا، عنبسہ نے اس علاقے میں امن واستحکام کی طرف پوری توجہ مذکور کی اور فرانس کے علاقے میں جاکر کوہ پائسرینز تک ایک مستحکم اور مضبوط نظام قائم کیا نیز کچھ علاقہ بھی فتح کیے، ان کی شہادت کے بعد عبدالرحمن بن عبداللہ غافقی نے بربر سردار عثمان بن ابی نعہ کی بغاوت کو فرو کیااور جنوبی فرانس پر حملہ کرکے دریائے گاران سے پورڈیو کی بندرگاہ تک فتوحات حاصل کیں اس دوران بورڈیو کے حکمران نے فرانس کے اپنے سیاسی حریف سے مسلمانوں کے خلاف مدد لے کر مسلمان فوج پر حملہ کیااور چالرس مارٹل کی اس فوج سے لڑائی میں غافقی شہید ہوئے۔ ان کے بعد عبدالملک بن قطن فہری نے والی اندلس کی حیثیت سے شمالی اندلس میں یکشکنس کے علاقے پر حملہ کرکے کامیابی حاصل کی لیکن اپنی اگلی مہم کا خراب موسم کی وجہ سے آغاز نہ کرسکے۔ چنانچہ عبدالملک بن قطن فہری کے بعد عقبہ بن حجاج کو 734ء میں گورنر اندلس بنایا گیا۔ انہوں نے بھی فرانس کے کئی علاقے فتح کیے جن میں دریائے رہون کے ساحلی علاقے خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

6.11 فرہنگ

- دریائے رہون (River Rhône): یورپ کا اہم دریا ہے۔ بنوامیہ کے دور میں یورپ کی فتوحات کے تناظر میں اس دریا کے علاقوں تک مسلمان افواج کی پیش قدمی کا ذکر ملتا ہے۔
- یکشکنس/"وخش/آمودریا کا علاقہ "تاریخی متون میں یہ لفظ عموماً ماوراءالنہر کے علاقے کے لیے بولا جاتا ہے۔ یہ وہ خطہ ہے جو بڑے دریا

آمودریا(قدیم نام: جیحون/Oxus) کے پار واقع ہے،اسی لیے اسے ماوراءالنہر(Transoxiana) کہا جاتا ہے۔ یہ علاقہ قتیبہ بن مسلم نے فتح کیا تھا۔

- پائرینیز: پہاڑی سلسلہ ایک عظیم پہاڑی سلسلہ ہے جو اسپین اور فرانس کے درمیان قدرتی سرحد قائم کرتا ہے۔ پائرینیز کو عبور کرنا عسکری لحاظ سے ایک بڑی کامیابی سمجھا جاتا تھا۔ بنوامیہ کے دور میں یورپ میں اسلامی فتوحات کے تناظر میں ایک اہم جغرافیائی رکاوٹ اور گزرگاہ تھا۔
- کردستان ایک تاریخی و جغرافیائی خطہ ہے جو مشرقِ وسطیٰ میں واقع ہے اور آج کے ترکی، ایران، عراق اور شام کے حصوں پر مشتمل ہے۔
- ایشیائے کوچک جسے اناتولیہ (Anatolia) بھی کہا جاتا ہے، موجودہ ترکی کا بڑا حصہ ہے۔ یہ خطہ ایشیا اور یورپ کے درمیان ایک اہم پل کی حیثیت رکھتا ہے۔

6.12 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے درج ذیل نکات سیکھے:

- امیر معاویہ نے اپنے بیٹے یزید کو قسطنطنیہ کو فتح کرنے کے لیے روانہ کیا۔ لشکر 668ء میں روانہ ہوا۔ ان میں صحابہ کرام بھی تھے ان میں حضرت ابوایوب انصاریؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور حضرت حسین بن علیؓ وغیرہم شامل ہیں۔ لیکن یہ علاقہ فتح کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔
- یزید کے دور میں عقبہ بن نافع نے افریقہ کے تمام علاقوں سے بغاوتوں کو فرو کر کے اسے مکمل طور پر اسلامی ریاست کے ماتحت کر دیا۔
- ولید بن عبدالملک کا زمانہ فتوحات کا زمانہ کہا جاتا ہے اس کے دور کی فتوحات میں اس کے سپہ سالاروں کا بھی بہت اہم رول ہے جنہوں نے سندھ سے لیکر بحر اوقیانوس اور کاشغر سے لیکر فرانس تک اسلامی ریاست کی سرحدیں وسیع کر دیں۔
- اموی دور کی فتوحات میں عقبہ بن نافع، موسیٰ بن نصیر، طارق بن زیاد، قتیبہ بن مسلم اور محمد بن قاسم جیسے اہم سپہ سالاروں نے نمایاں کارنامے انجام دیے۔

6.13 نمونہ امتحانی سوالات

6.13.1 معروضی جوابات کے متقاضی سوالات

1. حضرت معاویہؓ کے زمانہ میں والی افریقہ کون تھے؟

(a). عقبہ بن نافع (b). موسیٰ بن نصیر (c). طارق بن زیاد (d). حجاج بن یوسف

2. اسلام کا پہلا بحری بیڑہ کس کے عہد میں تشکیل پایا؟

(a). محمد بن قاسم (b). عثمان غنیؓ (c). مسلمہ بن عبدالملک (d). امیر معاویہ

3. سندھ کی فتح کس سپہ سالار کے ہاتھ پر ہوئی۔

(a). محمد بن قاسم (b). طارق بن زیاد (c). موسی بن نصیر (d) عقبہ بن نافع

4. امیر معاویہ نے قسطنطنیہ فتح کرنے کے لئے کس کو سپہ سالار منتخب کیا۔

(a). امیر معاویہؓ (b). سلیمان بن عبدالملک (c) یزید بن معاویہ (d). ولید بن عبدالملک

5. سندھ کس سن عیسوی میں فتح ہوا؟

711.(a) 710.(b) 811.(c) 810.(d)

6. اندلس میں سب سے پہلا حملہ کس نے کیا؟

(a). موسیٰ بن نصیر (b). طریف بن مالک (c). عقبہ بن نافع (d). حارث بن کلادہ

7. ہشام کے عہد میں قلعہ قیساریہ کس نے فتح کیا؟

(a). مسلمہ بن عبدالملک (b) یزید بن عبدالملک (c). حجاج بن یوسف (d). سلیمان بن عبدالملک

8. فاتح شمالی افریقہ کسے کہا جاتا ہے ؟

(a) . مسلمہ بن عبدالملک (b) عقبہ بن نافع (c). طارق بن زیاد (d) . یزید بن مسلم

9. کس اموی خلیفہ کے عہد میں قسطنطنیہ پر پہلا حملہ کیا گیا؟

(a). یزید بن معاویہؓ (b). ولید بن عبدالملک (c). مروان بن حکم (d). امیر معاویہ بن ابی سفیانؓ

10. قتیبہ بن مسلم باہلی کس علاقہ کا سپہ سالار تھا؟

(a). مشرقی فتوحات (b). مغربی فتوحات (c). اندلس (d). سندھ

6.13.2 مختصر جوابات کے متقاضی سوالات

1. یزید بن معاویہ کے دور کی فتوحات کا جائزہ لیجیے۔
2. عبدالملک بن مروان کی فتوحات پر روشنی ڈالیے۔
3. امیر معاویہؓ کے دور میں فتح سندھ و ہندوستان پر فوج کشی کا خاکہ پیش کیجیے۔
4. سلیمان بن عبدالملک کی فتوحات کا جائزہ لیجیے۔
5. فتح اندلس میں موسیٰ بن نصیر کی خدمات کو بیان کیجیے۔

6.13.3 طویل جوابات کے متقاضی سوالات

1. ولید بن عبدالملک کے زمانہ کی مجموعی فتوحات کا جائزہ لیجیے۔
2. ہشام بن عبدالملک کے دور میں مختلف محاذوں پر فتوحات ہوئی واضح کیجیے۔
3. اموی عہد میں یورپ میں ہوئی فتوحات پر روشنی ڈالیے۔

6.14 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1. تاریخ اسلام : اکبر شاہ نجیب آبادی
2. تاریخ اسلام : شاہ معین الدین احمد ندوی، مکتبہ اسلامیہ
3. ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ : ثروت صولت
4. تاریخ ملت، زین العابدین : زین العابدین سجاد میرٹھی، انتظام اللہ شہاب

معروضی سولات کے جوابات

1. A	2. B	3. A	4. C	5. A
6. B	7. A	8. B	9. D	10. A

اکائی 7: اموی حکومت کا زوال

اکائی کے اجزا:

7.0 تمہید

7.1 مقاصد

7.2 بنوامیہ کی خلافت کے زوال کے اسباب

7.2.1 غیر معمولی وسیع حکومت

7.2.2 حضرت امام حسینؓ کی شہادت

7.2.3 شیعہ/عباسی تحریک

7.2.4 خوارج

7.2.5 یمنی اور مضری کا جھگڑا

7.2.6 توابین کا خروج

7.2.7 مختار ثقفی کا خروج

7.3 دیگر اسباب

7.4 جنگ زاب

7.5 فرہنگ

7.6 اکتسابی نتائج

7.7 نمونہ امتحانی سوالات

7.7.1 معروضی جوابات کے متقاضی سوالات

7.7.2 مختصر جوابات کے متقاضی سوالات

7.7.3 طویل جوابات کے متقاضی سوالات

7.8 تجویز کردہ اکتسابی مواد

7.0 تمہید

بنوامیہ کی خلافت تقریباً 90 سال قائم رہی۔ اس خلافت میں کل دو خاندانوں نے حکومت کی۔ اس خلافت کے پہلے دور کا حکمراں خاندان سفیانی خاندان کہلاتا ہے اور دوسرے دور کا حکمراں مروانی خاندان کہلاتا ہے۔ امیر معاویہؓ، یزید اور پھر معاویہ بن یزید سفیانی دور کے حکمران ہیں اور باقی تمام خلفاء مروان بن الحکم کی اولاد میں سے ہیں۔

بنوامیہ کی خلافت ایک عظیم ترین خلافت تھی۔ بنوامیہ کی خلافت سے بڑی خلافت کبھی قائم نہیں ہوئی۔ یہ خلافت اگر تاریخ انسانی کی سب سے بڑی حکومت نہیں بھی ہے تو کم از کم سب سے بڑی حکومتوں میں شامل ضرور ہے۔ اس کا رقبہ ایک کروڑ مربع کلومیٹر سے بھی زیادہ تھا۔ بنوامیہ کے دور میں چین اور ہندوستان سے لے کر فرانس کی سرحدوں تک ایک ہی حکمراں کی حکومت تھی۔ وقت کے ساتھ یہ عظیم الشان حکومت بھی ختم ہو گئی۔ اس قدر عظیم حکومت کا ختم ہو جانا خود ایک اہم موضوع ہے اور اس پر ہمیشہ بحث و تحقیق ہوتی رہی ہے۔ حتی کہ آج بھی جاری ہے۔ اس یونٹ میں ان اسباب کو سمجھنے کی کوشش کی جائے گی جن کی وجہ سے بنوامیہ کی خلافت ختم ہو گئی۔

7.1 مقاصد

اس اکائی کا مقصد ہے کہ آپ:

- خلافت بنوامیہ کی عظیم حکومت کے زوال کے اسباب کی فہرست مرتب کر سکیں۔
- خلافت بنوامیہ کے زوال کے داخلی اسباب کا خلاصہ کر سکیں۔
- زوال حکومت کے خارجی اسباب کا احاطہ کر سکیں۔
- خلافت بنوامیہ کی غیر معمولی وسعت کس طرح اس کے انتشار کا سبب بنی اس پر بحث کر سکیں۔

7.2 بنوامیہ کی خلافت کے زوال کے اسباب

بنوامیہ کی خلافت کا زوال اسلامی تاریخ کے اہم موضوعات میں سے ہے۔ مورخین اور تذکرہ نگاروں نے ہمیشہ اس موضوع پر بحث و تحقیق کی ہے اور ان اسباب و وجوہات کو جاننے کی کوشش کی ہے جن کی وجہ سے بنوامیہ کی خلافت کا زوال ہوا۔ بنیادی اسباب تو سب کے نزدیک ایک جیسے ہی ہیں البتہ مختلف لوگوں کا اسلوب نگارش اور انداز تحقیق الگ ہے۔ سب نے اپنے اپنے انداز میں ان اسباب و وجوہات کا مطالعہ کیا ہے جن کی وجہ سے بنوامیہ کی حکومت ختم ہوئی تھی۔

مورخین عام طور پر ہشام بن عبدالملک کے بعد کے زمانے کو زوال کی وجہ مانتے ہیں۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ہشام کے بعد بنو

امیہ میں کوئی قابل ذکر خلیفہ نہیں ہوا۔ بعض مؤرخین کے نزدیک بنوامیہ کی خلافت کا زوال ہشام بن عبدالملک سے نہیں بلکہ میدان کربلا سے شروع ہوتا ہے۔ کچھ لوگ یہ مانتے ہیں کہ بنوامیہ کے زوال کا اصل سبب اس کے اول دن سے ہی اس کے ساتھ لگا ہوا تھا۔ چوں کہ یہ حکومت خلافت راشدہ جیسی بے مثال حکومت کو ختم کر کے قائم ہوئی تھی اس لیے اس کے قیام کے وقت سے ہی لوگ ان کے خلاف ہو گئے تھے۔ یہی مخالفت بتدریج اس کے زوال کا سبب بنی۔

مورخین نے اجمالی تاثرات کے ساتھ ساتھ ان اسباب کی انفرادی طور بھی پر فہرست بنائی ہے جن کی وجہ سے بنوامیہ کی خلافت کا زوال ہوا۔ چلیے خلافت کے زوال کے ان اسباب کا جائزہ لینے کی کوشش کرتے ہیں جن پر اکثر مفکرین اور مورخین کا اتفاق ہے۔

7.2.1 غیر معمولی وسیع حکومت

بنوامیہ کی حکومت اتنی وسیع و عریض تھی کہ شاید تاریخ انسانی میں اس سے قبل اتنی وسیع اور اتنی عظیم حکومت کبھی قائم ہوئی ہو گی۔ یہ حکومت تین براعظموں پر پھیلی ہوئی تھی۔ ہندوستان میں پنجاب کی سرحدوں سے اور چین کی سرحد سے لے کر جنوبی فرانس تک ایک ہی خلیفہ کی حکومت تھی۔ ایک حاکم کا سکہ چلتا تھا اور ایک حاکم کے امیر پورا نظام حکومت سنبھالتے تھے۔ اتنی وسیع و عریض حکومت کو سنبھالنا آسان نہیں تھا۔ بنوامیہ کی حکومت کے تحت مختلف زبانوں، مذہبوں، قوموں اور نسلوں کے لوگ تھی۔ متعدد قدیم تہذیبیں اور قومیں اس خطے میں شامل تھیں۔ اس دور میں بہت سی ایسی قومیں ایک ہی حکومت کے ماتحت ہو گئیں تھی جن کی دوستی اور دشمنی کی اپنی طویل تاریخ تھی۔ اس لیے اس وسیع حکومت کو ایک جھنڈے کے تلے جمع رکھنا اور ایک ہی نظام میں باندھے رکھنا بہت مشکل تھا۔ اس لیے یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس کی وسعت بھی اس کے خاتمے کا سبب بنی۔

بنوامیہ کی خلافت 90 سال تک قائم رہی، اس کا 90 سال تک قائم رہنا بھی بظاہر مشکل ہی تھا۔ لیکن اس طویل عرصہ تک قائم رہنا اس بات کا ثبوت ہے کہ بنوامیہ کا داخلی انتظام بہت مضبوط تھا۔ ورنہ اتنی بڑی حکومت اتنے عرصے تک قائم نہیں رہ سکتی تھی۔ حکومتوں میں شکست وریخت کا نظام اصول فطرت ہے، اس سے مفر نہیں ہے اسی لیے یہ وسیع و عریض حکومت بھی ایک دن اپنے اختتام کو پہنچی اور متعدد ٹکڑوں میں تقسیم ہو گئی۔

7.2.2 حضرت امام حسینؓ کی شہادت

بنوامیہ کی حکومت کو سب سے زیادہ نقصان جس واقعے سے پہنچا وہ سیدنا امام حسینؓ کی مظلومانہ شہادت ہے۔ حضرت معاویہؓ نے اپنی زندگی میں ہی اپنے بیٹے یزید کو اپنا جانشین مقرر کر دیا تھا۔ اسلامی تاریخ میں یہ نئی بات تھی۔ خلافت راشدہ میں کبھی بھی باپ کے بعد بیٹے کو خلیفہ نہیں مقرر کیا گیا۔ اس لیے عام مسلمان اس کے خلاف تھے اور اس انتظار میں تھے کہ اگر ان کو کوئی مضبوط قیادت مل جائے تو وہ اس نظام کے خلاف بغاوت کر دیں۔

حضرت امام حسینؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ دو ایسی شخصیات تھیں کہ مسلمانوں کو ان سے جذباتی لگاؤ بھی تھا اور دونوں ہستیاں

یزید کے خلاف بھی تھیں۔ حضرت معاویہؓ کے ہاتھ پر دونوں حضرات نے بیعت کر لی تھی لیکن حضرت معاویہؓ کی وفات کے بعد جب یزید نے زمام حکومت سنبھالی تو انہوں نے یزید کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی۔ مکہ مکرمہ کے حاکم عمرو بن سعید نے ان دونوں سے بیعت کا مطالبہ کیا تھا لیکن انہوں نے پھر بھی بیعت نہیں کی تھی اور عمرو بن سعید نے بھی مزید اصرار نہیں کیا تھا۔

اہل کوفہ شروع سے ہی بنو امیہ کے خلاف تھے اور امام حسینؓ تو ان کے لیے شہزادے کی طرح تھے۔ چوں کہ حضرت علیؓ کا دارالخلافہ کوفہ ہی تھا اس لیے کوفہ کے لوگوں نے حضرت امام حسینؓ سے رابطہ کیا اور ان کو یقین دلایا کہ وہ دل و جان سے حضرت حسینؓ کے ساتھ ہیں۔ حضرت امام حسینؓ نے حالات کا جائزہ لینے کے لیے اپنے چچازاد بھائی مسلم بن عقیل کو کوفہ بھیجا۔ وہاں اندازہ ہوا کہ کوفہ کے حالات واقعی امام حسینؓ کے لیے سازگار ہیں اور لوگ امام حسینؓ کی بیعت کے لیے ہر طرح تیار ہیں۔ مسلم بن عقیل نے یہ باتیں لکھ کر حضرت حسینؓ کو بھیج دیں۔ مسلم بن عقیل کا خط ملنے کے بعد حضرت حسینؓ مکہ مکرمہ سے کوفہ کے لیے روانہ ہو گئے۔ چوں کہ وفاداری کے سلسلے میں اہل کوفہ کی شہرت اچھی نہیں تھی اس لیے حضرت امام حسینؓ کے بعض ہمدردوں کو ان کی وفاداری پر شک تھا اور انہوں نے امام حسینؓ کو کوفہ جانے سے منع کیا اور مکہ مکرمہ میں رکنے کی درخواست کی تھی۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ حتیٰ کہ امام حسینؓ کے چھوٹے بھائی محمد بن حنفیہ نے بھی ان کو کوفہ جانے سے روکا تھا لیکن امام حسینؓ ارادہ کر چکے تھے اس لیے سب کی مخالفت کے باوجود مکہ سے نکل کر کوفہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ کوفہ میں وہی ہوا جس کا لوگ خطرہ محسوس کر رہے تھے۔ یعنی یزید کے حاکم ابن زیاد نے لوگوں کو ڈرا دھمکا کر اور لالچ دے کر اپنی حمایت میں کر لیا اور حضرت مسلم بن عقیل کو پہلے قید کر لیا پھر شہید کر دیا۔

امام حسینؓ کو اہل کوفہ کی بدعہدی اور حضرت مسلم بن عقیل کی شہادت کی خبر ذرا تاخیر سے ملی۔ اس وقت حضرت امام حسینؓ مکہ سے کافی دور آ چکے تھے۔ تاہم پھر بھی انہوں نے واپسی کا ارادہ کیا لیکن مسلم بن عقیل کے عزیزوں نے مخالفت کی اور عہد کیا کہ مسلم بن عقیل کی مظلومانہ شہادت کا بدلہ لے کر رہیں گے۔ اس لیے ان کے اصرار پر سفر جاری رکھا۔ ادھر ابن زیاد کو بھی حضرت امام حسینؓ کی روانگی کی خبر مل چکی تھی اس نے امام حسینؓ کا راستہ روکنے کے لیے ایک لشکر روانہ کیا جس نے امام حسینؓ کا راستہ روک لیا اور ایک طرح سے امام حسینؓ کے قافلے کو محاصرے میں لے کر سفر جاری رکھنے پر مجبور کیا۔ اب دشمنوں نے واپسی کا راستہ ہی بند کر دیا۔ امام حسینؓ کربلا کے میدان میں پڑاؤ ڈال دیا۔ جلد ہی عمرو بن سعد مزید لشکر کے ساتھ پہنچ گیا اور امام حسینؓ کے لیے کہیں بھی جانے کے سارے راستے بند ہو گئے۔

کوفی لشکر نے امام حسینؓ کو مشورہ دیا کہ ابن زیاد سے گفت و شنید کر کے اپنے لیے مشورہ لیں۔ اس طویل داستان کا خلاصہ یہ ہے کہ امام حسینؓ نے تین شرطیں رکھیں۔ یا تو انھیں مکہ واپس جانے دیا جائے۔ یا کسی سرحدی مقام کی طرف نکل جانے دیا جائے یا پھر دمشق جانے دیا جائے وہاں وہ یزید سے خود بات کر لیں گے۔ لیکن کوفی لشکر ان میں سے کسی بھی شرط کو ماننے کے لیے تیار نہیں ہوا۔ ان کا اصرار تھا کہ کوفہ چل کر ابن زیاد سے بات کریں۔ اس کے لیے امام حسینؓ تیار نہیں ہوئے۔ آخر حالات ایسے ہو گئے کہ اب جنگ کے بغیر کوئی چارہ نہیں رہا تو حضرت امام حسینؓ نے بھی داد شجاعت دینے کی تیاری کر لی۔ 10 محروم الحرام 61ھ مطابق یکم اکتوبر 680ء میں جنگ ہوئی اور کربلا کا دردناک واقعہ

پیش آیا جس میں امام حسینؓ اپنے 72 ساتھیوں کے ساتھ شہید ہو گئے۔ حضرت امام حسینؓ کا خون ناحق اس طرح رنگ لایا کہ وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔ جیسے ہی امام حسینؓ کی شہادت کی خبر عام ہوئی، شہر شہر اور قریہ قریہ لوگ برہم ہو گئے اور بنو امیہ پر لعنت ملامت کرنے لگے اور جو پہلے بنو امیہ کے حامی تھے وہ بھی اس دردناک حادثہ کے بعد جذباتی طور پر بنو امیہ کے مخالف ہو گئے۔ حتیٰ کہ بنو امیہ کے بہت سے امرا بھی دل سے ان کے خلاف ہو گئے۔ جو آگے چل کر زوال حکومت کا اہم سبب بنے۔

7.2.3 شیعہ/عباسی تحریک

بنو امیہ کی حکومت کو ختم کرنے میں سب سے بڑا اور فیصلہ کن کردار عباسی تحریک کا ہے۔ عباسی تحریک دراصل انفرادی طور پر کوئی تحریک نہیں بلکہ یہ شیعہ تحریک کے ساتھ مل کر مکمل ہوتی ہے۔ جیسا کہ معلوم ہے امام حسینؓ کی شہادت کے بعد ان کے چھوٹے بھائی محمد بن حنفیہ نے بھی ان کی مظلومانہ شہادت کا بدلہ لینے کے لیے تحریک چلائی تھی، لیکن اس وقت حالات سازگار نہیں تھے اس لیے محمد بن حنفیہ لوگوں کو اس ظلم کا بدلہ لینے کے لیے تیار کرتے رہے۔ اس درمیان ان کی وفات ہو گئی۔ بعض لوگوں کی رائے یہ بھی ہے کہ محمد بن حنیفہ نے خود تحریک نہیں چلائی تھی بلکہ کچھ اور لوگوں نے ان کے نام پر تحریک چلائی تھی۔ بہر حال محمد بن حنیفہ کی وفات کے بعد ان کے بیٹے ابو ہاشم عبداللہ بن محمد بن حنفیہ اس تحریک کے قائد بنے۔ انہوں نے ایک عرصے تک اس تحریک کو چلایا۔ ابو ہاشم کی وفات حمیمہ میں ہشام بن عبدالملک کے عہد میں ہوئی۔ ابو ہاشم کے کوئی اولاد نہیں تھی یا ان کی وفات کے وقت ان کے پاس موجود نہیں تھی۔ البتہ ان کی وفات کے وقت ان کے پاس حضرت عبداللہ بن عباس کے پوتے محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس تھے، ابو ہاشم نے ان کو ہی اپنا جانشین بنا دیا۔ اس طرح امام حسینؓ کی شہادت کا بدلہ لینے کے لیے علوی تحریک عباسی تحریک سے بدل گئی۔

محمد بن علی کے زمانے تک لوگ بڑی تعداد میں بنو امیہ کے خلاف ہو چکے تھے اور اب بنو امیہ کی خلافت کی اصل بنیاد عوامی حمایت کے بجائے محض فوجی طاقت کے سہارے قائم تھی۔ محمد بن علی نے حالات کا فائدہ اٹھا کر لوگوں سے خفیہ بیعت لینی شروع کر دی۔ چونکہ ایک طبقہ حکومت کے جبر سے پریشان تھا اس لیے لوگ بکثرت ان کے ہاتھ پر بیعت کرنے لگے۔ انہوں نے اپنے اس بیعت کے نظام کو زیادہ وسیع کرنے کے لیے بہت سے نقیب بنائے اور ان کو مختلف علاقوں میں خفیہ طور پر اپنی بیعت کے لیے بھیجا۔ اب تک بیعت صرف حکومت کے لیے ہوتی تھی۔ محمد بن علی کی خفیہ بیعت دراصل حکومت کے خلاف بغاوت کے لیے تھی۔

محمد بن علی کی دعوت اگرچہ پوری مسلم دنیا کے متعدد حصوں میں پہنچ چکی تھی لیکن ایران اور خراسان کے علاقے میں یہ تحریک زیادہ تیزی سے پھیلی۔ اور ابو مسلم خراسانی جیسے زیرک شخصیت اس تحریک میں شامل ہوئی۔ انھوں نے اپنی بہادری، سمجھداری اور حسن انتظام سے اس تحریک کو اس مقام تک پہنچایا کہ بنو امیہ کی طاقت اس کے سامنے ختم ہو گئی۔ بنو امیہ کی حکومت کو بھی اس تحریک کی خبریں مل رہی تھیں۔ جب ان کو احساس ہوا کہ محمد بن علی خطرہ بن سکتے ہیں تو حکومت نے ان کو قید کر لیا۔ محمد بن علی کچھ دن قید میں رہے اور اسی قید میں ہی ان کا انتقال ہو گیا۔

محمد بن علی کی وفات کے بعد ان کے بیٹے ابراہیم نے اس تحریک کی قیادت سنبھالی۔ ابراہیم اپنے باپ کے اچھے جانشین ثابت ہوئے

اور اس کو منظم اور متحرک کرنے کی کوشش کی اور خاص طور پر اپنے نقیبوں کے ذریعے انہوں نے بڑی جمعیت کا بھروسہ جیت لیا۔ لیکن حکومت کی گہری نگاہ ان پر جمی ہوئی تھی اس لیے ان کے سامنے مشکلات زیادہ تھیں۔ حکومت ان کے خلاف کاروائی کرنا چاہتی تھی لیکن پختہ ثبوت کی عدم موجودگی کی بناپر کوئی کاروائی نہیں کر پارہی تھی۔ اسی عرصہ میں ابو مسلم خراسانی کے نام ابراہیم کا ایک خط پکڑا گیا۔ اس خط سے ان کی خفیہ سرگرمیوں کا اندازہ ہو گیا اس لیے اس کے بعد ابراہیم کو بھی قید کر دیا گیا۔ کچھ دن بعد ہی قید کے دوران ہی ان کی وفات ہو گئی۔ ابراہیم کے بعد ان کے چھوٹے بھائی عبداللہ جو ابوالعباس سفاح کے نام سے مشہور ہوئے، نے تحریک کی قیادت سنبھالی۔ بعد میں انھیں کی قیادت میں بنوامیہ کے خلاف بغاوت ہوئی اور تقریباً ایک سال کی سخت محنت اور لگاتار جنگوں کے بعد بنوامیہ کی فوج کو شکست ہوئی اور ان کا اقتدار ختم ہو گیا۔

چوں کہ شیعہ /عباسی تحریک نے ہی بنوامیہ کی خلافت کو ختم کرنے میں سب سے اہم کردار ادا کیا تھا اس لیے اس کا تذکرہ نسبتاً تفصیل سے کیا گیا ہے۔ جیسا کہ پہلے وضاحت بھی کی گئی ہے کہ بنوامیہ کی خلافت کا خاتمہ کرنے میں نہایت اہم اور اصل کردار اس تحریک کا ہے جو حضرت امام حسینؓ کی مظلومانہ شہادت کا بدلہ لینے کے لیے چلائی گئی تھی۔ اس تحریک کو شیعہ تحریک بھی کہہ سکتے ہیں اور عباسی بھی۔ کیوں کہ یہ دونوں آپس میں متحد تھے۔ عباسیوں کی حمایت اس تحریک کو حاصل تھی لیکن وہ اس کے قائد یا بانی نہیں تھے۔ یہ تاریخ کا مسئلہ ہے کہ وقت کے ساتھ اس تحریک کی قیادت اس تحریک کے بانیوں کے ہاتھ سے نکل کر عباسیوں کے ہاتھ میں آگئی اور جب انقلاب آیا اور بنوامیہ کی حکومت ختم ہوئی اس وقت اس تحریک کے قائد عباسی تھے اس لیے حکومت عباسیوں کو مل گئی اور ابوالعباس السفاح پہلے خلیفہ مقرر ہوئے۔ حکومت مل جانے کے بعد بہت سے لوگوں نے کہا کہ حکومت حضرت علیؓ کی اولاد کو دی جائے لیکن عباسی شروع میں تو وعدے کرتے رہے کہ ہم تو وزیر آل محمد ہیں ہم حکومت نہیں کریں گے۔ لیکن جب موقع ملا تو اپنے مخالفین کو قتل کروادیا اور اپنی حکومت کا اعلان کر دیا۔ اگرچہ عباسیوں کو بھی حکومت پر اپنی گرفت مضبوط کرنے میں بہت محنت کرنی پڑی تھی لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ اصل بانی تحریک یعنی اولاد سیدنا علی کرم اللہ وجہہ اس تحریک کے ثمرات سے اتنے مستفید نہ ہو سکے جتنے عباسی ہوئے۔

7.2.4 خوارج

خوارج کے بارے میں آپ جانتے ہیں کہ وہ اس جماعت کو کہا جاتا ہے جس نے حضرت علیؓ کی فوج سے نکل کر حضرت علیؓ سے بغاوت اور ان کے خلاف جنگ کی تھی۔ باغیوں کی اس جماعت کو نہروان کی جنگ میں حضرت علیؓ نے بری طرح ہرا دیا تھا۔ لیکن یہ جماعت بعد میں بھی زندہ رہی اور اس نے درپردہ اپنی سرگرمیاں جاری رکھیں۔ اموی خلافت کے قیام میں بھی بالواسطہ اس جماعت کا بڑا ہاتھ رہا ہے اور اموی خلافت کے زوال کے لیے بھی خوارج کا بالواسطہ اثر رہا ہے۔ دراصل نہروان میں خوارج سے جنگ کے بعد حضرت علیؓ کی فوج کے حوصلے پست ہو گئے تھے اس لیے وہ مختلف حیلے بہانوں سے منتشر ہو گئی اور اب حضرت علیؓ کے پاس اتنی طاقت نہیں رہی کہ وہ امیر معاویہؓ سے جنگ کریں اور بعد میں ایک خارجی نے ہی حضرت علیؓ کو شہید بھی کیا تھا۔ حضرت علیؓ کی وفات کے بعد امیر معاویہؓ کی حکومت قائم ہو گئی تھی۔ انہوں نے اپنے فہم وتدبر اور حسن انتظام سے خوارج کو ابھرنے نہیں دیا۔ امیر معاویہؓ نے ایک طرف تو مختلف قبائل کے سرداروں کو ذمہ داری

لگادی کہ وہ اپنے اپنے قبیلوں میں خوارج کو پنپنے نہ دیں۔ دوسری طرف کئی سپہ سالاروں خاص طور پر حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کو اس پر مقرر کیا کہ کہیں خوارج کی بغاوت ہو تو تو اس کو طاقت کے ذریعے ختم کر دیں۔

امیر معاویہؓ کی وفات کے بعد خوارج کو ابھرنے کا موقع مل گیا اور انہوں نے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے خلاف کئی مسلح معرکہ آرائیاں کیں اور بنوامیہ کے خلاف بھی مسلسل جنگ و جدال کرتے رہے۔ بنوامیہ کی طاقت ور فوج اور انتہائی باصلاحیت فوجی سرداروں نے خوارج کو زیادہ نہیں ابھرنے دیا تھا لیکن پھر بھی نافع بن ارزق، نجدہ بن عامر، ابن فدیک اور قطری بن فجائہ جیسے متعدد اہم سرداروں نے بہت سی جنگیں کیں اور ان میں سے کچھ میں انہوں نے بنوامیہ کو بھی ہرایا۔ جنگوں کے ذریعے کمزور کرنے کے علاوہ بھی انہوں نے کئی کام کیے، مثلا انہوں نے بنوامیہ کے خلاف فضا ہموار کی اور بنوامیہ سے مسلسل لڑتے رہنے کی وجہ سے مجموعی طور پر یہ فضا قائم ہو گئی کہ بنوامیہ کی عظیم طاقت کے خلاف بھی مسلح جدوجہد کی جاسکتی ہے۔ بعد میں شیعہ/عباسی تحریک نے جب مسلح معرکہ آرائی شروع کی تو اس کا ان کو بڑا فائدہ ہوا۔ بنوامیہ کی طرف سے مہلب بن ابی صفرہ، حجاج بن یوسف، عبدالرحمن بن اشعث اور عمر بن عبیداللہ وغیرہ نے خارجی بغاوتوں کا استیصال کیا تھا۔ ان سرداروں کی کوششوں سے خوارج کافی کمزور ہو گئے تھے لیکن اپنے ساتھ وہ بنوامیہ کو بھی کمزور کر گئے اور اس طرح بنوامیہ کے زوال میں خارجیوں کی بغاوتوں نے بھی اپنا کردار ادا کیا۔

7.2.5 یمنی اور مضری کا جھگڑا

عرب میں جنوبی عرب اور شمالی عرب کی لڑائی نئی نہیں تھی۔ ان کے اختلافات زمانہ جاہلیت سے چلے آرہے تھے۔ شمال کے مضری اور جنوب کے یمنی روایتی طور پر ایک دوسرے کے خلاف ذہنیت رکھتے تھے۔ بنوامیہ کی حکومت کے زوال میں اس اختلاف کا بھی اہم کردار ہے۔ بلکہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ شیعہ اور عباسی تحریک کے بعد اسی جھگڑے نے بنوامیہ کو سب سے زیادہ نقصان پہنچایا اور ساتھ ہی مجموعی طور پر عرب قوم کو بھی سب سے زیادہ نقصان اسی جھگڑے سے ہوا اس لیے کہ اس کے بعد مجموعی طور پر عربوں کا اقتدار ختم ہو گیا اگرچہ خلافت عباسیوں کی تھی لیکن ان کے اوپر ترک اور ایران کے لوگ ہی زیادہ حاوی رہے۔ بنوامیہ کے زمانے میں عربوں کا جو مقام تھا اور حکومت واقتدار میں ان کی جو حیثیت تھی وہ بنوامیہ کے زوال کے بعد ختم ہو گئی۔ چونکہ بنوامیہ خود بھی مضری تھے اس لیے ان کا جھکاؤ اکثر مضری کی طرف رہتا تھا۔ مضری کو عدنانی بھی کہتے ہیں اور یمنی کو قحطانی بھی کہتے ہیں۔

بنوامیہ کے پورے عہد میں مضری اور یمنی کی یہ لڑائی جاری رہی اور جب جس کو موقع ملا اس نے دوسرے کو دبانے کی کوشش کی۔ مہلب بن ابو صفرہ یمنی تھے۔ انہوں نے بنوامیہ کی بڑی خدمت کی تھی۔ خاص طور پر خوارج کو دبانے میں ان کا بڑا ہاتھ رہا۔ انہوں نے یمنیوں کی سرپرستی کی۔ ان کی وفات کے بعد ان کے بیٹے یزید بن مہلب کا خلیفہ سے اختلاف ہو گیا۔ یہ اختلاف اتنا بڑھا کہ یزید بن مہلب نے خلیفہ کے خلاف بغاوت کر دی اس بغاوت میں پورا عراق یزید کے ساتھ تھا لیکن حجاج بن یوسف کی دانشمندی اور فن حرب میں مہارت اور شام کی خصوصی فوج کی مدد سے یزید کو شکست ہو گئی۔ اس کے بعد یمنی قبائل کو مزید پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا۔

ہشام بن عبدالملک کی وفات کے بعد یمنی اور مضری اختلاف اور بڑھ گیا تھا اور یہ بھی مجموعی طور پر بنوامیہ کی حکومت کو کمزور کرنے

کاذریعہ بنااور بنوعباس کی حکومت کے لیے اس کی وجہ سے راہ ہموار ہوئی۔

7.2.6 توابین کا خروج

حضرت امام حسینؓ کی دردناک شہادت نے یوں تو پورے عالم اسلام میں ایک ہیجان برپا کر دیا تھا لیکن اس حادثہ کی وجہ سے سب سے زیادہ شرمندہ اہل کوفہ تھے اس لیے کہ اہل کوفہ کے بھروسے ہی حضرت حسینؓ نے یہ سفر اختیار کیا تھا۔ اہل کوفہ کو یہ لگتا تھا کہ امام حسینؓ کی شہادت میں کہیں نہ کہیں ان کے دھوکے کا بھی کردار ہے۔ اگر وہ امام حسینؓ کو بھروسہ نہ دلاتے تو حضرت امام مکہ میں ہی قیام پذیر رہتے اور کربلا کا حادثہ نہ پیش آتا۔ اس لیے وہ اپنے آپ کو مجرم محسوس کرتے تھے اور اسی لیے حضرت امام حسینؓ کی شہادت کا بدلہ لینے کی کوشش میں تھے۔ یزید کے مرنے کے بعد جب پورے ملک میں بدامنی پھیلی تو انہوں نے بھی اس کا فائدہ اٹھایا اور کوفہ کے سب لوگ جمع ہوئے سب نے اجتماعی طور پر توبہ کی اور ان میں سے جو بھی جنگ کے قابل تھے وہ لشکر بنا کر شام پر حملہ آور ہوئے۔ لیکن یہ فوج بنوامیہ کی تربیت یافتہ فوج کا مقابلہ نہیں کر سکی اور شام پہنچنے سے پہلے عراق کے اندر ہی عین الوداع کے مقام پر بنوامیہ کی فوج سے ان کا مقابلہ ہوا اس میں یہ ہار گئے۔ بعد میں یہ لوگ دوسری تحریکات میں شامل ہو گئے۔

7.2.7 مختار ثقفی کا خروج

امام حسینؓ کی شہادت کا بدلہ لینے کے لیے بہت سی تحریکات برپا ہوئیں۔ بعض لوگوں نے انفرادی طور پر یہ کوشش کی اور بعض حضرات نے اجتماعی طور پر بھی اس کی کوشش کی تھی۔ انفرادی طور پر بنوامیہ کے دور میں امام حسینؓ کی شہادت کا بدلہ لینے کی جو تحریک اٹھی ان میں سب سے اہم مختار ثقفی کی تحریک ہے۔ انہوں نے بنوامیہ کے خلاف تلوار اٹھائی، کربلا میں حسین ابن علی کی شہادت کا بدلہ لیا اور سینکڑوں قاتلان حسین کو قتل کیا۔ چوں کہ انہوں نے امام حسینؓ کے خون ناحق کا بدلہ لینے کے لیے خروج کیا تھا اور اسی نعرے کی وجہ سے عام مسلمانوں میں سے بہت سے لوگوں نے ان کا ساتھ دیا تھا۔ اس نے اپنے لیے بہت سے حامی پیدا کر لیے تھے۔ جن کی مدد سے انہوں نے کوفہ اور موصل پر قبضہ کر لیا تھا۔

مختار کو شروع سے ہی حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی حمایت حاصل تھی۔ اس حمایت کی وجہ سے وہ بے خوف اپنی کاروائیاں کرتے رہے۔ انہوں نے امام حسینؓ کی شہادت کا بدلہ لینے کے نام پر کئی ان لوگوں کا قتل بھی کر دیا جو میدان کربلا کے سردار تھے جیسے شمر ذی الجوشن اور عمر بن سعد وغیرہ۔ مختار ثقفی نے اپنے ایک ساتھی ابراہیم بن مالک اشتر کی مدد سے بنوامیہ کی فوجوں کا بھی کئی مرتبہ مقابلہ کیا اور بعض معرکوں میں بنوامیہ کی فوج کو شکست بھی دی۔ لیکن مختار کی خود مختاری اسی وقت تک قائم رہی جب تک وہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی حمایت میں رہے۔ بعد میں جب مختار نے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے بھائی حضرت مصعب بن زبیر پر ہی حملہ کر دیا تو اس کے بعد حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی حمایت ختم ہو گئی اور حضرت مصعب نے مختار کی فوج کو ہرا دیا اور خود مختار کو قتل کر دیا۔ مختار ثقفی نے بے تحاشا خوں ریزی کی۔ تاہم ان کے خروج سے بنوامیہ کو زیادہ نقصان نہیں پہنچا کیوں کہ بنوامیہ کی فوجی طاقت بہت زیادہ تھی۔ البتہ اس تحریک نے بنوامیہ کے خلاف مسلح معرکہ آرائی کی راہ کھول دی جس کی وجہ سے بعد میں بنوامیہ کو بڑا نقصان اٹھانا پڑا۔

7.3 دیگر اسباب

ولی عہدی کا غلط نظام

بنو امیہ کے دوسرے دور یعنی مروانی دور میں ولی عہدی کا غلط نظام شروع ہو گیا۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ جابیہ کی صلح میں مروان کے دو ولی عہد بنائے گئے تھے۔ جابیہ کی صلح کے کالعدم ہو جانے کے بعد مروان نے اسی روایت کا اتباع کیا اور اپنے دو بیٹوں کو یکے بعد دیگرے ولی عہد بنا دیا۔ پہلے ولی عہد عبدالملک بن مروان بنے اور دوسرے عبدالعزیز بن مروان۔ اس طرح بنو امیہ میں دو ولی عہدوں کی روایت پڑ گئی۔ حکومت چاہے کیسے بھی لوگوں کے ہاتھ میں ہو، اقتدار میں شرکت گوارہ نہیں کرتی۔ بنو امیہ میں بھی یہی ہوا کہ جب ایک ساتھ دو ولی عہد ہوتے تو جیسے ہی پہلا ولی عہد بادشاہ بنتا اس کی کوشش یہ ہوتی تھی کہ اگلے ولی عہد کو منسوخ کر کے اس کی جگہ اپنی مرضی کا ولی عہد مقرر کر دے۔ ولی عہدی کے اس جھگڑے کی وجہ سے حکومت کے امراء واہل کار بھی استعمال ہوتے تھے۔ عبدالملک کے دور میں تو یہ چل گیا کیوں کہ عبدالعزیز کی موت عبدالملک کی زندگی میں ہی ہو گئی تھی۔ لیکن ولید کے زمانے میں خود ولید نے سلیمان کو برطرف کرنے کی کوشش کی تھی۔ ادھر اتفاق یہ ہوا کہ ولید کی مہلت حیات بھی کم تھی اس لیے سلیمان کی ولی عہدی کو ختم کرنے سے پہلے خود ان کی ہی وفات ہو گئی۔ البتہ جن امرا نے ولید کی حمایت کی تھی سلیمان کے خلیفہ بننے کے بعد ان کی شامت آ گئی۔ سلیمان نے جو بہت سے عظیم سرداروں کو قتل کروایا اس کے پیچھے یہی جذبہ انتقام بھی کارفرما تھا۔ اسی جذبہ انتقام میں موسیٰ بن نصیر، محمد بن قاسم اور طارق بن زیاد جیسے عظیم لوگ مارے گئے اور رسوا ہوئے۔ حجاج بن یوسف اتفاق سے ولید کے دور میں ہی فوت ہو گئے تھے اس لیے وہ خود تو سلیمان کے انتقام سے بچ گئے لیکن حجاج کے خاندان والوں اور اعزا و حامیوں کو سخت سزائیں دی گئیں۔

ولید ثانی کے دور میں بھی ولی عہدی کی اسی روایت کی وجہ سے بہت سے عظیم لوگ قربان کیے گئے۔ خالد بن عبداللہ قسری ایک طویل عرصے تک عراق کے امیر رہے۔ انہوں نے ولید ثانی کی مخالفت کی تھی اس لیے ان کو بھی سزا ملی اور نہایت بے دردی کے ساتھ ان کو قتل کرا دیا گیا۔ بنو امیہ کے طریقہ ولی عہدی یعنی دو دو ولی عہد مقرر کرنے کی روایت کی وجہ سے بہت سے لوگ مارے گئے اور بہت سے لوگ معتوب ہو گئے۔ بعد میں اس طریقے کی وجہ سے اور بھی نقصانات ہوئے اور خود خاندان بنو امیہ کے اندر بھی اختلافات بڑھ گیے جن کی وجہ سے خاندان کے اندر بغاوتیں شروع ہو گئیں۔

دارالحکومت کی تبدیلی

دارالحکومت کا تبدیل کرنا نہایت خطرناک قدم ہوتا ہے۔ چوں کہ حکومت کی عصبیت علاقے اور وطن سے وابستہ ہو جاتی ہے۔ اس لیے بنو امیہ کو اس کا نقصان ہوا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے بھی اگرچہ مدینہ کی جگہ کوفہ کو اپنا دارالحکومت بنایا تھا اور واقعہ یہ ہے کہ اس وقت کے حالات کو دیکھتے ہوئے یہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا نہایت حکیمانہ فیصلہ تھا۔ اس کے باجود حضرت علیؓ کو اس تبدیلی کا بڑا نقصان ہوا۔

بنو امیہ کی تو بنیاد ہی دمشق تھی اس کے باوجود ان کے آخری دور کے حکمرانوں نے دمشق کو چھوڑ دیا تھا اور کوفہ و بصرہ یا حران کے اندر

نیا دارالحکومت تلاش کرنے کی سعی کرتے رہے۔ان کو ان علاقوں میں وہ حمایت نہیں ملی جو ان کو شام کے علاقے میں ملی تھی یا مل سکتی تھی۔اس لیے نئے دارالخلافہ کی یہ کوشش رائیگاں گئی۔ان کی ان کوششوں سے مجموعی طور پر حکومت کو بہت نقصان پہنچااور یہ بھی وجہ بنی بنوامیہ کی خلافت کے خاتمے کی۔

شامی عصبیت کا خاتمہ

بنوامیہ کی حکومت کا قیام شامی لشکر کی مدد سے ہوا تھا۔شام کے لوگوں نے امیر معاویہؓ کی غیر مشروط حمایت کی تھی۔شام کے لوگ ہمیشہ ہی بنوامیہ کے سب سے مضبوط حامی اور سب سے وفادار ساتھی رہے۔لیکن ہشام بن عبدالملک کے بعد سے بنوامیہ کے خلفاء کا تعلق شام سے کمزور ہو گیا تھا۔خاص طور پر یزید ثانی کے زمانے میں یہ تعلق ٹوٹ گیا۔اس کی وجہ سے بنوامیہ کی گرفت پورے نظام حکومت پر کمزور ہو گئی۔اس کا بھی بنوامیہ کی خلافت کے خاتمے میں کردار ہے۔

موالی

بنوامیہ کی حکومت کے زوال کے اسباب میں ایک کردار موالی کا بھی ہے۔موالی میں آزاد کردہ غلاموں کے علاوہ وہ لوگ بھی شامل ہیں جو عرب کے باہر سے آئے اور کسی عرب قبیلے کے ہاتھ پر اسلام قبول کر کے ان کے ساتھ رشتہ ولایت قائم کر لیا۔بنوامیہ کے دور میں عرب کے علاقوں کے اندر موالی کی تعداد اتنی زیادہ تھی کہ وہ معاشرے کا ایک مستقل گروہ شمار کیے جاتے تھے۔معاشرے میں ان کا بڑا اثر تھا۔چوں کہ ان کو پڑھنے لکھنے کا شوق تھا اس لیے اکثر مقامات کی مسند تدریس و تعلیم کی زینت بھی وہی تھے۔تاہم ان کے اندر ایک بڑی تعداد ایسی بھی تھی جو عام لوگوں کی طرح کارزار حیات میں زندگی کے مسائل سے نبرد آزما تھے۔

وقت کے ساتھ ساتھ ان لوگوں کے اندر ایسے احساسات پیدا ہونے لگے کہ گویا عرب معاشرے کے اندر وہ ایک خارجی عنصر ہیں۔عرب اور غیر عرب کی تفریق کا تصور ان کے اندر زور پکڑنے لگا۔بنوامیہ نے بھی ان کے اس احساس کو کم کرنے کی کوشش نہیں کی۔اسی احساس نے ان کو باغیوں کے لیے آسان شکار بنا دیا۔وہ ہر باغی گروہ کے ساتھ ہو جاتے تھے۔خاص طور پر بنو عباس کی بغاوت میں موالی کا بڑا اہم کردار رہا ہے۔بنو عباس کی فوج کا ایک بڑا حصہ موالی پر مشتمل تھا۔بنو عباس کی تحریک سے پہلے بھی بنوامیہ کے خلاف جو بھی تحریک اٹھی اس میں عام طور پر موالی بھی شامل ہوتے تھے۔اس کی خاص وجہ یہی تھی کہ وہ عرب معاشرے کے اندر اپنے آپ کو نسبتاً کمزور سمجھتے تھے اس لیے جہاں حکومت کے خلاف کوئی تحریک اٹھتی تھی یہ لوگ اس میں شریک ہو جاتے۔بنوامیہ کے زوال میں موالی کی ان سرگرمیوں کا بھی اہم کردار رہا ہے۔

عاملوں کی ناقدری

بنوامیہ کو قدرت کی طرف سے جو تحفے ملے ان میں سے ایک عظیم تحفہ ان کے کارندے اور ان کے امراء و عمال یعنی کام کرنے والے لوگ تھے۔ان کے دور میں بہت سے ایسے لوگ تھے جن کی تاریخ اسلامی پر بھی اور مجموعی طور پر انسانی تاریخ پر گہری چھاپ ہے۔ان میں

بہترین جرنل، اعلیٰ درجہ کے انتظامی قابلیتوں کے لوگ اور بلند صلاحیتوں کے حامل امرا تھے۔ جیسے حضرت عمرو بن عاصؓ، حجاج بن یوسف، مہلب بن ابی صفرہ اور ان کے بیٹے یزید، مسلمہ بن عبدالملک، محمد بن قاسم، طارق بن زیاد، موسیٰ بن نصیر، عبدالرحمن بن اشعث اور قتیبہ بن مسلم باہلی وغیرہ۔ان کے علاوہ ان غیر معمولی صلاحیت کے لوگوں کی ایک طویل فہرست ہے جن کی وجہ سے بنوامیہ کو یہ استحکام حاصل ہوا۔

بنوامیہ کے شاہی گھرانے کے اختلافات کے زیر اثر ان غیر معمولی صلاحیتوں کے حامل افراد کی بڑی ناقدری ہوئی۔ موسیٰ بن نصیر بڑی بے عزتی کے ساتھ مارے گئے، محمد بن قاسم کو قتل کر دیا گیا۔ طارق بن زیاد بھی گمنامی میں فوت ہو گئے۔ یزید بن مہلب اتنے مجبور ہوئے کہ انہوں نے بغاوت کی اور بعد میں وہ بھی قتل کر دیے گئے۔ عاملوں اور امیروں کی اس لگاتار ناقدری نے صلاحیتوں کو بانجھ کر دیا تھا پھر ایسے باصلاحیت کے لوگ پیدا ہونا ہی بند ہو گئے۔ حکومت اہل کاروں اور عاملوں کی بنیاد پر چلتی ہے جب عامل ہی نااہل ہو گئے تو حکومت کو بھی جانا ہی تھا۔اس لیے بنوامیہ کی عظیم حکومت بھی ختم ہو گئی۔

نااہل حکمراں

بنوامیہ کی حکومت کے زوال کا ایک اہم سبب نااہل حکمراں بھی ہیں۔ جیسے جیسے بنوامیہ کے زوال کا دور آیا تو ان میں حکمراں بھی نااہل پیدا ہونے لگے۔ ہشام بن عبدالملک کے بعد اس خاندان میں کوئی ایسا حاکم نہیں پیدا ہوا جو پورے ملک کو سنبھال سکتا۔ ہشام بن عبدالملک کی وفات کے بعد سات سال میں چار خلیفہ ہوئے اور ہر آنے والے خلیفہ نے ایسے اقدامات کیے جن سے بنوامیہ کے خلاف انقلاب کی رفتار تیز ہو گئی۔ یہ خلیفہ تاریخ میں بھی بڑے نامناسب ناموں سے معروف ہیں اور ان کے اخلاق و کردار کے بارے میں بھی متعدد لوگوں کی رائے منفی ہے۔آخری خلیفہ مروان دوم نے پانچ سال تک حکومت تو کر لی لیکن وہ ایک مضبوط فوج کا مالک ہونے کے باوجود انقلاب کی رفتار کو روک نہ سکا اور 750ء میں اس کی موت کے ساتھ ہی بنوامیہ کی خلافت ختم ہو گئی۔

عراقی اور شامی عصبیت

بنوامیہ کے دور میں دارالحکومت شام میں رہا اور عراق اس کے ماتحت ایک صوبہ رہا۔ عراق حضرت علیؓ کا پایہ تخت بھی تھا اس لیے عراق اور شام میں ایک طرح کی مقابلہ آرائی تھی۔ اہل عراق شام کے ساتھ رہنے کو شامی قبضہ سے تعبیر کرتے تھے۔ یعنی ان کو یہ لگتا تھا کہ شام نے ان پر قبضہ کر رکھا ہے۔ عراق میں بنوامیہ کے خلاف کئی مرتبہ بغاوت بھی ہوئی۔ عراق میں توابین کا خروج ہوا۔ عراق میں حجاج بن یوسف سے پہلے کے بنوامیہ کے امیروں کو اطمینان سے نہیں رہنے دیا گیا۔ حجاج بن یوسف نے اپنی طاقت اور ظلم و ستم سے اہل عراق کو زیر کر لیا تھا لیکن حجاج بن یوسف کے بعد بھی انہوں نے اپنی پرانی روش اختیار کر لی۔ یزید بن مہلب کی بغاوت میں بھی اہل عراق نے پوری طرح یزید کا ساتھ دیا اور اہل شام کی مخالفت کی تھی۔

خوارج اور شیعہ گروپ بھی زیادہ تر عراق میں ہی سرگرم رہے۔ اسی طرح عباسی تحریک بھی عراق میں کافی مضبوط رہی۔ حتی کہ عباسی تحریک کے کامیاب ہو جانے کے بعد عراق ہی بنو عباس کا پایہ تخت بنا۔ ان واقعات سے اندازہ ہوتا ہے کہ بنوامیہ کے خلفاء کی عراق پالیسی قابل

اطمینان نہیں تھی۔ عراق میں ان کے خلاف جذبات پنپتے رہے اور وہ صرف عراق کو بدنام کرتے رہے، لیکن جو مسائل تھے اور جو شکایات تھیں ان کو دور کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ عراق اور شام کی اس کشمکش نے بھی بنوامیہ کو کمزور کرنے اور ان کے مخالفوں کی قوت فراہم کرنے کا کام انجام دیا۔

7.4 جنگ زاب

25 جنوری 750ء میں دریائے زاب کے کنارے مروان دوم کی فوج کا ابوالعباس السفاح کے چچا عبداللہ بن علی سے مقابلہ ہوا۔ اس میں باوجود کثرت افواج کے مروان کو شکست ہوگئی اور اس کی فوج کی ایک بڑی تعداد دریا میں غرق ہوگئی۔ مروان اس جنگ میں ہارنے کے بعد شام اور فلسطین میں جان بچانے کے لیے بھاگتے پھرے۔ آخر میں مصر کی طرف گئے۔ وہاں مقام بوصیر میں عباسی لشکر کے ہاتھوں قتل ہوگئے اور اس کے ساتھ بنوامیہ کی حکومت کا خاتمہ ہوگیا۔ مروان ثانی کی وفات 5 اگست 750ء میں ہوئی تھی۔

7.5 فرہنگ

شیعہ: شیعہ کا مطلب ہوتا ہے حامی یا حمایت کرنے والا، شروع میں حضرت علیؓ کے حامیوں کو شیعان علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے حامیوں کو شیعان معاویہ کہا جاتا تھا۔ بعد میں صرف حضرت علیؓ کے حامیوں کو شیعہ کہا جانے لگا۔ شیعہ دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک اسماعیلی اور دوسرا اثنا عشری۔ اسماعیلی شیعہ سات اماموں کو مانتے ہیں اور اثنا عشری بارہ اماموں کو تسلیم کرتے ہیں۔

عباسی تحریک: امام حسینؓ کی شہادت کا بدلہ لینے کے لیے جو تحریکات برپا ہوئیں ان میں سے ایک عباسی تحریک بھی تھی۔ اس تحریک کو بعد میں حکومت بھی حاصل ہوئی۔

توابین: کوفہ والوں کی ایک جماعت، دراصل اہل کوفہ یہ سمجھتے تھے کہ امام حسینؓ کی مظلومانہ شہادت کی کچھ ذمہ داری ان پر بھی ہے چوں کہ ان کے بھروسے ہی حضرت امام حسینؓ نے کوفہ کا سفر کیا تھا۔ اس لیے عبدالملک بن مروان کے زمانے میں انہوں نے اجتماعی توبہ کی تھی اس لیے ان کو توابین کہا جاتا ہے اور انہوں نے بنوامیہ کے خلاف جنگ چھیڑی اور شام پر حملہ کیا تھا۔ اس لیے ان کا خروج کو توابین کا خروج کہا جاتا ہے۔

7.6 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے درج ذیل نکات سیکھے:

- بنوامیہ کی حکومت اپنی وسعت کے اعتبار سے عالم اسلام کی اور اپنے وقت کی بھی سب سے بڑی حکومت تھی۔ اس کا دائرہ فرانس سے لے کر چین تک پھیلا ہوا تھا۔ بنوامیہ کی یہ عظیم حکومت صرف 90 سال کی قلیل مدت میں ختم ہوگئی۔
- بنوامیہ کی حکومت کے خاتمہ میں سب سے اہم کردار امام حسینؓ کی شہادت کا ہے۔ امام حسینؓ کی مظلومانہ شہادت نے پوری مسلم دنیا

کو بنوامیہ کے خلاف کھڑا کر دیا۔امام حسینؓ کی شہادت کا بدلہ لینے کے لیے بہت سی تحریکات اٹھیں، جیسے توابین کا خروج ہوا، شیعہ تحریک چلی، مختار ثقفی نے تحریک چلائی، اسی طرح عباسی تحریک بھی چلی اور یہی سب سے زیادہ کامیاب رہی۔

- خوارج نے بھی بنوامیہ کی حکومت کے قیام واستحکام میں بڑی رکاوٹ ڈالی اور ان کے خلاف جنگیں کر کے ان کو کمزور کر دیا۔اس دور میں عربوں کے اندر یمنی اور مضری کا ایسا جھگڑا شروع ہوا جس نے بنوامیہ کی حکومت کو متزلزل کر دیا۔
- دارالخلافہ کی تبدیلی کی کوشش بھی اور اس عہد میں رائج ولی عہدی کے طریقے سے بھی بنوامیہ کی حکومت کو بہت نقصان پہنچا۔
- بنوامیہ کے خلفاء میں مختلف اسباب سے ایک ایسی فضا قائم ہو گئی کہ ہر آنے والا خلیفہ پہلے خلیفہ کے مقرر کردہ لوگوں کی تحقیر وتذلیل اور قتل تک کرنے لگا جس کی وجہ سے بنوامیہ کو اچھے کارندے ملنے بند ہو گئے۔آخری دور میں بنوامیہ کے اندر نااہل حکمرانوں کا قبضہ ہو گیا اور وہ اس عظیم حکومت کو سنبھال نہ سکے۔ جنگ زاب اس سلسلہ کی آخری کڑی ثابت ہوئی اور بعد میں عہد بنوامیہ کا خاتمہ ہو گیا۔

7.7 نمونہ امتحانی سوالات

7.7.1 معروضی جوابات کے متقاضی سوالات

1. مسلم بن عقیل کون تھے؟

(a)بنوامیہ کے سردار (b).عباسی خلیفہ (c).حضرت علیؓ کے چچازاد بھائی (d).ابوالعباس کے چچا

2. ابن زیاد کون تھے؟

(a).کوفہ کے امیر (b).ایران کے امیر (c).افریقہ کے امیر (d).مصر کے امیر

3. ابوہاشم عبداللہ کے جانشیں کون بنے؟

(a).علی بن عباس (b).علی بن ابوطالب (c)محمد ابو بکر (d).محمد بن علی

4. عباسی حکومت کا بانی کون ہے؟

(a).ابوالعباس سفاح (b).المنصور (c).ہشام بن عبدالملک (d).محمود غزنوی

5. جنگ زاب کس سنہ میں لڑی گئی؟

750.(a) 752.(b) 632.(c) 1258.(d)

7.7.2 مختصر جوابات کے متقاضی سوالات

1. بنوامیہ کی حکومت کی وسعت پر روشنی ڈالیے۔
2. بنوامیہ نے اپنے امراء کی ناقدری کیسے کی اور کیوں؟وضاحت کیجیے۔

3. یمنی اور مضری کا جھگڑا کیا تھا؟ بیان کیجیے۔
4. جنگ زاب پر ایک نوٹ لکھیے۔
5. مختار ثقفی تاریخ میں کیوں مشہور ہیں؟ نوٹ لکھیے۔

7.7.3 طویل جوابات کے متقاضی سوالات

1. امام حسین کی شہادت کے واقعے پر روشنی ڈالیے۔
2. عباسی تحریک کے بارے میں تفصیل سے بتائیے۔
3. خوارج کے بارے میں ایک نوٹ لکھیے۔

7.8 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1. تاریخ اسلام : شاہ معین الدین احمد ندوی
2. تاریخ اسلام : اکبر شاہ نجیب آبادی
3. تاریخ تہذیب اسلامی : پروفیسر یٰسین مظہر صدیقی
4. ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ : ثروت صولت
5. تاریخ ملت : مفتی زین العابدین سجاد میرٹھی اور مفتی انتظام اللہ شہابی اکبر آبادی
6. تاریخ اسلام : ڈاکٹر حمید الدین

معروضی سوالات کے جوابات

1. A	2. B	3. C	4. A	5. D
6. D	7. A	8. A	9. A	10. A

اکائی8: اموی حکومت کا نظم ونسق (حصہ اول)

اکائی کے اجزا:

8.0 تمہید

8.1 مقاصد

8.2 اموی نظامِ حکومت پر ایک مجموعی نظر

8.3 اموی نظامِ حکومت کا ڈھانچہ

8.3.1 خلیفہ اور ولی عہد

8.3.2 مجلس شوریٰ

8.3.3 سکہ

8.3.4 حاجب

8.4 صوبائی انتظامیہ

8.4.1 والی یا گورنر

8.4.2 فوج

8.4.3 مالیات

8.5 فرہنگ

8.6 اکتسابی نتائج

8.7 نمونہ امتحانی سوالات

8.7.1 معروضی جوابات کے متقاضی سوالات

8.7.2 مختصر جوابات کے متقاضی سوالات

8.7.3 طویل جوابات کے متقاضی سوالات

8.8 تجویز کردہ اکتسابی مواد

8.0 تمہید

اموی عہد میں اسلامی سلطنت شام سے لے کر شمالی افریقہ، اسپین تک پھیل گئی۔ بنوامیہ کا دورِ حکومت اسلامی تاریخ کا ایک اہم مرحلہ ہے جس میں مرکزی و ریاستی نظم و نسق کو منظم، مستحکم اور وسیع بنیادوں پر استوار کیا گیا۔ اس دور میں خلافت کو ایک باقاعدہ سلطنتی نظام کی شکل دی گئی، جہاں انتظامی ڈھانچے، مالیاتی نظام، فوجی تنظیم، اور عدالتی اداروں کو بہتر انداز میں ترتیب دیا گیا۔ بنوامیہ نے مختلف علاقوں میں گورنروں کی تقرری، محکمہ جات کی تقسیم (دیوانی نظام)، اور عربی زبان کو سرکاری زبان قرار دے کر نظم و نسق کو یکساں اور مؤثر بنایا۔ اس کے نتیجے میں ایک مضبوط اور مرکزی حکومت وجود میں آئی جس نے وسیع اسلامی سلطنت کو کامیابی سے سنبھالا۔

8.1 مقاصد

اس اکائی کا مقصد ہے کہ آپ:

- اموی نظامِ حکومت کا ڈھانچہ کس پر مشتمل تھا ان سب سے واقفیت حاصل کریں گے۔
- بنوامیہ کے نظم و نسق کی بنیادی خصوصیات بیان کر سکیں گے۔
- اہم اصطلاحات جیسے دیوان، گورنر، بیت المال کی وضاحت کر سکیں گے۔
- مالیاتی و فوجی اصلاحات کی اہمیت بیان کر سکیں گے۔
- بنوامیہ کے نظم و نسق کا تنقیدی جائزہ پیش کر سکیں گے۔
- اس دور کے نظام کو اسلامی اصولِ حکمرانی کے تناظر میں پرکھ سکیں گے۔

8.2 اموی نظامِ حکومت پر ایک مجموعی نظر

خلافت امویہ کے اہم حکمرانوں کے دورِ حکومت کے جائزے سے ہمارے سامنے یہ بات آگئی ہے کہ سو سال سے کم مدت تک قائم رہنے والی حکومت نے عالمِ اسلام کو کئی عظیم فرمانروا دیے۔ ان حکمرانوں کا طرزِ حکومت کسی طرح بھی بعد میں آنے والے دوسرے حکمرانوں سے کم نہیں تھا۔ غور کیا جائے تو پہلے اموی حکمراں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے امت مسلمہ کو چین سکون کے ساتھ زندگی گزارنے کے مواقع فراہم کیے۔ آپسی سیاسی کشمکش کے نتیجے میں جو انتشار پھیلا ہوا تھا اور امت جس تفرقے سے دوچار تھی، وہ سارا انتشار حضرت امیر معاویہ کی حکومت پر پہنچ کر ختم ہو گیا۔ ایک مضبوط اور مستحکم حکومت قائم ہوئی۔ عوام و خواص کو اُن کے حقوق دیے گئے۔ مسلم ممالک کو داخلی طور پر بھی مضبوطی فراہم کی گئی اور خارجی طور پر بھی۔ کیوں کہ حضرت امیر معاویہ نے مسلم حکومت کو داخلی طور پر مضبوط کرنے کے بعد خارجہ پالیسی کے استحکام اور ارتقاء کی طرف توجہ کی۔ اس کے نتیجے میں اسلامی حدود میں توسیع ہوئی۔ وقت کی سپر پاور (Super Power)

پوری طرح اسلامی حکومت کے رعب میں آگئیں۔ بحری بیڑہ تیار ہوااور سمندروں میں بھی اسلامی فتوحات کادروازہ کھل گیا۔ خود حضرت امیر معاویہ کے حکیمانہ مزاج کی وجہ سے اسلامی ریاست میں زندگی گزارنے والے تمام طبقات کوان کے مقام ومرتبے کے لحاظ سے حقوق ملنے لگے۔اس طرح غیروں پر اسلام کی دھاک بیٹھی اور وہ سکون واطمینان کی زندگی گزارنے لگے۔

حضرت امیر معاویہ کے بعد دوسرے کامیاب اموی حکمراں کے طور پر عبدالملک ابن مروان سامنے آئے۔ سچ یہ ہے کہ امیر معاویہ کے بیٹے یزید نے خود اپنے والدِ ماجد کی نصیحتوں پر عمل نہ کرکے اپنے لیے جو ناکامی ونامرادی مقدّر کی اور امتِ مسلمہ کی جس اضطراب وآزمائش سے دوچار کیا تھا،اُس کی صحیح تلافی عبدالملک ابن مروان کے شاندار دورِ حکومت میں ہوئی تھی۔

عبدالملک ابن مروان علم وفضل میں بھی نہایت ممتاز تھے اور جہاں بانی وجہاں آرائی میں بھی طاق تھے۔ اللہ تعالیٰ نے سیاسی اور شجاعت دونوں کا وافر حصہ عطافرمایا تھا۔اسی لیے ایک طرف اپنے زمانے کے عظیم ترین علماء ومحدثین اُن کے علمی مقام کے دل سے معترف تھے تودوسری طرف اُن کے ذریعے ایسے بڑے بڑے سالاروں کو شکست کا منہ دیکھناپڑا،جو کسی اور کے قابو میں نہیں آرہے تھے۔اپنے ان تمام اوصاف سے فائدہ اٹھاتے ہوئے عبدالملک نے اسلامی حدود اور اموی حکومت کو انتہائی مضبوطی،استحکام اور سکون واطمینان عطا کیا۔ کیوں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بعد اموی حکومت اتار چڑھاؤ کا شکار رہی۔ عبدالملک نے دوبارہ حکومت کواستحکام عطا کیا۔ اسی لیے عبدالملک کواموی حکومت کادوسرا بانی کہاجاتاہے۔

عبدالملک ابن مروان کے بعداُن کے صاحب زادے ولید ابن عبدالملک نے زمامِ حکومت سنبھالی۔ مؤرخین کے مطابق وہ بنی امیہ کا سب سے کامیاب حکمراں تھا۔ مولانا شاہ معین الدین ندوی نے اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ عبدالملک اپنے زمانے میں تمام مخالف طاقتوں اوراندرونی شورشوں کا قلع قمع کرکے میدان بالکل صاف کر گیا تھا،اس لیے ولید کو پورے سکون اور اطمینان کے ساتھ بیرونی فتوحات اور تعمیری کاموں کا موقع ملا۔ چنانچہ ان دونوں حیثیتوں سے اس کا زمانہ بنی امیہ کا دورِ زریں شمار کیاجاتاہے۔ ولید کی خوش قسمتی تھی کہ اسے قتیبہ ابن مسلمہ، موسیٰ ابن نصیر، محمد ابن قاسم اور مسلمہ ابن عبدالملک جیسے نامور سپہ سالار اور فاتح مل گئے تھے، جنھوں نے اسلامی حکومت کے ڈانڈے چین سے یورپ تک ملادیے تھے۔ ظاہر ہے کہ یہ ساری فتوحات اس وقت کے فرمانروا ولید ابن عبدالملک کے کھاتے میں آتی ہیں۔

ولید ابن عبدالملک نے پہلے سے موجود اسلامی حدود کی ترقی وخوشحالی کے لیے جو کام کیا وہ تو کیا ہی،اس کے علاوہ اُس نے نئے فتح ہونے والے ممالک کے تحفظ واستحکام اور وہاں کی رعایا کی سلامتی وترقی کے لیے جو کچھ کیا،وہ بھی اپنی مثال آپ ہے۔اس لیے اس کا دور تاریخ اسلامی کا نہایت ممتاز دور ثابت ہوا۔

اس کے بعد حضرت عمر ابن عبدالعزیز پانچویں خلیفۂ راشد کی حیثیت سے دنیا کے سامنے آئے۔ بہت مختصر مدت تک حکمرانی فرمائی، لیکن حکومت کو قریب قریب اسی راستے پر لے آئے، جس راستے پر وہ خلفائے راشدین کے مبارک دور میں چل رہی تھی۔اُن کے مختصر دور میں جو اقدامات ہوئے،اُن سے اُن کے عہد کے لوگ تو مستفید ہوئے ہی،بعد کے ادوار میں بھی وہ برکات منتقل ہوئیں۔

اموی دور حکومت کے لیے یہ بات بڑے فخر وافتخار کی ہے کہ اُس کے پاس حضرت عمر ابن عبدالعزیز جیسا بے مثال حکمراں اور شبیہِ

خلفائے راشدین فرمانروا موجود ہے۔اُن کا دورِ حکومت نہایت سعادت و برکت، سکون واطمینان اور مسرت و شادمانی کا دور تھا۔ دنیا پر سب افراد کو چھوڑ کر تمام خواص و عوام خوش اور مگن تھے۔

ہشام ابن عبدالملک کو اموی دورِ حکومت کا آخری کامیاب ترین حکمراں کہا جاتا ہے۔ مؤرخین کہتے ہیں کہ اموی حکومت میں تین حکمراں سب سے کامیاب ہوئے ہیں۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ، عبدالملک ابن مروان اور ہشام ابن عبدالملک۔ اسی لیے ہشام کو آخری کامیاب حکمراں کہا جاتا ہے۔

ہشام کے دور میں بھی داخلی اصلاحات اور خارجی ارتقا دونوں کا سنگم نظر آتا ہے۔ اُس کی شخصیت میں حکمت وتدبر اور سیاست کے ساتھ حلم و بردباری کا وصف بھی بہت نمایاں تھا۔ اس کی وجہ سے اُس کے بڑے بڑے مخالفین بھی اس کا لحاظ کرتے تھے۔ اُن شخصی اوصاف اور سیاسی فتوحات کی آمیزش سے ہشام نے بہت فائدہ اٹھایا اور اپنی حکومت کو استحکام اور وسعت دونوں سے ہمکنار کرتا گیا۔

خلاصہ کلام یہ کہ مذکورہ بالا اموی حکمرانوں کو ہم اموی حکومت کے ستون قرار دے سکتے ہیں۔ ان کے دورِ حکومت میں داخلی وخارجی دونوں سطحوں پر بڑی ترقیات ہوئیں۔ یہی وجہ ہے کہ ایک صدی سے کم عرصے تک قائم رہنے کے باوجود اموی حکومت ایک مثالی حکومت بن سکی اور اس نے آنے والی حکومتوں کو مضبوط بنیاد اور اساس فراہم کی۔

8.3 اموی نظامِ حکومت کا ڈھانچہ

اموی حکومت کے نظامِ حکومت کو سمجھنے کے لیے اُن عناصر کو سمجھنا بھی ضروری ہے، جن کے ذریعہ اس حکومت کا ڈھانچہ قائم تھا۔ ہر حکومت کا ایک مخصوص ڈھانچہ ہوتا ہے۔ مخصوص طریقہ کار ہوتا ہے۔ مخصوص بنیادیں ہوتی ہیں۔ ان ہی کے ذریعہ وہ حکومت چلتی ہے۔ مثال کے طور پر ہمارے ملک میں قائم جمہوری نظام کو چلانے کے لیے صدر جمہوریہ، راجیہ سبھا، لوک سبھا، وزیر اعظم، کابینہ، مقننہ، عدلیہ، منتظمہ، وزارت خارجہ، وزارت داخلہ، وزارت دفاع اور وزارت مالیات جیسے شعبے قائم ہیں۔ ان سب سے مل کر ہندستان کی جمہوری حکومت چلتی ہے۔ بالکل یہی معاملہ اموی حکومت کا بھی تھا۔ وہ حکومت بھی بہت سے عہدوں اور شعبوں سے مل کر چلتی تھی۔ پروفیسر یاسین مظہر صدیقی ندوی نے ''تاریخ تہذیب اسلامی'' میں اس موضوع پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے۔ یہاں اس کے اہم اجزاء حذف واضافے کے ساتھ پیش کیے جارہے ہیں۔

8.3.1 خلیفہ اور ولی عہد

مرکزی حکومت اور ریاست کا سربراہ خلیفہ ہوتا تھا، جو امیر المومنین کہلاتا تھا۔ اس کے انتخاب کا طریقہ اموی خلیفہ یزید بن معاویہ کے بعد سے صرف ایک نامزدگی کا طریقہ رہ گیا تھا۔ یعنی حکمراں خلیفہ اپنی زندگی ہی میں اپنے جانشین کی آئندہ خلافت کے لیے لوگوں سے بیعت لے لیتا تھا۔ یزید بن معاویہ کے لیے بڑے پیمانے پر استصواب کرایا گیا تھا۔ کیوں کہ وہ پہلی مثال تھی۔ پہلے اصحاب رائے سے، پھر اہم گورنروں اور اصولوں کے اہم لوگوں سے مشورہ کے بعد نامزدگی کی گئی اور پھر عام لوگوں سے بیعت لی گئی۔ اس کے لیے ایک نئی اصطلاح ''ولی

عہدی'' ایجاد کی گئی اور حکمراں خلیفہ کی زندگی میں ہونے والے خلیفہ کو ''ولی عہد'' کہا گیا۔ اسلام میں ولی عہدی جائز ہے۔ کیوں کہ حضرت ابو بکر نے بھی اپنے بعد حضرت عمر کو نامزد کیا تھا۔ البتہ بعض صحابہ کرام کو اس پر اعتراض تھا کہ بیٹے کو ولی عہد بنانا مناسب نہیں ہے۔ خاص کر اس صورت میں کہ اس بیٹے سے افضل لوگ موجود ہوں۔

8.3.2 مجلس شوریٰ

اموی خلافت کے ہر دور میں شوریٰ کا نظام قائم رہا۔ اگرچہ اس کی شکل اور مزاج میں فرق آتا گیا۔ اولین تین خلفائے کرام کے زمانے میں مدینہ منورہ کے اصحابِ رائے خاص کر شیوخ مہاجرین وانصار اور اکابر صحابہ کرام تھے۔ لیکن علوی خلافت کے دوران یہ اختیار خلیفہ چہارم کے مشیروں، خاندانِ بنی ہاشم کے بزرگوں اور اہل کوفہ کے اصحاب رائے کی طرف منتقل ہو گیا۔ اموی خلافت کے دوران شوریٰ میں دمشق کے اصحاب رائے، خاص کر ان کے حامی قبائل کے سرداروں اور صوبوں کے اہم گورنروں کو شامل کیا گیا۔ اموی خلافت کے دربار سے وابستہ علماء وفقہاء اور ائمہ بھی اس میں شامل تھے۔ اسی طرح حضرت امیر معاویہ اصحابِ رائے کے مشورہ کے بغیر کوئی کام نہیں کرتے تھے۔ چناں چہ متعدد مواقع پر ان سے مشورہ کرنے کے واقعات کا ثبوت ملتے ہیں جن میں یزید کی ولی عہدی سب سے اہم ہے۔ صلحِ جابیہ اس کی دوسری مثال ہے کہ بعد کے خلفاء نے بھی اس کو قائم رکھا۔ خلیفہ سلیمان اموی نے حضرت عمر بن عبد العزیز کی نامزدگی مشہور فقیہ و محدث رجاء بن حیوہ کندی سے مشورہ کے بعد کی تھی۔ خلیفہ ہشام نے اپنے ولی عہد ولید دوم کی ولی عہدی کو اس کی نالائقی کے سبب منسوخ کرنے کے لیے دربار سے وابستہ ائمہ کرام جیسے امام زہری اور دوسرے اکابر سے مشورہ کیا تھا۔ حضرت عمر بن عبد العزیز کی مجلس شوریٰ کی تفصیلات تو سب سے زیادہ ملتی ہیں۔

خلافت راشدہ کے تمام مرکزی اور انتظامی شعبے اموی دور حکومت میں بھی باقی رہے۔ ان میں سے تین شعبوں کو اموی حکمرانوں نے خصوصی ترقی دی۔ دیوان الجند (فوجی محکمہ)، دیوان الخراج (صدقات و محاصل کا محکمہ) دیوان الرسائل (سرکاری خط و کتابت کا محکمہ)۔ مرکزی بیت المال اور مرکزی نظامِ قضا، پولیس، جیل اور بعض دوسرے مرکزی شعبے بھی اسی طرح اموی خلافت کے زمانے میں قائم رہے، جیسے کہ وہ خلافت راشدہ میں تھے۔ ان کے علاوہ بعض نئے مرکزی محکمے بھی قائم کیے گئے، جن میں سے دو بہت اہم ہیں:

(1) دیوان البرید (ڈاک اور مراسلات کا محکمہ)　　(2) دیوان الخاتم (مہر لگانے اور سرکاری نقل رکھنے کا محکمہ)

(1) دیوان البرید (ڈاک اور مراسلات کا محکمہ)

اگرچہ اس محکمہ کی بنیاد خلیفہ ثانی حضرت عمرؓ کے زمانے میں پڑی تھی، تاہم اس کی صحیح ترتیب و تنظیم حضرت معاویہ کے عہد میں ہوئی۔ انھوں نے اسلامی ریاست کے تمام صوبوں اور ان کے اہم شہروں سڑکوں کے ذریعے صدر مقام یعنی پایۂ خلافت سے جوڑ دیا۔ سڑکوں کے کنارے سرائیں اور کنویں وغیرہ بنوائے۔ ہر مخصوص فاصلے پر ڈاک کی چوکیاں قائم کیں۔ جہاں تازہ دم گھوڑے اور ہرکارے رہتے تھے، جو ایک چوکی سے دوسری چوکی تک اور دوسری چوکی سے تیسری چوکی تک (Relay System) کے ذریعے تھوڑی مدت میں سرکاری کاغذات ایک مقام سے دوسرے مقام تک پہنچا دیا کرتے تھے۔

(2)دیوان الخاتم (مہر لگانے اور سرکاری نقل رکھنے کا محکمہ)

اس کا تعلق دراصل دیوان الرسائل یعنی خطوط و فرامین کے شعبے سے تھا۔ پہلے تمام سرکاری خطوط اور کاغذات کھلے طور سے بھیج دیے جاتے تھے کہ قاصد ان کو پڑھتا تھا اور بے اصول شخص ان کے مضمون میں ہیر پھیر کر سکتا تھا۔ حضرت معاویہ کے عہد میں ایسا ہی ایک واقعہ ہوا۔ انھوں نے حضرت عبداللہ بن زبیر کے ایک بھائی عمر بن زبیر کو کوفہ کے خزانے سے ایک لاکھ درہم کا عطیہ دلایا اور اس مقصد کے لیے گورنرِ کوفہ زیاد بن ابی سفیان کو انھیں کے ہاتھ ایک خط بھیج دیا اور موصوف نے خط کھول کر پڑھا تو اس کی رقم دوگنی اپنے قلم سے کر دی۔ گورنر کوفہ نے اسی کے مطابق ان کو رقم دے دی۔ لیکن جب انھوں نے خلیفہ کو اپنے صوبہ کی آمد و خرچ کا سالانہ حساب پیش کیا تو حضرت معاویہ نے کہا کہ انھوں نے تو صرف ایک لاکھ کی رقم دی تھی۔ اس پر ان کا خط گورنر کوفہ نے پیش کر دیا۔ تب معلوم ہوا کہ جعل کیا گیا ہے۔ زائد رقم حضرت معاویہ نے وصول کر لی۔

اس کے بعد یہ طریقہ ایجاد کیا گیا کہ ہر خط اور کاغذ کی ایک نقل بھی تیار کی جاتی جو مرکزی دیوان الخاتم میں رہتی اور اصل خط یا کاغذ کو لفافہ میں بند کر کے اس پر مہر لگا کر دی جاتی تھی، تاکہ جعل سازی نہ ہو سکے اور خفیہ بھی رہے۔

8.3.3 سکہ

حضرت عمر فاروقؓ نے 18ھ/639ء میں 14 گریٹ یا 7/10 مثقال پر مبنی اسلامی درہم جاری کیا تھا۔ اس پر کلمہ طیبہ لکھا ہوتا تھا۔ انھوں نے ہی درہم و دینار کا باہمی تعلق ایک اور دس قائم کیا یعنی سونے کے سکے دینار میں چاندی کے دس درہم ہوتے تھے۔

پھر حضرت معاویہؓ نے اپنے دور میں اسلامی درہم و دینار ڈھالے، لیکن وہ زیادہ کامیاب نہ ہو سکے۔ پھر مصعب بن زبیر گورنر عراق نے اپنے بھائی عبداللہ بن زبیر کی خلافت کے دوران درہم و دینار جاری کیے۔ لیکن اصل اسلامی سکہ، جو رائج و مقبول ہوا، خلیفہ عبدالملک اموی کا جاری کردہ ہے۔ ان کے درہم و دینار کا تناسب بھی پہلے ایک اور دس کا رہا جو بعد میں ایک اور بارہ کا ہو گیا۔ یزید بن عبدالملک کے دور میں گورنرِ عراق عمرو بن ہبیرہ نے ہبیرہ دارالضرب (Mint) میں جو درہم ڈھالا وہ چھ دانق کے معیاری وزن کا تھا۔ ہشام نے اس کو سات دانق کا کر دیا اور اس کے مطابق گورنر عراق خالد قسری نے خالدیہ ٹکسال میں ایسے سکے ڈھالے۔ بعد میں درہم پھر چھ دانق کا رہ گیا۔ دانق ڈھائی قیراط کا ہوتا تھا یعنی جَو کے بیس دانوں کے وزن کے برابر۔

8.3.4 حاجب

اموی دورِ حکومت میں حاجب کا عہدہ بہت طاقت ور ہو گیا تھا۔ یہ نیا عہدہ نہیں تھا، لیکن پہلے حاجب معمولی افسر ہوتا تھا جو لوگوں یا اکابر کو خلیفہ سے ملاتا تھا۔ لیکن رفتہ رفتہ خلیفہ سے قربت کے سبب یہ عہدہ اور عہدے دار صاحبِ اختیار و قوت ہوتا گیا اور اس پر بہت اہم لوگوں کی تقرری ہونے لگی۔ بعد میں یہ عہدے دار وزیر اعظم کے برابر بن گیا تھا۔ حضرت امیر معاویہ کے عہد سے قبل بلکہ عہد نبوی میں بھی حاجب کے عہدہ کا سراغ ملتا ہے۔ لیکن اس کو پہلے کوئی اختیار نہ تھا۔ اموی دور میں وہ صاحب اختیار افسر بن گیا جو لوگوں کی معمولی اور عام ضروریات خود پوری کر دیتا تھا۔ اہم فیصلوں اور کاموں کے لیے البتہ وہ خلفاء سے لوگوں کو ملواتا تھا۔ حضرت معاویہ کے عہد سے اس کے

اختیارات بڑھے۔ عبدالملک کے حاجب قبیصہ بن ذویب خزاعی اور سلیمان بن عبدالملک کے حاجب رجاء بن حیوہ کندی صاحبِ علم و فضل ہونے کے علاوہ بہت اختیارات والے بھی تھے۔

8.4 صوبائی انتظامیہ

خلافت راشدہ کی طرح اموی دور حکومت میں بھی صوبائی انتظامیہ قائم رہی۔ البتہ اس میں بہت اضافہ اور ترقی ہوئی۔ صوبوں کی تعداد بھی بڑھی اور اختیارات بھی۔ پوری اسلامی مملکت کو چھ بڑے ولایات یا ڈویزنس میں تقسیم کیا گیا تھا:

(1) جزیرۃ العرب	(2) عراق	(3) عراق بالا (الجزیرۃ میسوپوٹیمیا)
(4) شام	(5) مصر و افریقہ	(6) ترکستان یا خراسان

ان عظیم تر ولایات کے اندر صوبے ہوتے تھے جو بذات خود کافی اہم اور طاقت کے مراکز تھے: جیسے جزیرۃ العرب میں حجاز (مکہ، مدینہ) یمن، عراق اور ہجر وغیرہ تھے۔ عراق زیریں میں کوفہ، بصرہ، واسط، مدائن، حلوان وغیرہ صوبے تھے۔ عراق بالا میں موصل، عمد اور رقہ صوبائی صدر مقامات تھے۔ شام میں قنسرین، حمص، دمشق، اردن، فلسطین کے وسیع و عریض صوبے تھے۔ مصر میں جفار، حوف، ریف، اسکندریہ، فسطاط اور الصعید وغیرہ کئی صوبے تھے۔ المغرب کا صوبہ جب الگ ہوا تو کئی ممالک پر مشتمل تھا، جیسے لیبیا، الجیریا، تیونس، مراکش اور اندلس اور ان کے اندرونی عمالات بھی صوبوں کے برابر تھے، جیسے برقہ، قیروان، تاہرات، سجلماسہ، فاس، سوس وغیرہ۔ اندلس تو خود ایک وسیع ملک تھا جو اپنے صوبے اور ولایات رکھتا تھا۔ خراسان کے صوبے میں پورا ایران وسط ایشیا شامل تھا اور پھر افغانستان اور ہند کے علاقے بھی اسی کے تحت اور والی عراق کے زیر حکومت تھے۔

8.4.1 والی یا گورنر

اموی دور خلافت میں صوبائی نظم و نسق میں ایک اہم ترقی یہ پیدا ہوئی کہ پہلے عراق میں کوفہ اور بصرہ کے گورنر الگ الگ ہوتے تھے اس کے اور مشرقی علاقوں کے صوبے دار اور گورنر بھی الگ ہوتے تھے۔ وہ اپنے معاملات میں آزاد و بااختیار ہوتے تھے اور براہ راست خلیفہ کے ماتحت ہوتے تھے۔ لیکن حضرت معاویہ کے زمانے سے پہلے تو کوفہ اور بصرہ کے لیے ایک ہی گورنر مقرر کیا جانے لگا اور وہ زیاد بن ابی سفیان اموی تھے، پھر اس کو پورے ولایت عراق پر برتری حاصل ہو گئی۔ بعد میں گورنر عراق پورے مشرقی علاقے یعنی ایران، خراسان، ترکستان، افغانستان اور ہندوستان وغیرہ کا گورنر جنرل ہونے لگا۔ ان تمام علاقوں کے گورنر عراق کے ماتحت ہوتے تھے اور اس کے احکام کے پابند بھی۔ اکثر و بیشتر ان کی تقرری، ان کے علاقوں میں سالاروں کی تقرری اور فوجی مہموں کی تنظیم وغیرہ گورنر عراق کے ہاتھ میں ہوتی تھی۔

8.4.2 فوج

اموی خلافت میں بھی فوجی نظام بنیادی طور پر وہی رہا جو خلافت راشدہ کے اولین دور میں تھا۔ وہ پانچ بنیادی بازوؤں - مقدمہ، میمنہ،

میسرہ، اور مؤخرہ/ساقہ پر مشتمل رہا۔ اسی طرح اس کے تین ڈویژن یعنی پیدل، شہسوار اور تیر انداز بھی قائم رہے۔ البتہ شہسوار فوج میں بہت ترقی اور اضافہ ہوا۔ اسی طرح ہتھیار وغیرہ بھی رہے لیکن ان کی تعداد، معیار اور ساخت وغیرہ میں بہت ترقی ہوئی۔ خاص کر قلعہ شکن آلات جیسے منجنیق، دبابہ وغیرہ میں اور ان کا استعمال بھی بہت بڑھا۔ منجنیق پتھر پھینکنے والے آلات ہوتے تھے، جن کے پتھروں سے قلعہ کی دیواروں میں شگاف پڑ جاتے تھے۔ اسی طرح دبابہ اور عرادہ وغیرہ کئی منزلہ گاڑیاں ہوتی تھیں، جن پر کھالیں چڑھادی جاتی تھیں اور اندر فوجی بیٹھتے تھے۔ ان کے پاس میخیں اور نقب یا سوراخ کرنے کے اوزار ہوتے تھے جن کی مدد سے وہ قلعہ کی دیواروں میں سوراخ کر کے میخیں لگاتے اور ان کے سہارے فصیلوں پر چڑھ جاتے اور قلعہ کی دیواروں سے اتر کر دروازے کھول دیتے تھے۔

اموی دور میں فوجی نظام کے بعض شعبوں میں غیر معمولی ترقی ہوئی۔ اول یہ کہ خلیفہ کی مستقل فوج بنائی گئی۔ پہلے خلیفۂ اسلام کی اپنی کوئی خاص اور مستقل فوج نہ ہوتی تھی۔ قبائل فوجی ٹکڑیوں سے ضرورت کے وقت پایۂ تخت میں جو اسلامی فوج جمع کی جاتی تھی، وہی خلیفہ کی فوج ہوتی تھی، لیکن وہ ہر مہم کے لیے بھرتی کی جاتی اور مہم کے خاتمہ کے بعد ہر قبائلی دستہ یا ٹکڑا اپنے علاقہ کو واپس چلا جاتا تھا۔ زمانۂ امن میں دارالخلافہ میں کوئی فوج خلیفہ کے پاس نہیں رہتی تھی۔ حضرت معاویہ اموی کے زمانے میں جب قبائل کی عصبیت بڑھی اور یمنی اور مضری قبائل جھڑپیں ہوئیں تو انھوں نے ایک مستقل فوج کی ضرورت محسوس کی۔ دوسرا سبب یہ بھی تھا کہ صوبوں کی فوجی طاقت اور قبائل کی عسکری تنظیم کے سبب خلیفہ ان کی امداد پر منحصر تھا۔ اس کا اندازہ ان کو اپنے تجربے سے بھی ہوا تھا۔ اس کے علاوہ وہ شام میں بیس برس تک گورنر رہے تھے اور وہاں بازنطینی اداروں کی موجودگی کا بھی ان پر اثر پڑا تھا۔ ان میں سے ایک یہ تھا کہ بازنطینی شہنشاہ کی اپنی مستقل مرکزی فوج ہوتی تھی۔ اِن اور اِن جیسے دوسرے اسباب سے انھوں نے ایک مستقل فوج بھرتی کی، جو شامی لوگوں پر مشتمل تھی۔ اس میں مسلم شامی یمنی قبائل کے علاوہ وفادار ذمیوں خاص کر عیسائیوں کی بھی ایک بڑی تعداد بھرتی کی گئی تھی۔

چوں کہ پہلے قبائلی فوجیں مستقل نہیں رہتی تھیں اور مہم کے خاتمے کے بعد کا کام ختم ہو جاتا تھا۔ اس لیے ان کو صرف مال غنیمت سے ہی حصہ ملا کرتا تھا اور تنخواہ نہ ملتی تھی۔ حضرت معاویہ نے جب مرکزی مستقل فوج قائم کی تو ان کی تنخواہیں مقرر کیں جو ان کو ماہانہ ادا کی جاتی تھیں۔ بعد میں گورنروں نے بھی اسی بنیاد پر اپنی مستقل فوجیں بھرتی کیں۔

حضرت معاویہ کے دورِ حکومت ہی میں بحری فوج (Navy) کو مزید ترقی ملی اور اس کے سبب بحر روم کے جزیروں کو فتح کیا گیا۔ ان کے عہد کے بعد اسلامی بحریہ میں برابر تنظیمی اور حربی ترقی ہوتی رہی۔ جہاز سازی کے نئے کارخانے قائم کیے گئے۔ شامی مغربی ساحل کے علاوہ بصرہ اور دوسری عراقی بندرگاہوں خاص کر شمالی افریقہ کے کئی مقامات جیسے تیونس، اسکندریہ، طبنہ، سبتہ وغیرہ میں جہاز سازی کے کارخانے لگائے گئے اور فن جہاز سازی کو ترقی دی گئی۔ بحریہ کی یہی حربی طاقت تھی، جس نے اندلس، پرتگال اور جنوبی فرانس اور بحرِ روم میں واقع جزیروں کی فتوحات کے علاوہ جنوبی یورپ کے بعض دوسرے علاقوں پر بھی فتح کے جھنڈے گاڑے تھے۔

خلافت راشدہ میں کوفہ، بصرہ اور فسطاط وغیرہ کی فوجی چھاؤنیاں قائم تھیں، لیکن فتوحات کے سرحدوں سے آگے بڑھنے کے سبب ان کی اہمیت کم ہوتی گئی۔ پھر بھی وہ عراق و مصر وغیرہ کے گورنروں کے صدر مقام ہونے کے سبب اہم رہیں۔ ان کے علاوہ بہت سی نئی فوجی

چھاؤنیاں بھی قائم ہوئیں۔ مثلاً خراسان میں مرو سب سے اہم چھاؤنی تھی۔ عہد معاویہ میں زیاد بن ابی سفیان نے خراسان میں کئی چھاؤنیاں قائم کی تھیں۔ افریقہ میں برقہ، قیروان، تیونس، طبجہ وغیرہ بہت اہم فوجی چھاؤنیاں تھی۔ جہاں فوجوں کے علاوہ جنگی ساز وسامان بھی ذخیرہ کیا جاتا تھا۔

8.4.3 مالیات

اموی خلفاء نے خلافت کا مالی نظام خلافت راشدہ سے وراثت میں پایا تھا۔ ان کی آمدنی کی بنیادی طور تین ذرائع تھے:

۱۔ مسلمانوں سے صدقات وزکوٰۃ، عشر، نصف العشر وغیرہ

۲۔ غیر مسلم رعایا سے جزیہ اور اگر وہ کاشت کار ہوں تو خراج

۳۔ مالِ غنیمت کا پانچواں حصہ (خمس) تھا، جو مرکزی بیت المال میں آتا تھا۔

صوبائی نظامِ مالیات میں بھی وہی بنیادی تین قسمیں جاری رہیں، جو خلفائے راشدین کے زمانے سے وجود میں آئی تھیں، یعنی:

(1) عہد اراضی (2) صلح اراضی (3) مفتوحہ یا مقبوضہ آراضی

مالیات کا باقاعدہ نظام حضرت امیر معاویہؓ نے مرتب کیا تھا۔ ان کے جانشین اموی خلفاء نے اس کو ترقی دی اور مزید منظم کیا۔ اس ضمن میں یہ اہم بات یاد رکھنے کی ہے کہ پوری اسلامی ریاست کا مالی نظام اور محاصل کی وصولی کا طریقہ یکساں نہ تھا، بلکہ ہر صوبہ کا الگ نظام تھا۔ اس کا ایک سبب یہ تھا کہ مسلمانوں نے جب ان علاقوں کو فتح کیا تو وہاں جو نظامِ مالیات نافذ تھا، اسی کو معمولی ردّوبدل کے ساتھ قبول کر لیا۔ اس طرح عراق میں سواد کا نظامِ مال الگ تھا، الجزیرہ (میسوپوٹیمیا)، شام، مصر اور خراسان کے مالی نظام الگ تھے۔ بعد میں جو علاقے اموی خلفاء نے فتح کیے ان کا نظام زیادہ تر الگ رہا۔ حضرت معاویہ نے مشرقی علاقے میں زیاد بن ابی سفیان اور مغرب میں سرجون ابن منصور کی مدد سے حقیقی وزارتِ مال قائم کی۔ انھوں نے صوافی (State Lands) کی آمدنی اور عام زمینوں کے مالیے میں فرق کیا۔

8.5 فرہنگ

- استصواب: استفسار کرنا، مشورہ لینا۔ اصطلاحی معنی: استصواب رائے (Plebiscite/Referendum) سے مراد کسی اہم قومی، سیاسی یا آئینی مسئلے پر عوام سے براہ راست رائے طلب کرنا ہے۔ یہ ایک جمہوری عمل ہے جس کے ذریعے کسی خاص تجویز، قانون یا فیصلے کے حق یا مخالفت میں عوامی اکثریت معلوم کی جاتی ہے
- منجنیق: قدیم توپ نما آلہ جو جنگوں میں پتھر پھینکنے کے لیے بنائے جاتے تھے۔ محصول (ج) محاصل: Tax
- ٹکسال: وہ ادارہ جس میں ملک کے سکے ڈھالے جاتے ہیں (Mint)
- مرکزی حکومت — Central Administration
- دیوانی نظام — Bureaucratic / Diwan System

- دیوان الخراج—Department of Revenue / Finance
- دیوان الجند—Military Department
- دیوان الرسائل—Chancery / Department of Correspondence
- دیوان الخاتم—Department of Seal / State Documentation Office
- صوبائی نظام—Provincial Administration
- بیت المال—State Treasury
- جزیہ—Poll Tax (on non-Muslims)

8.6 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے درج ذیل نکات سیکھے:

- بنوامیہ کا نظام حکومت ایک مضبوط مرکزی ڈھانچے اور مؤثر انتظامی اصولوں پر قائم تھا، جس نے ایک وسیع سلطنت کو منظم طریقے سے چلانے میں اہم کردار ادا کیا۔
- مرکزی حکومت: خلیفہ ریاست کا سربراہ تھا اور تمام اختیارات اسی کے پاس تھے۔ دارالحکومت دمشق سے پورا نظام چلایا جاتا تھا۔
- صوبائی نظام: سلطنت کو مختلف صوبوں میں تقسیم کیا گیا، جہاں گورنر (والی) نظم و نسق اور ٹیکس کی وصولی کے ذمہ دار تھے۔
- مالیاتی نظام: خراج، جزیہ اور زکوٰۃ جیسے ذرائع سے آمدنی حاصل کی جاتی تھی، جسے بیت المال میں جمع کیا جاتا تھا۔
- عدالتی نظام: قاضی شریعت کے مطابق فیصلے کرتے تھے، جس سے عدل و انصاف قائم رہتا تھا۔
- فوجی نظام: ایک مضبوط اور منظم فوج قائم کی گئی، جس نے سرحدوں کی حفاظت اور فتوحات میں اہم کردار ادا کیا۔
- انتظامی اصلاحات: عبدالملک بن مروان نے عربی کو سرکاری زبان بنایا، سکہ جاری کیا اور ڈاک کے نظام کو بہتر بنایا۔

8.7 نمونہ امتحانی سوالات

8.7.1 معروضی جوابات کے متقاضی سوالات

1) اسلامی حکومت میں کس حکمراں نے اسلامی سکّہ بنا کر عام کیا؟

(a). حضرت امیر معاویہؓ (b). ولید (c). مروان (d). عبدالملک

2) اندلس اور سندھ کس حکمراں کے دور میں فتح ہوئے؟

(a). ولید ابن عبدالملک (b). یزید ثانی (c). ہشام ابن عبدالملک (d). مروان ابن حکم

3) بحری فوج کے قیام واستحکام کے سلسلے میں کس حکمراں نے سب سے اہم خدمات انجام دیں؟

(a). یزید ابن معاویہ (b). معاویہ ابن یزید (c). حضرت امیر معاویہؓ (d). ابراہیم

4) اموی دورِ حکومت کا آخری کامیاب ترین حکمراں کون تھا؟

(a). ولید (b). ہشام (c). عمر ابن عبدالعزیز (d). مروان ثانی

5) مالیات کا باقاعدہ نظام کس نے مرتب کیا تھا؟

(a) امیر معاویہ (b). ہشام (c). عمر ابن عبدالعزیز (d). مروان ثانی

6) اموی خلفاء نے خلافت کا مالی نظام خلافت راشدہ سے وراثت میں پایا تھا۔ ان کی آمدنی کی بنیادی طور کتنے ذرائع تھے؟

(a) تین (b). پانچ (c). سات (d). نو

7) ہشام کے دور میں درہم کا کیا وزن تھا؟

(a) تین وانق (b). پانچ وانق (c). سات وانق (d). نو وانق

8) اموی دور میں اسلامی سلطنت کو کتنے ولایات (صوبوں) میں تقسیم کیا گیا تھا؟

(a) تین (b). پانچ (c). چھ (d). نو

9) حضرت امیر معاویہ نے کس کی مدد سے مشرقی علاقوں میں وزارت مال قائم کیا تھا؟

(a). کعب بن ابی (b). زیاد بن ابی سفیان (c). مہلب بن ابی صفرہ (d). عمر بن عبدالعزیز

10) سلیمان بن عبدالملک نے کس کے مشورہ سے عمر بن عبدالعزیز کو ولی عہد نامزد کیا تھا؟

(a). رجاء بن حیوۃ کندی (b). ہشام بن عبدالملک (c). امام زہری (d). سب غلط

8.7.2 مختصر جوابات کے متقاضی سوالات

1) اموی حکومت میں خلیفہ اور ولی عہد کی حیثیت واضح کیجیے۔

2) مجلس شوریٰ پر اپنی معلومات قلم بند کیجیے۔

3) فوجی نظام پر روشنی ڈالیے۔

4) اموی عہد کی صوبائی انتظامیہ پر اپنی رائے پیش کیجیے۔

5) ہشام بن عبدالملک کے نظام حکومت پر مختصر نوٹ لکھیے۔

8.7.3 طویل جوابات کے متقاضی سوالات

1) اموی نظامِ حکومت کا ڈھانچہ بیان کیجیے۔

2) اموی نظام حکومت پر مجموعی نظر ڈالیں۔

3) حضرت عمر بن عبدالعزیز کے نظام حکومت پر روشنی ڈالیے۔

8.8 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1) تاریخ اسلام (دوم) : شاہ معین الدین ندوی

2) تاریخ دعوت وعزیمت (اوّل) : مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

3) تاریخ تہذیب اسلامی (دوم) : پروفیسر محمد یاسین مظہر صدیقی ندوی

4) مختصر تاریخ اسلام : غلام رسول مہر

5) تاریخ عرب : فلپ کے ہٹی

6) بنوہاشم اور بنوامیہ کے معاشرتی تعلقات : پروفیسر محمد یاسین مظہر صدیقی ندوی

7) ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ (اوّل) : ثروت صولت

8) تاریخ عالم : ولیم ایل لینگر

معروضی سوالات کے جوابات

1. D	2. A	3. C	4.	5. B	6. A
7. A	8. C	9. C	10.	11. B	12. A

اکائی9: اموی حکومت کا نظم ونسق (حصہ دوم)

اکائی کے اجزا:

9.0 تمہید

9.1 مقاصد

9.2 نظامِ حکومت کا تنوع

9.3 حضرت امیر معاویہؓ کا نظامِ حکومت

9.4 عبدالملک ابن مروان کا نظامِ حکومت

9.5 ولید ابن عبدالملک کا نظامِ حکومت

9.6 حضرت عمر ابن عبدالعزیز کا نظامِ حکومت

9.7 ہشام ابن عبدالملک کا نظامِ حکومت

9.8 فرہنگ

9.9 اکتسابی نتائج

9.10 نمونہ امتحانی سوالات

9.10.1 معروضی جوابات کے متقاضی سوالات

9.10.2 مختصر جوابات کے متقاضی سوالات

9.10.3 طویل جوابات کے متقاضی سوالات

9.11 تجویز کردہ اکتسابی مواد

9.0 تمہید

آپ نے پچھلی اکائی میں پڑھا کہ بنو امیہ کا دور اسلامی تاریخ میں نظم ونسق کے استحکام اور انتظامی ارتقاء کا دور سمجھا جاتا ہے۔ خلافتِ

راشدہ کے بعد جب سلطنت کی حدود تیزی سے وسیع ہوئیں تو ایک مضبوط اور منظم حکومتی ڈھانچے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اموی خلفاء نے اس ضرورت کو مد نظر رکھتے ہوئے مرکزی اور صوبائی سطح پر ایسے ادارے قائم کیے جنہوں نے نہ صرف وسیع سلطنت کو سنبھالا بلکہ انتظامی استحکام بھی فراہم کیا۔ بنوامیہ کے مختلف خلفاء نے اپنے اپنے انداز میں نظامِ حکومت کو منظم کیا۔ اگرچہ بنیادی ڈھانچہ ایک جیسا تھا، لیکن ہر خلیفہ نے اپنی صلاحیت اور حالات کے مطابق اصلاحات اور تبدیلیاں کیں۔ اس اکائی میں ہم مختلف خلفاء بنوامیہ کے انتظام سلطنت کے حوالے سے گفتگو کریں گے۔

9.1 مقاصد

اس اکائی کا مقصد ہے کہ آپ:

- بنوامیہ کے اہم خلفاء (معاویہؓ، عبدالملک، ولید، عمر بن عبدالعزیزؒ، ہشام) کے نظامِ حکومت کی بنیادی خصوصیات بیان کر سکیں۔
- ہر خلیفہ کی اصلاحات اور اقدامات کے پس منظر کو واضح کر سکیں۔
- اسلامی اصولِ حکمرانی کی روشنی میں اموی حکومت کے نظم و نسق کی خوبیوں اور کمزوریوں پر تنقیدی رائے دے سکیں۔
- اموی دور کے انتظامی نظام پر تحقیقی نوٹ یا رپورٹ تحریر کر سکیں۔

9.2 نظامِ حکومت کا تنوع

بنوامیہ کی حکومت 92ھ سال قائم رہی۔ اس مدت میں 24ھ سال حضرت امیر معاویہؓ کا خاندان حاکم رہا اور باقی 68ھ سال مروان کے خاندان نے حکومت کی۔ خلافت راشدہ کے فوراً بعد قائم ہونے کی وجہ سے اس حکومت کے لیے یہ بہت سنہری موقع تھا کہ اسے جما جمایا اور مستحکم نظامِ حکومت مل گیا تھا۔ اُس وقت تک صحابہ کرام اور اُن کے زیر تربیت پلنے والے تابعینِ کرام سلطنت کے ہر گوشے میں پھیلے ہوئے تھے۔ اخلاص و دیانت داری کا وافر حصہ تھا۔ معاشرے میں وہ فتنہ و فساد نہیں تھا، جو آگے چل کر پیدا ہوا۔ عوام کے دلوں میں اسلام اور اسلامی تعلیمات کا احترام باقی تھا۔ اس لیے اموی حکومت کو اپنا نظام جمانے اور چلانے میں زیادہ مشکلات کا امکان نہیں تھا۔ پہلے اموی خلیفہ حضرت امیر معاویہ کے لیے جہاں یہ ایک سنہری موقع تھا، وہیں یہ ایک نازک ذمے داری اور آزمائش و امتحان کا بڑا نازک مرحلہ بھی تھا۔ کیوں کہ لوگوں کے سامنے خلافت راشدہ کا مقدس اور عادلانہ نظام تھا۔ جب کوئی بڑا انسان دنیا سے جاتا ہے تو اس کے جانشین کو ہر شخص اُسی جیسا دیکھنا چاہتا ہے۔ بات بات میں کہا جاتا ہے کہ فلاں تو ایسا تھا، لیکن اس شخص میں وہ بات نہیں ہے۔ ایسے میں اگر اُس جانشین سے کوئی غلطی ہو جائے تو ہر طرف سے طعن و تشنیع کے نشتر چلنے لگتے ہیں۔ بنوامیہ کو بھی اس صورت حال کا سامنا کرنا پڑا۔ ہر شخص اس نظام حکومت کو خلافت راشدہ کے نظامِ حکومت کے مقابلے میں رکھ کر دیکھ رہا تھا۔ اس لیے اموی نظامِ حکومت کے سامنے لوگوں کی توقعات پر پورا اترنا ایک بڑا چیلنج بھی تھا۔

یہاں یہ بات بھی ذہن میں رہنی چاہیے کہ تقریباً ایک صدی تک چلنے والی حکومت کا نظامِ حکومت مختلف مراحل سے گزرتا ہے۔ اس میں مختلف حکمراں ہوتے ہیں۔ ہر حکمراں کا اپنا مزاج اور منہج ہوتا ہے۔ اُسی کے مزاج کے مطابق پوری سلطنت کام کرتی ہے۔ اس لیے اس

طرح کی کسی سلطنت کے نظامِ حکومت کا مجموعی تجزیہ کرنے سے پہلے ضروری ہوتا ہے کہ اس حکومت کے مرکزی کرداروں کو اچھی طرح سمجھ لیا جائے۔ تاکہ یہ بات پتا چل سکے کہ اس حکومت میں قائم ہونے والے نظامِ حکومت میں کس کس طرح کی تبدیلیاں واقع ہوئیں؟ کس حکمراں کے دور میں کیا تغیرات ہوئے؟ پھر ان تمام تغیرات سے گزرنے کے بعد جب یہ حکومت ختم ہو گئی تو اس پر کیے جانے والے مجموعی تجزیے کا کیا انداز ہونا چاہیے؟ یعنی اموی حکومت کے تقریباً ایک صدی تک چلنے والے نظامِ حکومت کو سمجھنے کے لیے اس پورے نظام کے تنوع کو سمجھنا ضروری ہے۔

9.3 حضرت امیر معاویہؓ کا نظامِ حکومت

پہلے اموی خلیفہ کی حیثیت سے حضرت امیر معاویہؓ کا دورِ حکومت انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ مؤرخین کا ماننا ہے کہ ان کے زمانے میں سب سے بڑا انقلاب یہ ہوا کہ خلافت اسلامیہ موروثی و شخصی حکومت کے قالب میں آگئی، جس سے اس کی اصل روح بدل گئی، لیکن اس کا ظاہری ڈھانچہ وہی رہا جو خلافت راشدہ کے زمانے میں تھا، بلکہ امیر معاویہؓ نے اس کو مختلف حیثیتوں سے اور زیادہ ترقی دی۔ مسلسل خانہ جنگی سے نظامِ خلافت میں جو برہمی پیدا ہو رہی تھی اسے از سر نو قائم کیا۔ اندرونی اور بیرونی طاقتوں کا خاتمہ کر کے امن و سکون پیدا کیا۔ بغاوتیں ختم کیں، نئے ملک فتح کیے، نئے شعبے قائم کیے اور اپنے بعد ایک وسیع اور طاقتور حکومت چھوڑ کر گئے۔

امیر معاویہؓ نے حکومت کو مضبوط مرکزی کنٹرول کے تحت رکھا۔ تمام اہم فیصلے دارالحکومت Damascus سے کیے جاتے تھے۔ انہوں نے گورنروں (ولاۃ) کو مختلف علاقوں میں مقرر کیا جو براہِ راست خلیفہ کو جوابدہ تھے۔ حضرت امیر معاویہؓ کی حکومت میں خلافت راشدہ کی طرح مہاجرین وانصار کی مجلس شوریٰ نہیں تھی، تاہم عرب کے اکثر نامور مدبر مثلاً حضرت عمرو بن العاص، حضرت مغیرہ بن شعبہ اور زیاد بن ابی سفیان امیر معاویہ کے خاص مشیروں میں تھے اور کوئی اہم کام بغیر ان کے مشورے کے انجام نہ پاتا تھا۔ امیر معاویہؓ کی کامیابیاں ان کی ذاتی تدبیر وسیاست کے علاوہ ان مدبرین کی صلاح ومشورہ کا بھی نتیجہ تھیں۔ اس کے علاوہ امیر معاویہؓ کے زمانے میں صوبوں کی تقسیم اور اس کا نظام وہی رہا جو عہد فاروقی میں تھا۔ مغرب کے نئے مفتوحہ علاقے مصر کے اور مشرق کے خراسان کے ماتحت تھے اور ان کے نظام میں کوئی خاص تغیر نہیں ہوا۔

اسی طرح فوج کی سپہ سالاری کئی پشتوں سے بنی امیہ میں چلی آرہی تھی۔ اس لیے امیر معاویہؓ کے زمانے میں فوج کے شعبے میں نمایاں ترقی کی گئی۔ بری فوج کا نظام حضرت عمرؓ ہی کے زمانے میں اتنا مکمل ہو چکا تھا کہ اس میں کسی مزید ترمیم واضافے کی ضرورت نہ تھی۔ اس لیے بحری فوج میں نمایاں ترقی ہوئی۔ بحری فوج امیر معاویہؓ نے حضرت عثمانؓ ہی کے زمانے میں قائم کر دی تھی اور اس کو اتنی ترقی دی تھی کہ اسی زمانے میں پانچ سو جہازوں کے بیڑے کے ساتھ قبرص پر حملہ کیا تھا۔ خود ان کے زمانے میں بحری بیڑا اتنا طاقت ور ہو گیا تھا کہ بحر روم مسلمانوں کا بازی گاہ بن گیا۔ حضرت امیر معاویہ نے بحری فوج میں سپہ سالاری کا مستقل عہدہ قائم کیا، اور سب سے پہلے جنادہ بن ابی امیہ اور عبداللہ بن قیس حارثیؓ اس عہدے پر فائز کیے گئے۔ عبداللہ نے پچاس بحری معرکے سر کیے اور حضرت جنادہؓ یزید کے زمانے تک بحری

لڑائیوں میں مصروف رہے۔ ساتھ ہی جابجا جہاز سازی کے کارخانے قائم کیے۔ سب سے پہلے یہ کارخانہ مصر میں قائم ہوا۔ مؤرخ بلاذری کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام ساحلی مقاموں پر جہاز بنانے کے کارخانے تھے۔

حضرت امیر معاویہؓ نے موسم اور مختلف ملکوں کی آب وہوا کے اعتبار سے فوج کی دو قسمیں شایۃ اور صائفہ، یعنی سرمائی فوج اور گرمائی فوج تیار کیں، جو موسم کے لحاظ سے مختلف ملکوں میں برسرپیکار رہتی تھیں۔ خاص طور پر رومیوں کے مقابلے کے لیے سرحدی علاقوں میں فوجی چھاؤنیاں قائم کیں، بہت سے نئے قلعے بھی بنوائے گئے اور پرانے قلعوں کی مرمت کرائی گئی۔ خصوصاً شام میں جو اموی حکومت کا پایہ تخت تھا اور جس پر رومیوں کے حملے کا زیادہ خطرہ تھا، قلعوں کو مستحکم کر دیا۔ انطرطوس، بلینارس اور مرقیہ میں نئے قلعے بنوائے۔ رومیوں کے پرانے قلعہ جبلہ کو جو شام کی فتح کے زمانے میں ویران ہو گیا تھا، دوبارہ آباد کیا۔ روڈس میں ایک قلعہ بنوایا، جو سات برس تک قومی مرکز رہا۔ مدینہ میں ایک قلعہ قصر خلد بنوایا۔ اس کے علاوہ قبرص اور ارواڈ میں فوجی چھاؤنیاں قائم کیں۔ قومی ضروریات کے لیے شہر قیروان آباد کیا۔

منجنیق اس زمانے کا ایک زبردست اور ترقی یافتہ ہتھیار تھا۔ اس کے ذریعے دشمن پر بڑے بڑے پتھر برسائے جاتے تھے، جس طرح توپوں اور ٹینکوں سے آگ کے گولے برسائے جاتے ہیں۔ اس کا استعمال مسلمانوں میں غالباً سب سے پہلی مرتبہ امیر معاویہؓ کے عہد میں ہوا۔ کابل کے محاصرے میں سنگباری سے شہر پناہ توڑی گئی تھی۔

امیر معاویہؓ کے دور میں ملک کے اندرونی نظام اور قیام امن کے لیے پولیس کے صیغے کو بڑی ترقی ہوئی۔ خصوصاً عراق میں جہاں ہمیشہ فتنہ وفساد رہتا تھا۔ پولیس کا بڑا زبردست انتظام رہتا تھا۔ شہر کوفہ میں چالیس ہزار پولیس تھی۔ امن وامان کا یہ حال تھا کہ کوئی شخص راستے میں گری پڑی چیز اٹھانے کی ہمت نہ کر سکتا تھا، تاآنکہ خود اس کا مالک آکر نہ اٹھاتا، راتوں کو عورتیں اپنے گھروں میں تنہا کواڑ کھول کر سوتی تھیں۔ زیاد والی عراق کا دعوی تھا کہ اگر کوفہ سے خراسان تک رسی کا ایک ٹکڑا بھی ضائع ہو جائے تو مجھے معلوم ہو جائے گا کہ کس نے لیا۔ ایک مرتبہ اس نے کسی کے گھر سے گھنٹہ بجنے کی آواز سنی، پوچھا تو معلوم ہوا کہ گھر والے پہرہ دے رہے ہیں۔ اس نے کہا اس کی ضرورت نہیں، اگر کسی کا مال ضائع ہو جائے گا تو میں اس کا ذمے دار ہوں۔ قیام امن کے لیے مشتبہ لوگوں کی نگرانی بھی ایک احتیاط ہے۔ امیر معاویہؓ نے دمشق کے تمام بدمعاشوں کے نام درج رجسٹر کرائے تھے۔ زیاد نے جعد بن قیس کو بدمعاشوں کی نگرانی پر مقرر کیا تھا۔

اسلامی حکومت میں امیر معاویہؓ سے پہلے سرکاری ڈاک اور خبر رسانی کا کوئی باقاعدہ محکمہ نہ تھا۔ انھوں نے برید یعنی ڈاک کے نام سے اس کا مستقل شعبہ قائم کیا۔ اس کا نظام کہ ملک بھر میں تھوڑی تھوڑی مسافت پر تیز رفتار گھوڑے ہر وقت تیار رہتے تھے۔ سرکاری ہرکارے منزل بہ منزل انھیں بدلتے ہوئے ایک مقام کی خبریں دوسرے مقام پر لاتے اور لے جاتے تھے۔

اسی طرح سرکاری فرامین کی نقلیں دفتر میں رکھنے کا کوئی انتظام نہ تھا۔ اس سے لوگوں کو ان میں ردّوبدل کا موقع مل جاتا تھا۔ چناں چہ ایک مرتبہ ایک شخص نے ایک لاکھ کے دو لاکھ بنا کر وصول کر لیے، اس وقت سے امیر معاویہؓ نے دیوان خاتم کے نام سے ایک نیا شعبہ قائم کیا، وہ جو حکم صادر کرتے تھے، وہ پہلے دیوان خاتم میں آتا تھا۔ یہاں اس کی ایک نقل رکھ لی جاتی تھی اور دفتر کا محرر حکم نامے کو لفافے میں بند کر کے اس پر مہر لگا کر آگے بڑھاتا تھا، اس احتیاط کے بعد احکام میں تغیر و تبدل کا امکان باقی نہ رہ گیا۔ یہ طریقہ محض احکام شاہی کے لیے مخصوص نہ تھا،

بلکہ بڑے بڑے حکام بھی اس پر عامل تھے، چناں چہ زیاد اپنے تمام فرامین و خطوط کی نقلیں رکھواتا تھا۔

حضرت امیر معاویہؓ کے دور میں تعمیرات اور رفاہ عام کے کام بھی بڑے پیمانے پر کیے گئے۔ ایسے کام جن سے حکومت کے ساتھ رعایا کو بھی فائدہ پہنچا۔ مثال کے طور پر انھوں نے زراعت یا کھیتی باڑی کی ترقی کے لیے بہت سی نہریں جاری کرائیں، جن سے لاکھوں ایکڑ زمین سیر اب ہوتی تھی۔ اس سے ملک کی زراعت میں بڑی ترقی ہوئی اور قحط سالی کا خطرہ بہت کم ہو گیا۔ مدینہ کے قرب وجوار میں نہر کظامہ، نہر ازرق اور نہر شہدا وغیرہ متعدد نہریں کھدوائیں۔ حضرت عمرؓ کے زمانے میں بصرہ میں ایک نہر کھودی گئی تھی، جو نہر معقل کے نام سے موسوم تھی۔ زیاد نے دوبارہ اسے کھدوا کر صاف کرایا۔ عبید اللہ بن زیاد نے بخارا کے کوہستان میں ایک نہر نکالی۔ حکم بن عمروؓ کے اہتمام میں ایک نہر کھودی گئی مگر اس کا افتتاح نہ ہو سکا۔ نہر کے علاوہ پہاڑ کی گھاٹیوں کے گرد بند بندھوا کر تالاب بنوائے گئے، جن میں برسات کا پانی جمع ہوتا تھا۔ ان نہروں کے ذریعے سے پیداوار میں جو ترقی ہوئی، اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ صرف مدینہ کے قرب وجوار کی نہروں کے ذریعے ڈیڑھ لاکھ وسق خرما اور ایک لاکھ وسق گیہوں پیدا ہوتا تھا۔

مجاہدین کے بچوں کے وظائف سب سے پہلے حضرت عمرؓ نے مقرر کیے تھے۔ امیر معاویہؓ نے اس کو قائم رکھا لیکن اتنی ترمیم کر دی کہ دودھ چھوڑنے کے بعد وظیفہ جاری ہوتا تھا۔ خلفائے راشدینؓ کو ذمیوں کے حقوق کی حفاظت میں بڑا اہتمام تھا۔ امیر معاویہؓ کے زمانے میں بھی اس کا لحاظ رکھا گیا۔ ان کے معاہدے کا پورا احترام کیا جاتا تھا۔ عقبہ بن نافع فہری کو جو مصر کے گورنر تھے، تھوڑی سی زمین کی ضرورت تھی۔ امیر معاویہؓ کی اجازت سے انھوں نے ایک پرتی زمین جو کسی کے قبضے میں نہ تھی، انتخاب کی، ان کے نوکر نے کہا: زمین کا کوئی عمدہ ٹکڑا پسند کیجیے۔ انھوں نے کہا: یہ نہیں ہو سکتا، ذمیوں سے جو معاہدہ ہے اس میں ایک شرط یہ بھی ہے کہ ان کی زمین ان کے قبضے سے نہ نکالی جائے گی۔ حضرت عمرؓ کے زمانے میں یوحنا کے گرجے کے پاس مسجد تعمیر ہوئی تھی۔ امیر معاویہؓ نے گرجے کو بھی اس میں شامل کر لینا چاہا، لیکن عیسائی راضی نہ ہوئے، اس لیے یہ خیال ترک کر دیا۔

فوج میں تو غیر مسلم حضرت عمرؓ کے زمانے ہی سے بھرتی کر لیے جاتے تھے، لیکن اس زمانے میں انھوں نے اعتماد نہ پیدا کیا۔ اس لیے ذمے داری کے عہدوں پر ان کا تقرر نہ ہوتا تھا۔ امیر معاویہؓ نے اپنے زمانے میں متعدد غیر مسلموں کو ذمے دار عہدوں پر مامور کیا۔ ابن آثال نصرانی کو حمص کا کلکٹر مقرر کیا اور سرجون بن منصور رومی کو کاتب (پرائیویٹ سیکرٹری) بنایا۔

امیر معاویہؓ کی حکومت خلافت راشدہ کے مقابلے میں دنیوی انداز کی تھی، لیکن بہر حال وہ صحابی رسول ﷺ تھے۔ اس لیے سلطنت کی مادی اور دنیاوی ترقیوں کے ساتھ وہ دین و مذہب کی خدمت سے غافل نہ رہتے تھے۔ اس لیے ان کے زمانے میں اسلام کی بھی خاصی اشاعت ہوئی۔ شمالی افریقہ کے بربری بغاوت کے ساتھ مرتد بھی ہو جاتے تھے۔ قیروان آباد کر کے اس کا تدارک کیا گیا۔ رومیوں کی بھی معتد بہ تعداد دائرۂ اسلام میں داخل ہوئی۔ حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے زمانے میں خانہ کعبہ پر معمولی غلاف چڑھایا جاتا تھا۔ حضرت عثمانؓ نے قیمتی غلاف چڑھایا اور امیر معاویہؓ نے دیباج سے آراستہ کیا اور اس کی خدمت کے لیے غلام مقرر کیے۔ ان کے زمانے میں بکثرت مسجدیں تعمیر ہوئی۔ پرانی مساجد کو وسیع اور مزین کیا گیا۔ قبرص اور قیروان میں جامع مسجد بنوائیں۔ ان کے حکم پر مسلمہ بن مخلدؓ نے

تمام مسجدوں میں مینار بنوائے۔

9.4 عبدالملک ابن مروان کا نظام حکومت

آپ پڑھ چکے ہیں کہ عبدالملک ابن مروان کو اموی حکومت کا دوسرا بانی کہا جاتا ہے۔ معاویہ بن یزید کی دست برداری کے بعد اموی حکومت قریب قریب ختم ہو چکی تھی اور ساری دنیائے اسلام نے عبداللہ بن زبیرؓ کو خلیفہ مان لیا تھا۔ مروان کو اتنی کامیابی ہوئی شام پر قبضہ کر کے دوبارہ مرکز حکومت قائم کر دیا، لیکن مصر پر قبضے کے بعد ہی ان کا انتقال ہو گیا۔ اس لیے باقی سارا ملک ابن زبیرؓ ہی کے زیر حکومت رہا۔

عبدالملک کے ہاتھ میں جس وقت زمام حکومت آئی، اس وقت ساری دنیائے اسلام پر آشوب ہو رہی تھی۔ اس کے زمانے میں بڑے بڑے انقلاب و حوادث پیش آئے۔ عبداللہ بن زبیرؓ پہلے سے مقابلہ میں تھے۔ ان کے علاوہ مختار ثقفی کا خروج، خوارج کی شورش اور ابن اشعث کی انقلاب انگیز بغاوت اسی کے زمانے میں ہوئیں اور بہت سے انقلابات و حوادث پیش آئے جن کی تفصیل آپ پچھلی اکائیوں میں پڑھ چکے ہیں۔ لیکن عبدالملک نے اپنے عزم و استقلال اور تدبر و شجاعت سے ان تمام مخالف حالات پر قابو حاصل کر کے دوبارہ اموی حکومت قائم کر دی۔

عبدالملک بڑا قوی دل اور مستقل مزاج تھا، نازک سے نازک حالات میں گھبراتا نہ تھا۔ مشکلات و مصائب کے ہجوم میں اس کی ہمت اور زیادہ قوی ہو جاتی تھی۔ 6ھ ہجری میں جب وہ مختار ثقفی کے مقابلے کے سلسلے میں پایۂ تخت سے باہر تھا، اس کو ایک ہی شب پے در پے حوصلہ شکن خبریں ملیں کہ اموی حکومت کا قوت بازو عبیداللہ بن زیاد مختار کے مقابلے میں مارا گیا۔ ایک اور ممتاز افسر ابن زبیرؓ کے مقابلے میں کام آیا۔ ان کی فوجیں فلسطین میں داخل ہو گئیں۔ شام کی سرحد مصیصہ پر رومیوں نے حملہ کر دیا۔ دمشق کے اوباشوں نے شہر میں غدر مچا دیا۔ قیدی جیل توڑ کر نکل گئے اور اعراب نے حمص اور بعلبک پر چڑھائی کر دی۔ ایک وقت میں اتنی مخالف خبریں مستقل مزاج آدمی کو گھبرا دینے کے لیے کافی تھیں، لیکن عبدالملک بالکل نہیں گھبرایا، بلکہ اس شب کو وہ اور راتوں سے زیادہ خوش، بشاش اور مستقل مزاج نظر آیا۔

اس کے اس استقلال اور ہمت و شجاعت نے نہ صرف تمام مخالف حالات پر قابو حاصل کر لیا بلکہ نئی فتوحات بھی حاصل ہوئیں اور سندھ سے لے کر جبرالٹر تک ایک متحدہ حکومت قائم ہو گئی اور اس کے جانشینوں کو اطمینان کے ساتھ تعمیری کاموں کا موقع ملا۔ اس سلسلے میں بعض ایسے نادر واقعات بھی ظہور پذیر ہوئے، جن سے عبدالملک کے دامن پر دھبہ آتا ہے۔ مثلاً خانۂ کعبہ پر سنگباری، مشہور صحابی حضرت انس بن مالکؓ اور حضرت سعید بن مسیبؒ اور بعض دوسرے تابعین کے ساتھ توہین آمیز سلوک، لیکن یہ بعض ناگزیر واقعات کا نتیجہ تھے اور بعض کی ذمے داری عبدالملک کے گورنروں کے سر ہے، تاہم وہ بھی ان سے پوری طرح بری نہیں ہے۔

خانۂ کعبہ پر سنگ باری کا سبب یہ تھا کہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ حرم میں قلعہ بند تھے۔ یہاں ان کی فوج اور سامان رسد تھا۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اگرچہ جلیل القدر صحابی تھے، لیکن حکومت کے نقطۂ نظر سے وہ باغی تھے۔ اس لیے حجاج ابن یوسف ثقفی کو حرم میں بھی ان کا مقابلہ کرنا پڑا اور چوں کہ وہ کعبہ کو آڑ بنائے ہوئے تھے، اس لیے ناگزیر طور پر اس پر بھی پتھر گرے، جس سے اس کی عمارت کو نقصان پہنچا۔ اگرچہ ابن زبیرؓ کے بعد حجاج نے فوراً خانۂ کعبہ کو صاف کرایا اور عبدالملک نے اس کی عمارت درست کرائی مگر حجاج کا یہ فعل حرم کی عظمت

وحرمت کے منافی تھا۔اسی طرح حضرت انس بن مالکؓ کے واقعے کی تفصیل یہ ہے کہ وہ بھی حجاج کو پسند نہ کرتے تھے اور ان کا قیام بصرہ میں تھا۔اس لیے حجاج کی نگاہ میں وہ بھی ابن اشعث کی بغاوت میں شامل تھے۔ چناں چہ اس نے ان سے بھی سختی کے ساتھ بازپرس کی اور کہا''یہ دورنگی کہ کبھی مختار کے ساتھ، کبھی ابن اشعث کے ساتھ، میں تم کو سخت سزادوں گا''۔ حضرت انسؓ نے پوچھا:''امیر یہ کس کے بارے میں کہہ رہے ہیں؟' حجاج نے جواب دیا:'اللہ تم کو بہرہ کرے، تم کو کہہ رہاہوں، یہ سن کر حضرت انس بن مالکؓ لوٹ گئے'۔ حضرت انسؓ نے عبدالملک کے پاس شکایت بھیجی، اسے پڑھ کر وہ جوشِ غضب سے لبریز ہو گیااور اُسی وقت حجاج کو نہایت غضب آلود خط لکھا کہ''تم اپنی اوقات اتنی بھول گئے اور تمہاری یہ جرأت کہ خادم رسول اللہ ﷺ انس بن مالکؓ سے ساتھ گستاخی کرتے ہو، میرا خط ملتے ہی ان کی خدمت میں پیدل حاضر ہو کر ان کی رضامندی حاصل کرو، ورنہ تم کو اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔'' یہ خط پاکر حجاج نے اپنے درباریوں کے ساتھ حضرت انس بن مالکؓ کی خدمت میں پیدل حاضر ہو کر ان سے معافی چاہی اور ان سے معافی کا خط لے کر عبدالملک کے پاس بھیجا۔ درحقیقت عبدالملک بہ ذات خود ظلم وزیادتی کو ناپسند کرتا تھا۔اسے جب کسی زیادتی کی اطلاع ہوتی تو وہ نہ صرف اس کا تدارک کرتا تھا بلکہ اس کی بازپرس بھی کرتا تھا۔ چناں چہ جب اس کو معلوم ہوا کہ ابن اشعث کی بغاوت ختم کرنے کے بعد حجاج نے شکست خوردہ باغیوں اور قیدیوں کی خونریزی میں بے اعتدالی کی ہے اور اپنے آدمیوں کی حوصلہ افزائی کے لیے ان میں مسرفانہ روپیہ تقسیم کیا تو اس نے یہ تہدید آمیز خط لکھا:

''امابعد! امیر المؤمنین کو خون ریزی میں تمہاری زیادتی اور مال میں اسراف کی خبر ملی۔امیر المؤمنین دونوں باتوں کو کسی کے لیے بھی برداشت نہیں کر سکتے اور انھوں نے یہ فیصلہ کیا ہے کل خطا میں تم سے دیت اور عمد میں قصاص لیا جائے گا اور جو مال تم نے بے جا صرف کیا ہے، اسے واپس کرنا ہو گا اور اس مصرف پر بعد میں غور کیا جائے گا۔ امیر المؤمنین اللہ تعالیٰ کے امین ہیں۔ ان کے نزدیک کسی کا حق روکنا اور ناحق دینا دونوں برابر ہیں۔ اگر اس سے تمہارا مقصد یہ ہے کہ لوگ امیر المؤمنین کے ہو جائیں تو ان سے تم نے ان کو کوئی فائدہ نہیں پہنچایا اور اگر یہ مقصد ہے کہ لوگ تمہارے ہو جائیں تو ان سے تم کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا۔ تم کو امیر المؤمنین کی جانب سے نرمی اور سختی برداشت کرنے کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ اطاعت ہی میں تمہاری بھلائی ہے اور سرکشی میں خرابی ہے۔ امیر المؤمنین کی ذات سے اپنی خطاؤں کو برداشت کرنے کے علاوہ اور ہر چیز میں حسن ظن رکھ سکتے ہو۔ جب اللہ تم کو کسی قوم کے مقابلے میں فتح یاب کرے تو صلح جو لوگوں اور قیدیوں کو ہرگز قتل نہ کرنا چاہیے۔''

عبدالملک کا یہ خط اس کی سیاست کے سرسری اندازہ کے لیے کافی ہے۔ وہ طبعاً رعایا پر ظلم وزیادتی کو ناپسند کرتا تھا اور لوگوں کو ممانعت کر دی تھی کہ وہ ایسی باتیں نہ کہیں جو رعایا کے خلاف بھڑکانے والی ہوں کہ اس کے ساتھ نرمی کی زیادہ ضرورت ہے۔ تقریر کے وقت گورنروں کو نرمی اختیار کرنے کی ہدایت کرتا تھا۔ چناں چہ اپنے بھائی عبدالعزیز کو مصر کی حکومت پر بھیجتے وقت جو ہدایتیں کی تھیں، ان میں یہ بھی تھا کہ 'نرمی اختیار کرنا اور تمام امور میں نرمی اور آشتی کو ترجیح دینا'۔ خصوصاً حرمین کے بزرگوں کے ساتھ اس کا طرز عمل بڑا شریفانہ و متحملانہ ہوتا تھا۔

عبدالملک ابن مروان طرز حکومت میں حضرت امیر معاویہؓ کے نقش قدم پر چلتا تھا۔ اگرچہ وہ ان کے درجے کو نہ پہنچ سکا، پھر بھی اتنا

طے ہے کہ وہ نہایت بیدار مغز اور اپنے عمال کی سخت نگرانی رکھتا تھا۔ ایک مرتبہ اسے اپنے ایک عامل کے متعلق معلوم ہوا کہ وہ رعایا سے تحفہ لیتا ہے تو فوراً اس کو طلب کر کے باز پرس کی اور عہدہ سے معزول کر دیا۔

عبدالملک ابن مروان کا دور نہایت پر آشوب تھا۔ اس کا پورا زمانہ شورشوں اور انقلابوں کے دبانے میں گزرا اور اسے تعمیری کاموں کا کم موقع ملا۔ پھر بھی اس نے اپنے دور میں بہت سے کارنامے انجام دیے۔ اس کا سب سے ممتاز کارنامہ اسلامی سکہ کا اجراء ہے۔ اس وقت تک مسلمانوں کا اپنا سکہ نہ تھا بلکہ رومی، ایرانی اور قبطی سکوں سے ان کا کام بھی چلتا تھا۔ اس سے بڑی حد تک مسلمانوں کی اقتصادی باگ ان قوموں کے ہاتھ میں تھی۔ عبدالملک نے 75ھ یا 76ھ ہجری میں اسلامی سکہ رائج کر کے دوسری قوموں کے سکوں سے رہائی حاصل کی۔

دوسرا ممتاز کارنامہ عربی زبان کو دفتری قرار دینا ہے۔ اب تک حکومت کے دفاتر فارسی اور رومی زبان میں تھے۔ اس سے مختلف قسم کی خرابیاں تھیں۔ ان خرابیوں کو محسوس کر کے عبدالملک نے عربی زبان کو دفتری زبان قرار دیا۔ اس سے سہولت کے علاوہ عربی زبان کی بڑی ترقی واشاعت ہو گئی۔

عبدالملک ابن مروان کا دور مذہبی خدمات سے بھی خالی نہیں ہے، وہ ہر سال خانہ کعبہ کے لیے دیباج کا غلاف اور حرم اور مسجد نبوی ﷺ میں خوشبو کے لیے بخورات اور عود دان بھیجا تھا۔ متعدد نئی مسجدیں تعمیر ہوئیں اور پرانی مسجدوں کی توسیع و مرمت ہوئی۔ 65ھ ہجری میں عبدالملک نے جامع دمشق بنوائی اور بیت المقدس میں موجود صخرہ پر عظیم الشان خوب صورت گنبد بنوایا۔ واسط، بردہ اور اردبیل میں وسیع مسجدیں تعمیر ہوئیں۔ عبدالعزیز بن مروان نے جامع مسجد مصر کو تڑوا کر اس کی توسیع کروائی۔

عبدالملک ابن مروان کے دور میں رفاہ عام کے بھی بہت سے کام انجام دیے گئے۔ 80ھ ہجری میں مکہ میں بہت بڑا سیلاب آیا تھا جو ''سیل جارف'' کے نام سے مشہور ہے۔ اس سے مکہ کی ساری آبادی تہ آب ہو گی اور اہل مکہ کو بڑا جانی ومالی نقصان پہنچا۔ عبدالملک نے آئندہ اس سے حفاظت کے لیے ان تمام مکانوں میں جو وادی کے کنارے تھے اور مسجدوں اور گلیوں میں مستحکم حصار اور بند بنوائے۔ اسی طرح بعض نئے شہر بھی بسائے گئے اور پرانے ویران شدہ شہر دوبارہ آباد ہوئے۔ حجاج نے عراق میں بڑے اہتمام سے واسط شہر بنایا۔ صرف شہر پناہ، قصر حکومت اور جامع مسجد کی تعمیر میں کئی کروڑ صرف ہوئے تھے۔

9.5 ولید ابن عبدالملک کا نظامِ حکومت

ولید ابن عبدالملک کا دور بنی امیہ کا عہد زریں ہے۔ یہ دور فتوحات کی کثرت، دولت کی فراوانی، امن وامان اور دوسری ملکی اور تمدنی ترقیوں کے لحاظ سے پورے اموی دورِ حکومت میں ممتاز ترین نظر آتا ہے۔ اگرچہ کسی ملک کا فتح کر لینا نہ انسانیت کی کوئی خدمت ہے، نہ تمدن کی، بلکہ معاصر نقطۂ نظر کے لحاظ سے اس کو سلب آزادی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ لیکن ولیدی دور کی فتوحات کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کے زمانے میں جو جو ملک فتح ہوئے، ان کی کایا پلیٹ گئی اور وہ دفعتاً پستی کی جانب سے ابھر کر بلند سطح پر آ گئے۔ اس کے عہد کا سب سے بڑا کارنامہ اندلس کی فتح ہے۔ ایک یورپین مؤرخ ایس پی اسکاٹ کے مطابق مسلمانوں کے داخلہ سے پہلے اندلس کی پستی اور تاریکی کا یہ حال تھا:

''اواخر صدی ہفتم اور اوائل صدی ہشتم کی تاریخ اسپین غیر معمولی طور پر ظلمات کے دھندلکے میں پھنسی ہوئی ہے۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ اس میں سیاسی اور تمدنی مصائب ملک بھر پر پڑے ہوئے تھے۔''

''آٹھویں صدی کے شروع میں سلطنت وزیگاتھ بظاہر زوروں پر تھی اور نہایت مرفہ الحال، مگر اس کی اصلی اور واقعی کمزوری اہالیان کلیسا کی شان اور دربار شاہی کے تکلفات اور رعب میں چھپی ہوئی تھی۔ جنہوں نے اس سلطنت کے مصائب اور زیادتیوں پر بے بود سا نقاب ڈال رکھا تھا''۔

''خواہشات نفسانی کے غلام بادشاہان وزیگاتھ میں سے اپنے اجداد کی خوبیاں بالکل ختم ہو چکی تھیں۔ ریکارڈ اور ویمیا کے جانشین ایسے کمزور مگر ظالم تھے کہ ان پر لفظ بادشاہ کا اطلاق متنازعہ فیہ امر ہے۔ ان کی نفسیات نے نہ رسوم مہماں نوازی کو قائم رکھا، نہ حقوق دوستی کو ملحوظ، نہ اپنے رتبے کو برقرار رکھ سکے، نہ اپنی خواہشات نفسانی کو پورا کرنے میں سن وسال کی پرواہ کی۔''

''مزارعین کی حالت بالکل چوب مسجد کی تھی۔ وہ تمام عمر بلکہ اولاد در اولاد ایک ہی جاگیر دار کے ہو رہتے تھے اور کہیں اور نہ منتقل ہو سکتے تھے۔ ان کی حالت بالکل غلاموں کی سی ہوتی تھی۔ گو از روئے قانون گاتھ ان کو ان بد قسمتوں سے بہتر ہونا چاہیے تھا، جو بازاروں میں عام جانوروں کی طرح فروخت ہو سکتے تھے۔ آخر زمانہ گاتھ میں جو قانون منع ہوئے تھے، ان کے موافق غلاموں کی حالت اس سے بھی بدتر ہو گئی تھی، جو رومیوں کے زمانے میں تھی۔ آخر گاتھ بادشاہوں نے کچھ نرمی کر دی۔ اس سے لوگوں کی حالت اور بھی نازک ہوتی چلی جاتی تھی۔ شادی بیاہ کے متعلق قیود تھیں، اہل وعیال کو الگ رکھنا پڑتا تھا، چھوٹے چھوٹے جرائم پر سخت سزائیں دی جاتی تھیں، ان اسباب سے ان کی ذلتیں اور بڑھتی جاتی تھیں۔''

''پادریوں کی جاگیروں پر ہزاروں غلام تعینات تھے۔ نہ صرف اس لیے کہ زراعت کریں، بلکہ اس واسطے کہ بہترین اشیا پیدا کریں جو اس زمانے میں مل سکتی تھیں اور وہی ان جاگیرداروں کے تکلفات کو بڑھا سکتی تھیں۔ ان بد قسمت مزدوروں کی مشقت روز بروز بڑھتی چلی جاتی تھی اور آزادی کی امیدیں، جس کا وہ نسلوں سے انتظار کرتے چلے آتے تھے، گھٹتی چلی جاتی تھیں، بلکہ اب تو بالکل ہی نہ رہی تھیں اور ان کو یقین ہو گیا تھا کہ جو ناقابل برداشت بوجھ ڈالا جا چکا ہے وہ قیامت تک ہلکا ہونے والا نہیں۔''

''غلاموں کا ایک جم غفیر تھا کہ باوجود اپنے آقاؤں کے چابکوں کے ابھی تک زمانہ آزادی کی روایت کو نہیں بھولے تھے اور ایک ذرا سی تحریک پر بلوہ کرنے کو تیار تھے اور اس دن کا بے صبری سے انتظار کر رہے تھے کہ جس دن ان کو آزادی کامل ہو جائے۔''

''مزارعین اور غلاموں کے علاوہ ایک اور فرقہ تھا، جس کی تعداد دونوں سے کم تھی، لیکن از روئے اصل و نسل واز روئے قانون وہ دوامی غلام تھے۔ اتنی بات ان میں زیادہ تھی کہ وہ دونوں سے زیادہ عقیل و فہیم اور ہوشیاری و چالاکی میں بڑھے ہوئے تھے۔ یہ فرقہ یہودیوں کا تھا۔ سترھویں دینی کونسل کے ایک حکم ناطق کے موافق ان کی تمام جائدادیں ضبط کر لی گئی تھیں اور ان کو بامشقت غلامی کی سزا دی گئی تھی۔''

''یہودی تھے کہ دونوں فریق (امرا و مذہبی پیشوا) کے ہاتھ سے تنگ تھے، کون سی سختی و تشدد تھا کہ ان پر کیا نہ جاتا ہو، وہ ہر وقت پریشانی بلکہ مصیبت میں گرفتار رہتے تھے۔''

مسلمان کے داخلے سے قبل اندلس کا نقشہ تھا۔ ان کے داخلہ کے بعد دفعتاً حالت بدل گئی۔ چناں چہ یہی مؤرخ لکھتا ہے: ''فاتحین (مسلمانوں) نے پرانے زمانے کے قوانین کا احترام قائم رکھا۔ صرف فرق اتنا ہوا کہ اس کے دستور العمل اپنے قوانین کے تابع کر دیئے۔ مفتوحین پر وہی قانون قابل نفاذ تھا، مگر اسی حد تک کہ شرع اسلام کے خلاف نہ پڑے۔ اپنے عدل وانصاف مساحمت ومراسم خسروانہ سے نئی سلطنت نے بہت ہی جلد دلوں میں گھر کر لیا۔ یہودی مرفہ الحال ہو گئے۔ عیسائی اپنے تعصبات مذہبی بھول گئے۔ غلاموں نے وہ کلمہ پڑھ لیا جس سے ان کا داغ غلامی ہمیشہ کے لیے مٹ گیا اور وہ بادشاہوں کے مساوی ہو گئے۔ ذمیوں کی حفاظت کا جو وعدہ کیا گیا تھا اس کا ایفا کیا گیا۔ ذات، جائیداد اور مذہبی آزادی کا جو عہد کیا گیا تھا وہ پورا کیا۔ عوام الناس تو اس سے بہت ہی خوش ہوئے، اگر ناراض تھے تو وہ مذہبی دیوانے جنہوں نے ایسے فیاض وسخاوت شعار دشمنوں کو گالیاں دیں، حالانکہ ان کی مراعات سے وہ فائدہ اٹھاتے تھے اور انہی کا نمک کھاتے تھے۔''

لیبان نے مسلمانوں کے داخلہ سے پہلے اسپین کی حالت کا یہ نقشہ کھینچا ہے: ''عربوں کی فوج کشی کے زمانے میں گاتھ اور اطالیہ کی اقوام کا باہمی میل جول امراہی میں ہوا تھا اور عامہ خلائق غلامی کی حالت میں تھی۔''

''اسپین میں تمدنی تفریقیں، اندرونی نااتفاقیاں، فوجی جوش کا نہ ہونا، رعایا کی بے توجہی، ان کا بندہ زراعت ہونا، یہ حالت تھی گاتھوں کی سلطنت کی جس وقت عرب ملک میں پہنچے ہیں۔ آپس کی نااتفاقی اور رقابت اس درجہ بڑھ گئی تھی کہ دو بڑے امرائے اندلس یعنی کاونٹ جولین اور اشبیلیہ کا رئیس الاساقفہ عربوں کی فوج کشی میں معاون تھے۔''

عربوں کے داخلہ کے بعد ہی یہ نقشہ ہو گیا ''فتوحات سے فارغ ہونے کے بعد ہی عربوں نے ترقی شروع کر دی۔ ایک صدی کے اندر اندر غیر مزروعہ زمینیں کاشت ہونے لگیں۔ اجاڑ بستیاں آباد ہو گئیں، بڑی بڑی عمارتیں بن گئیں اور دوسری اقوام سے تجارتی تعلقات قائم ہو گئے۔ اس کے بعد ہی عربوں نے علم وادب کی طرف توجہ کی اور یونانی اور لاطینی کتابوں کے ترجمے کرائے اور دارالعلوم قائم کیے جو مدت تک یورپ میں علم کی روشنی پھیلاتے رہے۔''

مسلمانوں نے اندلس کی تہذیب کو ترقی کی جس معراج کمال تک پہنچایا، اس سے تاریخیں معمور ہیں۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ ولید ابن عبدالملک کے دور میں بنی امیہ ہی نے اسے فتح کیا اور انہی نے اسے ترقی تک پہنچایا۔ اس دور کے اور مفتوح ممالک کی ترقی کا بھی یہی حال تھا۔ محمد بن قاسم نے سندھ میں جو نظام قائم کیا تھا، اس کے متفرق حالات چچ نامہ وغیرہ میں ملتے ہیں، لیکن یہاں اُن کا تذکرہ ضروری نہیں ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ولید کا دور تمدنی ترقیوں کے اعتبار سے بنی امیہ کا ممتاز ترین دور ہے۔

اس دور کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ مسلمانوں کی جو قوت حضرت امیر معاویہؓ کے زمانے سے آپس میں ٹکرا کر پاش پاش ہو رہی تھی وہ ایک مقصد پر متحد ہو گئی۔ اس سے کم از کم ولید کے زمانے میں خانہ جنگی کا خاتمہ ہو گیا۔ جس سے ملک کو بڑا فائدہ پہنچا۔ اسلامی حکومت کا رقبہ ہندستان اور چین سے لے کر فرانس کی حد تک وسیع ہو گیا اور مفتوح ملکوں سے جو دولت ہاتھ آئی اس سے ملک کی تمدنی ترقی میں بڑا اضافہ ہوا۔ فوجی نظام میں بڑی وسعت وترقی ہوئی۔ اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ایک وقت میں کئی کئی محاذوں، ہندستان، وسط ایشیا اور یورپ میں جنگ چھڑی ہوئی تھی اور سب میں کامیابی ہوئی۔ فوج کی جزوی ضروریات کی فراہمی کا اتنا اہتمام تھا کہ سندھ کی فوج کشی میں حجاج

نے سوئی دھاگہ تک ساتھ کر دیا تھا۔ خورد ونوش کے سامان کا اتنا مکمل انتظام تھا کہ روئی سرکہ میں بھگو کر خشک کر کے ساتھ کر دی تھی کہ ضرورت پڑنے پر پانی میں بھگو کر سرکہ تیار کر لیا جائے۔ جہاز سازی کے کارخانے امیر معاویہؓ ہی کے زمانے سے قائم ہو گئے تھے۔ ولید کے زمانے میں جب بحری قوت میں اضافہ ہوا تو نئے کارخانے کھولے گئے۔ چناں چہ موسیٰ بن نصیر نے تیونس میں ایک کارخانہ قائم کیا، جس میں صرف اس کے زمانے میں سو جہاز تیار ہوئے تھے۔ حکومت کے شعبوں میں ترقی کے علاوہ رفاہ عام کے اتنے کام ہوئے اور رعایا کی راحت وآسائش کے اتنے سامان مہیا کیے گئے کہ خلفائے راشدین کے زمانے کے علاوہ اس کی نظیر نہیں ملتی، بلکہ بعض مؤرخین کے مطابق ولید کے بعض کارنامے اس دور سے بھی بڑھ گئے تھے۔ مثال کے طور پر ولید نے تخت نشینی کے تیسرے سال یعنی 88ھ میں تمام ممالک میں سڑکیں درست کرائیں اور ان پر میل کے پتھر نصب کرائے۔ تمام راستوں پر کنویں بنوائے اور شہر میں نہریں جاری کرائیں۔ مسافروں کی سہولت کے لیے جابجا مہمان خانے قائم کیے۔

ولید ابن عبدالملک سے پہلے اسلامی حکومت میں اور مختلف قسم کی ترقیاں ہوئی تھیں، لیکن اب تک حفظان صحت اور شفاخانوں کا کوئی انتظام نہ تھا۔ ولید نے تمام ممالک میں شفاخانے قائم کیے۔ اس کا ایک قابل فخر کارنامہ یہ بھی ہے کہ اس نے تمام ممالک کے معذور، ناکارہ اور اپاہج لوگوں کے لیے سرکاری وظائف مقرر کر کے بھیک مانگنے کی ممانعت کر دی۔ اندھوں کی رہنمائی اور اپاہجوں کی خدمت کے لیے آدمی مقرر کیے۔ یہ وہ کارنامہ ہے جس سے آج کل کی متمدن حکومتیں بھی عاجز ہیں۔ ساتھ ہی یتیموں کی کفالت اور ان کی تعلیم وتربیت کا انتظام کیا۔ اشیا کے نرخ کی نگرانی بھی رعایا کی بڑی خدمت ہے، ولید خود بازاروں میں جا کر چیزوں کی قیمت دریافت کر کے ان کو کم کراتا تھا۔ اسی طرح وہ رمضان میں تمام مسجدوں میں روزہ داروں کے لیے کھانے کا انتظام بھی کراتا تھا۔

اس دور میں مسلمانوں کی تعلیم وتعلّم کا مرکز مذہب ہی تھا اور اس کی بنیاد کلام الٰہی پر تھی۔ اس لیے ان کی تعلیم وتعلّم کا دائرہ اسی تک محدود تھا۔ قرآن کی تعلیم کی جانب ولید کی بڑی توجہ تھی، وہ ہمیشہ لوگوں کو اس کی ترغیب دیتا رہتا تھا۔ حفظ قرآن پر عطیے دیتا تھا اور جو لوگ اس سے غفلت کرتے تھے انہیں سزا دیتا تھا۔ ولید کے ایک گورنر حجاج ابن یوسف ثقفی نے اہل عجم کی تعلیمی سہولت کے لیے کلام اللہ پر نقطے اور اعراب لگوائے۔ ساتھ ہی ولید نے یکسوئی کے ساتھ علم کی خدمت اور تعلیم وتعلّم میں سہولت کے لیے علما وفقہا کے وظائف مقرر کیے۔

ولید ابن عبدالملک کو تعمیرات کا بڑا ذوق وشوق تھا۔ اس نے بہت سی عظیم الشان عمارتیں بنوائیں۔ ولید کے ذوق تعمیر اور اس کے عہد کی تعمیرات کی وجہ سے یہ مذاق اتنا عام ہو گیا تھا کہ جب لوگ آپس میں ملتے تھے تو عمارات ہی پر گفتگو ہوتی تھی۔ یوں تو ولید نے بکثرت عمارتیں بنوائیں۔ لیکن اس کا سب سے بڑا تعمیری کارنامہ مسجد نبوی اور جامع دمشق کی تعمیر اور اس کی تزئین وآرائش ہے۔ ان دونوں مسجدوں کو اس نے بڑے حوصلے سے تعمیر کرایا اور ان کی تعمیر پر بے دریغ دولت صرف کی اور ان کی آرائش میں اس زمانے کی تمام صناعیاں ختم کر دیں۔

ولید کے دور میں ہونے والی دوسری اہم ترین تعمیر جامع اموی یا جامع دمشق ہے۔ اس کی تعمیر نہ صرف ولید کا بلکہ اس دور کا عظیم الشان تعمیری کارنامہ ہے۔ اس کی تعمیر میں بے پناہ دولت صرف ہوئی۔ مؤرخین اور جغرافیہ نویسوں نے اس مسجد کے عجائب ونوادر کی بڑی تفصیل لکھی ہے۔ اس کی تفصیل آپ اگلی اکائیوں میں پڑھیں گے۔

ان دونوں مسجدوں کے علاوہ ولید نے مکہ، مدینہ اور بیت المقدس وغیرہ مقدس مقامات کی پرانی مسجدوں کی توسیع کرائی اور نئی مسجدیں تعمیر کرائیں۔اسی زمانے میں قرہ بن شریک نائب السلطنت مصر نے جامع مصر تعمیر کرائی اور اسے آراستہ و پیراستہ کیا۔

غرض ولید ابن عبدالملک کا دور ہر اعتبار سے نہایت کامیاب تھا۔البتہ حجاج ابن یوسف کی مزاجی سختی کی وجہ سے مشہور تابعی حضرت سعید بن جبیرؒ کی شہادت کا ایک ناگوار واقعہ پیش آیا۔اس کی تفصیل یہ ہے کہ ابن اشعث کی بغاوت میں جو عبدالملک کے زمانے میں حجاج کے خلاف ہوئی تھی، بعض دوسرے اکابر کی طرح حضرت ابن جبیرؒ نے بھی ابن اشعث کا ساتھ دیا تھا۔بغاوت ختم ہونے کے بعد اور بزرگوں کے ساتھ وہ بھی گرفتار ہوئے۔ان میں سے جن لوگوں نے معذرت کرلی، حجاج نے انھیں چھوڑ دیا، لیکن ابن جبیرؒ کی حق گوئی اور صداقت نے اس کی اجازت نہ دی، چناں چہ گرفتاری کے بعد بھی انھوں نے نہایت جرأت و بے باکی سے گفتگو کی۔اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حجاج نے 94ھ میں ان کو شہید کرادیا۔اگر حضرت سعید بن جبیرؒ بھی امام شعبیؒ کی طرح مصلحت وقت کا لحاظ کرکے خاموش رہتے تو ممکن تھا کہ وہ انھیں بھی رہا کردیتا، لیکن آپ کی جرأت و حق گوئی کے بعد حجاج جیسے قدر ناشناس سے عفو و درگزر کی توقع نہیں کی جاسکتی تھی۔اگرچہ اس واقعے کا براہ راست ولید سے کوئی تعلق نہیں ہے، لیکن چوں کہ اسی کے دور میں پیش آیا، اس لیے اس کا دامن بھی اس کی ذمے داری سے بری نہیں ہے۔

9.6 حضرت عمر ابن عبدالعزیز کا نظامِ حکومت

اموی دور حکومت کے لیے یہ بات بہت قابل فخر ہے کہ اس کے بانی صحابی رسول حضرت امیر معاویہؓ ہیں تو درمیان میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ جیسا خلیفہ بھی موجود ہے، جنھیں مؤرخین نے ''عمر ثانی'' یعنی دوسرا عمر ابن خطابؓ کہا ہے۔حضرت عمر ابن عبدالعزیز کی خواہش تھی کہ موروثی حکومت پھر اسلامی خلافت سے بدل جائے، لیکن یہ بنیادی تبدیلی آپ کے اختیار میں نہ تھی۔بنی امیہ میں موروثی حکومت اصولی حیثیت سے مسلم ہو چکی تھی۔خواہ خلیفہ بنی امیہ کی کسی شاخ سے بھی ہو۔چناں چہ سلیمان خود حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے بعد یزید بن عبدالملک کو خلیفہ نامزد کر گیا تھا، اس لیے انتخاب خلیفہ کا معاملہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے اختیار میں نہ رہ گیا تھا۔آپ نے بعض موقعوں پر خود اس معذوری کا اظہار کیا۔ایک موقع پر فرمایا کہ اگر خلافت کا مسئلہ میرے اختیار میں ہوتا تو میں قاسم بن عبداللہ کو خلیفہ بنا دیتا۔ایک مرتبہ جب بنی امیہ نے آپ کی عادلانہ روش کے خلاف زیادہ احتجاج کیا تو آپ نے یہاں تک کہہ دیا کہ اگر آئندہ تم لوگوں نے میرے سامنے اس قسم کی باتیں کیں تو میں خلافت سے دستبردار ہو کر مدینہ چلا جاؤں گا اور اس کو شوریٰ پر چھوڑ جاؤں گا۔اس کا حقیقی اہل قاسم بن عبداللہ میری نگاہ میں موجود ہے۔لیکن یہ انقلاب آپ کے بس میں نہ تھا، اس لیے جہاں تک ہو سکا ملوکیت کے امتیازات اور شہنشاہیت کے برے مظاہر کو مٹایا اور تخت خلافت پر قدم رکھنے کے بعد سب سے پہلے خلیفہ کی حیثیت واضح کرتے ہوئے کہا:

''میں اپنی جانب سے کوئی فیصلہ کرنے والا نہیں ہوں بلکہ محض احکامِ الٰہی کو نافذ کرنے والا ہوں۔میں خود اپنی جانب سے کوئی بات شروع کرنے والا نہیں ہوں، بلکہ محض پیرو ہوں۔کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی معصیت میں اس کی پیروی کی جائے۔میں تم میں بہتر آدمی بھی نہیں ہوں، البتہ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو تمہارے مقابلے میں زیادہ گرانبار کیا ہے۔''

چناں چہ بادشاہت کے ایک ایک امتیاز کو مٹادیا۔ خلفا کے ساتھ نقیب و علمبردار چلتے تھے۔ نماز کے بعد رسول اللہ ﷺ کی طرح ان پر درود و سلام بھیجا جاتا تھا۔ سلام میں خاص امتیاز برتا جاتا تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ان سب مراسم کو بند کرادیا، چناں چہ حسب دستور جب کوتوال نے نیزہ اور نشان لے کر آپ کے ساتھ چلنا چاہا تو آپ نے روک دیا اور فرمایا میں مسلمانوں کا ایک معمولی فرد ہوں۔ عام حکم جاری کر دیا کہ سلام میں خصوصیت نہ برتی جائے بلکہ صرف عام سلام کیا جائے۔ عمال کے نام فرمان جاری کیا کہ پیشہ ور واعظ خلفا پر درود و سلام بھیجتے ہیں، انھیں روک دو اور حکم دو کہ وہ عام مسلمانوں کے لیے دعا کریں اور خلیفہ کے ساتھ خصوصیت چھوڑ دیں۔ ابو بکر بن محمد کو لکھا کہ کسی شخص کو صرف اس لیے ترجیح نہ دو کہ وہ خاندان خلافت سے تعلق رکھتا ہے۔ میرے نزدیک یہ سب عام مسلمانوں کے برابر ہیں۔ اور اسے عملاً برت کر دکھایا۔ ایک مرتبہ آپ کے سالے اور چچازاد بھائی مسلمہ بن عبدالملک فریق کی حیثیت سے مقدمہ میں آئے اور سرکاری فرش پر بیٹھ گئے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے روک دیا کہ اپنے فریق کی موجودگی میں تم فرش پر نہیں بیٹھ سکتے۔ یا تو عام لوگوں کے برابر بیٹھو یا کسی دوسرے کو اپنا وکیل بنادو۔ شاہی خاندان کے وظائف عام مسلمانوں کے برابر کر دیئے۔ غرض آپ نے قصر ملوکیت کے تمام کنگروں کو گرادیا۔

امور خلافت کے انتظام وانصرام میں عہد فاروقی کو اپنے لیے نمونہ بنایا۔ حضرت عمرؓ کے پوتے سالم کو لکھا کہ میں چاہتا ہوں کہ اگر اللہ مجھ کو اس کی استطاعت دے تو میں رعایا کے معاملات میں عمر بن الخطابؓ کی روش اختیار کروں۔ اس لیے تم میرے پاس ان کی وہ تحریریں اور فیصلے، جو انھوں نے مسلمانوں اور ذمیوں کے بارے میں کیے ہیں، بھیجو۔ اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہے تو میں ان کے نقش قدم پر چلوں گا۔ اس عزم پر انھوں نے کہاں تک عمل کیا، اس کا اندازہ کرنے کے لیے اوپر کے واقعات کافی ہیں۔ مؤرخین کے مطابق بعض حیثیتوں سے اُن کا دورِ خلافت حضرت عمرؓ کے بے مثال دورِ خلافت سے بھی بڑھ گیا تھا۔ حضرت عمرؓ کا زمانہ عہد رسالت سے بہت قریب تھا۔ اسلامی روح زندہ تھی، مسلمان دنیا میں مبتلا نہ ہوئے تھے۔ حضرت عمرؓ کے لیے کوئی مزاحم طاقت موجود نہ تھی، لیکن حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ہر طرح کے مخالف حالات میں عہد فاروقی کو زندہ کر دکھایا۔ خود اس زمانے کے اکابر حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے کارنامے کو فاروقی کارناموں سے افضل سمجھتے تھے۔ چناں چہ سالم بن عبداللہ نے آپ کو لکھا کہ عمر بن الخطابؓ نے جو کچھ کیا وہ دوسرا زمانہ تھا، دوسرے لوگ تھے، اگر تم نے اس زمانے اور ان لوگوں میں عمر بن خطابؓ کی پیروی کی تو تم ان سے افضل ہو گئے۔

ان اوصاف کے علاوہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ علمی اعتبار سے بھی اپنے دور کے جلیل القدر عالم تھے۔ اگر سیاسی حالات نے انھیں تخت شاہی پر نہ بٹھایا ہوتا تو وہ مسند علم کی زینت ہوتے۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں۔ امام نوویؒ کا بیان ہے کہ ان کی جلالت شان، فضیلت علمی، وفور علم، صلاح، آثار نبوی ﷺ کے اتباع اور خلفائے راشدین کی پیروی پر سب کا اتفاق ہے۔ میمون بن مہرانؒ جو خود ایک بڑے صاحب علم تابعی ہیں، ان کا بیان ہے کہ علماء عمر بن عبدالعزیزؒ کے سامنے تلامذہ معلوم ہوتے تھے۔ مشہور صاحب علم تابعی مجاہدؒ کا بیان ہے کہ ہم لوگ انھیں تعلیم دینے گئے تھے، لیکن کچھ دنوں کے بعد ہم خود ان سے تعلیم حاصل کرنے لگے۔ تفسیر، حدیث، فقہ تمام دینی علوم میں انھیں عبور حاصل تھا۔ اسی فضل و کمال کا نتیجہ تھا کہ آپ کے دربار میں شعراء کی جگہ علماء اور ارباب کمال کا مجمع ہو گیا تھا اور ان کی بڑی قدردانی تھی۔ دور دور سے علما اور فقہا کو بلا کر ان کی قدر افزائی فرماتے۔ امور خلافت میں وہی آپ کے مشیر اور ہم جلیس تھے۔ ان میں میمون بن مہران، رجاء بن حیوہ، رباح بن

عبیدۃ، سالم بن عبداللہ، محمد بن کعب قرظی اور سعید بن مسیب خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ مذہبی امور میں حضرت سعید بن مسیبؒ سے ضرور مشورہ کرتے تھے۔ اسی لیے مذہبی تعلیم کی اشاعت کی جانب ان کی خاص توجہ تھی۔ ایک مرتبہ انھوں نے قاضی ابو بکر بن حزم کو لکھا کہ لوگوں کو چاہیے کہ عام طور پر علم کی اشاعت کریں۔ تعلیم کے لیے حلقہ درس میں بیٹھیں، تاکہ جو لوگ نہیں جانتے وہ جان جائیں، کیوں کہ علم اس وقت تک برباد نہیں ہوتا جب تک خزانہ نہ بن جائے۔ ایک اور گورنر کو لکھا کہ اہل علم کو حکم دو کہ اپنی مسجدوں میں علم کی اشاعت کریں، کیوں کہ حدیثیں مردہ ہو رہی ہیں۔ جو علما اس مقدس فرض میں مشغول تھے، انھیں فکر معاش سے بے نیاز کر دیا۔ حمص کے گورنر کو لکھا کہ جن لوگوں نے دنیا کو چھوڑ کر اپنے کو فقہ کی تعلیم کے لیے وقف کر دیا ہے، بیت المال سے سو سو دینار ان کا وظیفہ مقرر کر دو کہ وہ اطمینان کے ساتھ اس خدمت کو انجام دے سکیں۔ انھوں نے تعلیم کی اشاعت کے لیے طلبہ کے وظائف مقرر کیے۔ مختلف ملکوں میں تعلیم کے لیے علماء بھیجے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے مشہور صاحب علم غلام حضرت نافع کو جو مدینہ کے بڑے فقیہ تھے، حدیث کی تعلیم دینے کے لیے مصر بھیجا۔ قاری جعثل بن عامان کو قرأت کی تعلیم دینے کے لیے مصر و مغرب بھیجا۔ یزید بن ابی مالک دمشقی اور حارث بن یمجد اشعری کو بدوؤں کی تعلیم و تربیت پر مقرر کیا۔ تعلیم کے ساتھ ارشاد و ہدایت کے لیے تمام ممالک میں واعظ اور مفتی مقرر کیے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز کا سب سے بڑا تعلیمی و مذہبی کارنامہ احادیث نبوی کی حفاظت اور اس کی اشاعت ہے، اگر انھوں نے ادھر توجہ نہ کی ہوتی تو احادیث نبوی کا بڑا حصہ ضائع ہو جاتا۔ انھوں نے جب دیکھا کہ بڑے بڑے حفاظ حدیث اٹھتے چلے جا رہے ہیں اور ان کے ساتھ حدیثیں بھی دفن ہوتی جا رہی ہیں، تو قاضی ابو بکر بن حزم گورنر مدینہ کو لکھا کہ احادیث نبوی کی تلاش و جستجو کر کے انھیں لکھ لو۔ مجھے علما کے ساتھ علم کے بھی مٹ جانے کا خوف ہے، لیکن یہ احتیاط ملحوظ رہے کہ صرف رسول اللہ ﷺ کی حدیثیں قبول کی جائیں۔ اس قسم کا فرمان تمام صوبوں کے والیوں کو لکھا۔ اس حکم پر تمام محدثین سے حدیثیں تلاش کر کے ان کے مجموعے مرتب کیے گئے اور تمام ممالک میں بھیجے گئے۔ سعد بن ابراہیم کا بیان ہے کہ ہم نے عمر بن عبدالعزیزؒ کے حکم سے دفتر کے دفتر حدیثیں لکھیں اور انھوں نے اس کا ایک ایک مجموعہ تمام ممالک میں بھیج دیا۔ اسی طرح مغازی اور مناقب صحابہ کی جانب اس وقت تک عملی حیثیت سے کوئی خاص توجہ نہیں کی گئی تھی۔ سب سے پہلے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے عاصم بن قتادہ کو، جو مغازی اور سیرت کے بڑے عالم تھے، حکم دیا کہ وہ جامع دمشق میں ان دونوں چیزوں کا درس دیا کریں۔ کتاب و سنت کی اشاعت کے علاوہ انھوں نے غیر قوموں کے علم سے بھی فائدہ اٹھایا۔

کیوں کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو پانچواں خلیفۂ راشد کہا جاتا ہے، اس لیے ضروری ہے کہ ان کے اخلاق و کردار پر خصوصی نظر ڈالی جائے۔ تاریخ نگاروں نے لکھا ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا معمول تھا کہ عشاء کے بعد تنہائی میں بیٹھ کر رو رو کر دعائیں کرتے تھے۔ اسی حالت میں آنکھ لگ جاتی۔ بیدار ہوتے تو پھر یہی مشغلہ جاری ہو جاتا اور ساری ساری رات اسی طرح گزر جاتی۔ اس خشیت الٰہی کا نتیجہ تھا کہ وہ خلافت کی ذمے داریوں اور امت کے حقوق کے خوف سے لرزتے رہتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ کی بیوی نے رات میں آپ کے اس مشغلہ کو دیکھ کر اس کا سبب پوچھا۔ آپ نے ٹالنا چاہا، مگر انھوں نے اصرار کیا کہ میں اس سے نصیحت حاصل کرنا چاہتی ہوں۔ لہٰذا آپ نے فرمایا کہ میں نے اپنے بارے میں غور کیا تو معلوم ہوا کہ میں اس امت کے تمام معاملات کا ذمے دار ہوں۔ اس لیے جب میں بے کس، غریب، محتاج، فقیر، گم

شدہ اور دوسرے آدمیوں کو یاد کرتا ہوں جو سارے ملک میں پھیلے ہوئے ہیں اور جن کی ذمے داری مجھ پر ہے اور مجھے خیال آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں مجھ سے سوال کرے گا اور رسول اللہ ﷺ ان کے مدعی ہوں گے، ایسی حالت میں اگر میں اللہ تعالیٰ کے سامنے کوئی معقول عذر اور دلیل نہ پیش کر سکا تو کیا ہوگا؟ بس اسی تصور سے مجھ پر خوف طاری ہو جاتا ہے اور میری آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں۔ جب دوسرے لوگ آپ کے گریہ وبکا کے متعلق کچھ کہتے تو آپ فرماتے کہ تم لوگ رونے پر مجھے ملامت نہ کرو، کیوں کہ اگر فرات کے کنارے بکری کا ایک بچہ بھی ہلاک ہو جائے تو اس کے بدلے میں عمر ابن عبدالعزیز ہی پکڑا جائے گا۔ ایک مرتبہ اپنے ایک فوجی افسر سلیمان بن ابی کریمہ کو لکھا کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت و خشیت کا سب سے زیادہ مستحق وہ بندہ ہے، جس کو اس نے آزمائش میں ڈالا اور میں بھی ایسا ہی انسان ہوں۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مجھ سے زیادہ سخت حساب دینے والا اور اگر اس کی نافرمانی کروں تو مجھ سے زیادہ ذلیل کوئی نہیں۔ مجھے خوف ہے کہ میرے یہ حالات مجھے ہلاک نہ کر دیں۔

حضرت عمر ابن عبدالعزیز کے اخلاق میں سب سے نمایاں وصف تقویٰ تھا۔ یوں تو ان کا تقویٰ ہر شعبۂ زندگی میں نمایاں تھا، لیکن مسلمانوں کے مال کے حوالے سے انھوں نے جو نمونہ پیش کیا، اس کی مثال سلاطین وفرماں رواؤں کی تاریخ میں شاذ ونادر ہی ملے گی۔ انہیں بیت المال سے معمولی سا فائدہ بھی اٹھانا گوارہ نہ تھا۔ رات کو جب تک خلافت کا کام کرتے تھے اس وقت تک بیت المال کی شمع جلاتے تھے۔ اس کے بعد وہ چراغ بجھا کر اپنا ذاتی چراغ جلواتے تھے۔ بیت المال کی جانب سے فقرا و مساکین کے لیے جو مہمان خانہ تھا، اس کے باورچی خانے سے اپنے لیے پانی تک گرم نہ کراتے تھے۔ ایک مرتبہ ان کی لاعلمی میں ملازم ایک مہینہ تک عام مطبخ میں پانی گرم کرتا رہا۔ انہیں معلوم ہوا تو اتنی لکڑی خرید کر باورچی خانے میں داخل کرادی۔ ایک مرتبہ غلام کو گوشت کا ٹکڑا بھوننے کا حکم دیا، وہ اسی مطبخ سے بھون لایا۔ انہوں نے اسے ہاتھ نہ لگایا اور غلام سے فرمایا: تم ہی کھالو، میری قسمت کا نہ تھا۔ حضرت عمر ابن عبدالعزیز کو لبنان کا شہد بہت پسند تھا۔ ایک مرتبہ اس کی خواہش ظاہر کی تو ان کی بیوی فاطمہ نے لبنان کے حاکم ابن معدیکرب کو لکھ بھیجا۔ انھوں نے بہت سا شہد بھجوادیا۔ فاطمہ نے اسے عمر بن عبدالعزیزؒ کے سامنے پیش کیا۔ انھوں نے دیکھ کر کہا: معلوم ہوتا ہے تم نے ابن معدیکرب کے پاس کہلا بھیجا تھا۔ چناں چہ اس کو چکھا تک نہیں فروخت کر کے اس کی قیمت بیت المال میں داخل کرادی اور ابن معدیکرب کو لکھ بھیجا کہ 'تم نے فاطمہ کے کہلانے پر بھیجا ہے۔ اللہ کی قسم اگر آئندہ تم نے ایسا کیا تو اپنے عہدہ پر نہیں رہ سکتے اور میں تمہارے چہرہ پر نظر نہ ڈالوں گا'۔ احتیاط کا ایک عظیم نمونہ یہ بھی ہے کہ ایک مرتبہ بیت المال کا مشک سامنے لایا گیا۔ انہوں نے ناک بند کرلی کہ خوشبو ناک میں نہ جانے پائے۔ لوگوں نے عرض کیا: امیر المؤمنین! خوشبو سونگھنے میں کیا حرج ہے؟ فرمایا: مشک کا اصل فائدہ خوشبو سونگھنا ہی ہوتا ہے۔ انھوں نے تخت خلافت پر قدم رکھنے کے بعد تحفے اور ہدیے قبول کرنے بند کر دیے تھے۔ ایک مرتبہ کسی شخص نے سیب اور دوسرے میوے بھیجے۔ انہوں نے واپس کرادیے، بھیجنے والے نے کہا کہ ہدیہ تو رسول اللہ ﷺ قبول فرماتے تھے۔ انہوں نے جواب دیا: لیکن ہمارے اور ہمارے بعد والوں کے لیے وہ رشوت ہے۔ اسی سلسلے کا عجیب واقعہ بھی ملتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ بیت المال میں بہت سے سیب آئے۔ وہ انھیں عام مسلمانوں میں تقسیم فرما رہے تھے۔ اسی درمیان ان کا چھوٹا بچہ ایک سیب اٹھا کر کھانے لگا۔ انہوں نے اس کے منہ سے چھین لیا۔ وہ رونے لگا اور جا کر ماں سے شکایت کی۔ ماں نے بازار سے سیب منگوادیا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ گھر واپس آئے تو انھیں سیب کی خوشبو معلوم ہوئی۔ پوچھا فاطمہ! سرکاری سیب تو یہاں نہیں آیا؟ انہوں نے سارا واقعہ بیان کر دیا۔ انہوں نے فرمایا: اللہ کی قسم میں نے اس کے منہ سے نہیں چھینا تھا بلکہ اپنے دل سے چھینا تھا۔ اس لیے کہ مجھے یہ پسند نہ تھا کہ میں مسلمانوں کے حصہ کے سیب کے بدلے میں اپنے کو اللہ کے حضور برباد کروں۔

خلافت ملنے سے پہلے حضرت عمر ابن عبدالعزیز کی زندگی بہت عیش و عشرت کی تھی، لیکن خلافت کے بعد سارے تکلفات سے دور ہو گئے تھے۔ گزارے کے لیے صرف چار سو دینار سالانہ لیتے تھے۔ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ کچھ نہ لیتے تھے۔ جب کہ خلافت سے پہلے کے زمانے میں چار سو کی قیمت کا کپڑا جسم پر بار معلوم ہوتا تھا اور دن بھر کئی کئی جوڑے بدلے جاتے تھے۔ اب صرف ایک جوڑا رہ گیا تھا۔ اسی کو دھو دھو کر پہنتے تھے۔ مرض الموت میں ایک قمیص بھی نہ تھی کہ بدلائی جاتی۔ ان کے سالے مسلمہ بن عبدالملک نے اپنی بہن سے کہا کہ قمیص میلی ہو گئی ہے، لوگ عیادت کے لیے آتے ہیں، دوسری بدلوا دو، وہ سن کر چپ رہیں۔ مسلمہ نے جب دوبارہ کہا تو بولیں: خدا کی قسم! اس کے علاوہ دوسرا کپڑا نہیں ہے۔ پھر وہ ایک جوڑا بھی صحیح نہ ہوتا تھا بلکہ کئی کئی پیوند لگے ہوتے تھے۔

بنی امیہ نے حاکم و محکوم اور آقا و غلام کی جو تفریق پیدا کر دی تھی، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اس تفریق کو بالکل مٹا دیا اور مساوات کا بے مثال عملی نمونہ قائم کیا۔ ملازمین تک کو تعظیم کے لیے اٹھنے کی ممانعت کر دی اور خود ان کے برابر بیٹھتے تھے۔ بلکہ ان کی خدمت میں بھی تامل نہ کرتے تھے۔ ایک مرتبہ پنکھا جھلتے جھلتے ایک خادمہ کی آنکھ لگ گئی۔ یہ دیکھ کر حضرت ابن عبدالعزیز نے پنکھا لے کر اس کو جھلنا شروع کر دیا۔ اس کی آنکھ کھلی تو دیکھ کر گھبرائی۔ انہوں نے فرمایا: آخر تم بھی میری طرح ہو، تم کو بھی گرمی لگتی ہو گی، جس طرح تم مجھے پنکھا جھل رہی تھیں، میں نے بھی تم کو جھل دیا۔ اگر ملازم سو جاتے تو خود اپنے ہاتھ سے کام کر لیتے۔ ملازم کے آرام میں خلل نہ ڈالتے۔ ایک مرتبہ رجاء بن حیوہ سے گفتگو میں رات زیادہ گزر گئی اور چراغ جھلملانے لگا۔ ملازم قریب ہی سویا ہوا تھا۔ رجاء نے جگانا چاہا، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے روک دیا۔ رجاء نے خود چراغ درست کرنے کا ارادہ کیا تو انہوں نے انھیں بھی روک دیا اور خود اٹھ کر تیل لیا اور چراغ میں ڈال کر واپس آئے اور فرمایا: جب میں اٹھا، تب بھی عمر ابن عبدالعزیزؒ تھا اور اب بھی عمر ابن عبدالعزیزؒ ہوں۔

9.7 ہشام ابن عبدالملک کا نظامِ حکومت

ہشام ابن عبدالملک تدبیر و سیاست، بیدار مغزی، اولوالعزمی و حوصلہ مندی وغیرہ اوصاف جہانبانی کے اعتبار سے بنی امیہ کے ممتاز خلفاء میں تھا۔ مشہور مؤرخین کا بیان ہے کہ وہ بڑا دقیق النظر، منتظم، کفایت شعار، امور مملکت میں بیدار مغز اور رعایا کی سیاست میں بڑا ماہر تھا۔ سلطنت کے تمام کام خود انجام دیتا تھا۔ اس کی نگاہ سے کوئی چیز چھپی نہ رہتی تھی۔ اس میں حضرت امیر معاویہؓ کا حلم و تدبر اور عبدالملک کی سیاست و اولوالعزمی دونوں ایک ساتھ جمع ہو گئی تھیں۔ مؤرخین لکھتے ہیں کہ بنی امیہ میں ان تینوں (یعنی حضرت امیر معاویہ، عبدالملک اور ہشام) پر بنو امیہ کی سیاست و تدبر کا خاتمہ ہو گیا۔ ہشام ابن عبدالملک کے زمانے میں مشرق مغرب دونوں میں بڑے بڑے انقلابات و حوادث پیش آئے، لیکن حکومت کے کسی نظام اور سلطنت کے کسی حصہ کو جنبش نہ ہونے پائی۔ مشرق میں ترک و تاتار کی اور مغرب میں بربر کی قوت کا

خاتمہ کر دیا گیا۔ رومیوں کو اسلامی حدود کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی ہمت نہ ہوتی تھی۔ جہاں جہاں خوارج نے سر اٹھایا فوراً ان کو کچل دیا گیا۔ اسلامی سلطنت کو اہم فتوحات حاصل ہوئیں۔

ہشام ابن عبدالملک کو دور دراز کی ویران زمینوں کی آبادی کی طرف خاص توجہ تھی۔ اسی لیے اس کے زمانے میں اس طرح کی زمینوں کا کافی حصہ آباد ہوا۔ اس زمانے میں متعدد نئے شہر بھی آباد ہوئے۔ شام میں قنسرین کے علاقہ میں رصافہ آباد کیا گیا۔ گرمیوں کے موسم میں ہشام یہیں رہتا تھا۔ اس لیے اسے پایۂ تخت کی حیثیت حاصل تھی۔ سندھ میں دو شہر منصورہ اور محفوظہ آباد ہوئے۔ منصورہ سندھ کا اسلامی دارالحکومت تھا۔ اموی حکومت کے آغاز سے بیت المال میں بے عنوانیاں چلی آرہی تھیں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اس شعبے میں اصلاح کی تھی، لیکن ان کے بعد پھر وہی پرانی حالت پیدا ہو گئی تھی۔ ہشام نے اس کی مکمل اصلاح کی اور اس کے لیے بہت سے سخت اصول وضوابط مقرر کیے۔ دوسرے دفاتر کو بھی از سر نو منظم کیا گیا، چناں چہ دستاویزات کی صحت و ترتیب کے اعتبار سے اس کا زمانہ سارے خلفا میں ممتاز تھا۔ شعبۂ عدالت کی تفصیل تو نہیں معلوم ہوئی، لیکن بعض واقعات سے ہشام کی عدل پروری کا ثبوت ملتا ہے۔ اس کے ایوان عدالت میں مسلم اور غیر مسلم سب برابر تھے۔ ایک مرتبہ ایک عیسائی نے ہشام کے لڑکے محمد کے غلام کو کسی بات پر مارا، جس سے وہ زخمی ہو گیا۔ محمد کے دوسرے خادم نے اس کے بدلے میں عیسائی کو مار دیا۔ ہشام کو اس کی اطلاع ہوئی تو اس نے فوراً اپنے بیٹے کے اس خادم کو طلب کیا جس نے عیسائی کو مارا تھا۔ اس کو سزا دی اور اپنے لڑکے کو تنبیہ کی۔

انتظامی شعبوں کے ساتھ فوجی شعبہ میں بھی کافی ترقی ہوئی۔ ضرورت کی جگہوں پر قلعے تعمیر کرائے گئے۔ انطاکیہ میں جو اسلامی اور رومی حکومت کی نازک سرحد تھی، حصن قطرغاش اور حصن بورہ اور حصن بوفا بنوائے۔ اس کے علاوہ تمام سرحدی علاقوں کو مضبوط و مستحکم کیا اور وہاں ہر طرح کا جنگی سامان بکثرت جمع کیا۔ بحری بیڑے کی ترقی کے لیے شمالی افریقہ میں جہاز سازی کے مزید نئے کارخانے قائم کیے۔ اس طرح بحر روم میں کامیاب بحری مہموں کا سلسلہ جاری رہا۔ ملکی مصنوعات کی ترقی کی جانب بھی اس کی خاص توجہ تھی۔ اسی لیے ریشمی کپڑوں کی صنعت میں بڑی ترقی ہوئی۔ ہشام کو گھوڑوں اور گھوڑ دوڑ کا بڑا شوق تھا۔ اس شوق کی وجہ سے گھوڑوں کی پرورش و پرداخت اور ان کی نسل میں بڑی ترقی ہوئی۔

ہشام کو علم و فن سے بھی بہت دلچسپی تھی۔ اس نے امام زہریؒ سے چار سو حدیثوں کا ایک مجموعہ مرتب کرایا تھا۔ اسی طرح غیر قوموں کے علوم میں فارسی کی ایک اہم کتاب، جو ایرانیوں کے بہت سے علوم وفنون، ان کے بادشاہوں کے حالات اور سیاسی واقعات پر مشتمل تھی، کا ترجمہ کرایا تھا۔ یہ کتاب منصور کی اور مسعودی کی نظر سے گزری تھی۔ التنبیہ والاشراف میں اس نے اس کا تفصیلی تذکرہ کیا ہے۔

ہشام ابن عبدالملک نے ان کارناموں کے ساتھ مذہبی خدمات بھی انجام دیں۔ خاص طور پر حاجیوں کے لیے مکہ کے راستے میں حوض اور تالاب بنوائے۔ وہ خود بھی راسخ العقیدہ شخص تھا اور مذہب میں کسی ایسی بدعت کو پسند نہ کرتا تھا، جس سے عقائد میں گڑبڑ پیدا ہو۔ اپنے بیٹوں پر نماز کے لیے بڑی سختی کرتا تھا۔ ایک مرتبہ ایک لڑکا جمعہ کی نماز میں نہ پہنچ سکا، تو ہشام نے پوچھ تاچھ کی۔ بیٹے نے عذر کیا کہ سواری نہ تھی۔ ہشام نے کہا: پیدل نہیں جا سکتے تھے؟ اور سزا کے طور پر ایک سال کے لیے سواری بند کر دی۔ وہ لہو ولعب سے بہت دور رہتا تھا۔ رعایا کو

بھی اس قسم کے مشاغل سے روکتا تھا اور اس پر احتساب کرتا تھا۔

ہشام ابن عبدالملک کے اوصاف میں دو چیزیں زیادہ نمایاں تھیں۔ حلم و بردباری اور کفایت شعاری۔ حضرت امیر معاویہؓ کے حلم کی طرح اس کا حلم بھی تاریخی مسلمات میں سے ہے۔ وہ تلخ سے تلخ باتیں سن کر پی جاتا تھا۔ ایک مرتبہ ایک شخص نے اس کو بہت سخت باتیں کہیں۔ اس نے جواب میں صرف اتنا کہا کہ اپنے امام کو برا کہنا مناسب نہیں۔ ایک مرتبہ خود اس نے ایک معزز شخص کو نامناسب الفاظ کہہ دیے۔ اس شخص نے کہا کہ خلیفہ ہو کر اس قسم کے الفاظ منہ سے نکالتے ہوئے شرم نہیں آتی؟ ہشام سخت شرمندہ ہوا اور بولا: مجھ سے اس کا بدلہ لے لو۔ اس شخص نے کہا: تمہارے جیسا کمینہ میں بھی ہو جاؤں؟ ہشام نے کہا: تو اس کا مالی معاوضہ لے لو۔ اس نے کہا: یہ بھی نہیں کر سکتا۔ ہشام نے کہا: تو اس کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں دے دو۔ اس نے کہا: پہلے اللہ تعالیٰ کی راہ میں، پھر تمہارے لیے۔ اس واقعے سے ہشام نہایت شرمندہ ہوا اور قسم کھائی کہ آئندہ کبھی ایسا نہ کرے گا۔ اس کی زبان سے جو سخت سے سخت کلمہ تاریخوں میں ملتا ہے، وہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ کسی شخص پر بہت برہم ہوا تو کہا کہ میں نے ارادہ کیا ہے کہ تم کو ایک کوڑا ماروں گا، لیکن یہ ارادہ بھی قول سے عمل میں نہ آیا۔ وہ اپنے اور پیش رو خلفاء کے برعکس نہایت کفایت شعار تھا۔ ایک ایک لباس برسوں پہنتا تھا۔ اس نے اپنے بیٹوں کو بھی سادگی کا عادی بنایا تھا۔

9.8 فرہنگ

- سنگ باری: پتھر برسانا
- مغازی: جنگی مہمات اور معرکے ہیں جن میں رسول اللہ ﷺ نے خود شرکت فرمائی یا آپ کے دور کی دیگر جنگیں۔ اصطلاحی معنی: ان تمام جنگی مہمات کی تاریخی روایت/تاریخ نگاری۔ مثال: کتاب المغازی: یہ ابتدائی اسلامی دور کی ایک معروف کتاب ہے جس میں غزوات کی تفصیل ملتی ہے۔
- جزیہ—Poll Tax (on non-Muslims)

9.9 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے درج ذیل نکات سیکھے:

- اموی دورِ حکومت کا آغاز حضرت امیر معاویہؓ کے ذریعے ہوا۔
- اموی دورِ حکومت 92 سال قائم رہی۔ اموی دورِ حکومت میں کل 14 حکمراں ہوئے۔
- دوسری حکومتوں کی طرح حکمرانوں کے ذہن و مزاج کی وجہ سے اموی حکومت کا رنگ ڈھنگ بھی بدلتا رہا۔
- خلافتِ راشدہ جیسے مبارک نظامِ حکومت کے فوراً بعد قائم ہونے کی وجہ سے اموی حکومت کو بہت سے امتحانات سے گزرنا پڑا۔ تاہم امیر معاویہ، کے بعد عبدالملک بن مروان، ولید بن عبدالملک، عمر بن عبدالعزیز اور ہشام بن عبدالملک کا دور انتظام سلطنت کے

اعتبار سے نہایت اہمیت کا حامل تھا۔

9.10 نمونہ امتحانی سوالات

9.10.1 معروضی جوابات کے متقاضی سوالات

1. اموی دورِ حکومت کتنے سال پر محیط تھا؟

(a)25؍سال (b)60؍سال (c)80؍سال (d)92؍سال

2. اموی حکومت کے بانی کون تھے؟

(a)مروان (b)حضرت امیر معاویہؓ (c)حضرت عمر ابن عبدالعزیز (d)ہشام

3. کس اموی بادشاہ کو پانچواں خلیفۂ راشد کہا جاتا ہے؟

(a)عبدالملک (b)عبدالعزیز (c)عمر ابن عبدالعزیز (d)ولید ابن عبدالملک

4. کس اموی حکمراں نے شفاخانے قائم کیے؟

(a)یزید ابن معاویہ (b)معاویہ ابن یزید (c)عبدالعزیز (d)ولید بن عبدالملک

5. کس اموی حکمراں نے سکے ڈھالنے کے لیے ٹکسال قائم کی؟

(a)عبدالملک بن مروان (b)معاویہ ابن یزید (c) ولید بن عبدالملک (d)سلیمان بن عبدالملک

9.10.2 مختصر جوابات کے متقاضی سوالات

1. خلافتِ امویہ کے اہم محکموں پر تعارفی نوٹ لکھیے۔
2. ولید بن عبدالملک کے نظام حکومت پر روشنی ڈالیے۔
3. اموی حکومت کے پہلے خلیفہ پر اپنی معلومات قلم بند کیجیے؟
4. پانچ ممتاز ترین اموی حکمرانوں کے نام مع ولدیت لکھیے۔
5. پہلے اور آخری اموی حکمراں کے بارے میں پانچ پانچ سطریں لکھیے۔

9.10.3 طویل جوابات کے متقاضی سوالات

1. عبدالملک بن مروان کی شخصیت اور نظام حکومت پر جامع نوٹ قلمبند کیجیے۔
2. اموی نظام حکومت کا تفصیلی خاکہ پیش کیجیے۔
3. امیر معاویہؓ کے نظام حکومت پر روشنی ڈالیے۔

9.11 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1.	تاریخ اسلام (دوم)	:	شاہ معین الدین ندوی
2.	تاریخ دعوت وعزیمت (اوّل)	:	مولانا سید ابوالحسن علی ندوی
3.	تاریخ تہذیب اسلامی (دوم)	:	پروفیسر محمد یاسین مظہر صدیقی ندوی
4.	مختصر تاریخ اسلام	:	غلام رسول مہر
5.	تاریخ عرب	:	فلپ کے ہٹی
6.	بنوہاشم اور بنوامیہ کے معاشرتی تعلقات	:	پروفیسر محمد یاسین مظہر صدیقی ندوی
7.	ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ (اوّل)	:	ثروت صولت
8.	تاریخ عالم	:	ولیم ایل لینگر

معروضی سوالات کے جوابات

1. D	2. B	3. C	4. D	5. A

اکائی10: اموی حکومت کے سماجی و معاشی حالات

اکائی کے اجزا:

10.0 تمہید

10.1 مقاصد

10.2 اموی دور کے سماجی حالات

10.0.1 سماجی طبقات

10.2.1 مذہبی رواداری

10.3 عرب معاشرہ

10.3.1 دینی طبقات

10.4 عام زندگی

10.5 اموی دور میں معاشی حالات

10.5.1 زراعت و کاشت کاری

10.5.2 تجارت، صنعت و حرفت کی ترقی

10.6 فرہنگ

10.7 اکتسابی نتائج

10.8 نمونہ امتحانی سوالات

10.8.1 معروضی جوابات کے متقاضی سوالات

10.8.2 مختصر جوابات کے متقاضی سوالات

10.8.3 طویل جوابات کے متقاضی سوالات

10.9 تجویز کردہ اکتسابی مواد

10.0 تمہید

خلافت بنوامیہ خلافت راشدہ کے بعد دوسری اسلامی خلافت ہے جس کی بنیاد صحابی رسول ﷺ حضرت امیر معاویہ نے رکھی۔ یہ خلافت (661ء-750ء) تقریبا نوے سال تک قائم رہی ۔اس دور میں مسلمانوں کی فتوحات ہلال زرخیز(Fertile Crescent)سے نکل کر غیر عرب قوموں اور ملکوں تک پھیل گئیں، جس سے اسلامی ریاست کا دائرہ کافی وسیع و عریض ہو گیا۔اس دور میں مختلف سیاسی، سماجی، معاشی، ومعاشرتی تبدیلیاں رونما ہوئیں، مختلف قسم کے مسائل پیش آئے۔ان مسائل کے حل کے لئے خلفاء بنوامیہ نے اپنی اپنی حکمت عملیاں اپنائیں۔ عرب قوموں کے ساتھ ساتھ ایرانی، بربر اور دیگر نسل کے لوگ اسلامی ریاست کے باشندے بنے۔اسی طرح سے مسلمانوں کے علاوہ، عیسائی، یہودی، پارسی جیسے مذاہب کے ماننے والے بھی اسلامی معاشرہ کے حصہ بن چکے تھے۔بنوامیہ کے گوناگوں معاشرتی پہلو کے جاننے کے لئے ضروری ہے کہ اس کے سماجی اور معاشی حالات کا مطالعہ کیا جائے۔

10.1 مقاصد

اس اکائی کا مقصد ہے کہ آپ:

- اموی سماج کی بنیادی خصوصیات مثلاً معاشرتی طبقات، عرب وغیر عرب تعلقات اور شہری زندگی کو بیان کر سکیں۔
- اموی سماج کی خصوصیات کو اس دور کے سیاسی اور معاشی حالات کے ساتھ جوڑ کر مثالوں کے ذریعے واضح کر سکیں
- اموی سماج میں موجود مختلف معاشرتی معاشی طبقات اور ان کے کردار کا تجزیہ کر سکیں۔
- اموی دور کی معیشت کے بنیادی ذرائع مثلاً زراعت، تجارت، صنعت اور محاصل (Taxes) کو بیان کر سکیں۔
- اموی دور کی معاشی پالیسیوں کے مثبت اور منفی اثرات کا تنقیدی جائزہ پیش کر سکیں۔

10.2 اموی دور کے سماجی حالات

عہد بنوامیہ کے سماج پر جب ہم نظر ڈالتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ عباسی معاشرہ کے برعکس اموی معاشرہ میں عربی رنگ غالب تھا، کیونکہ بنوامیہ کا خاندان اسلام کی آمد سے پہلے ہی سے عرب قبائل کی سیادت و قیادت کرتا تھا، وہ عربی روایات کا پابند تھا، نیز اموی حکمرانوں نے حکومت کے اہم عہدوں پر عربوں کو ہی قائم کیا تھا۔ عربی رنگ کے غلبہ کے باوجود اموی سماج میں فارسی، رومی، مصری، بربری، سندھی، مجوسی اور صابئی جیسی بہت سی قومیں آباد تھیں،اور وہ حکومت و خلافت اپنے وقت کا عظیم سیاسی و سماجی وحدت کا شاہکار تھی۔ انہیں مختلف عناصر کی وجہ سے اموی معاشرہ کے تکثیری پہلوؤں کا اندازہ ہوتا ہے اور خلفاء بنوامیہ کے وسیع النظر اور رواداری کا پتہ چلتا ہے۔ان تمام اقوام کے باہمی میل جول اور اتحاد سے ایک نئی تہذیب اور نئے سماج نے جنم لیا جو اپنے دور کی سب سے شائستہ تہذیب اور ترقی یافتہ سماج کا مظہر تھی۔ حالانکہ اس میل جول سے بہت سے نئے چیلنجز بھی سامنے آئے۔ جیسے عجمیوں میں قرآن کو پڑھنا اور اس کا سمجھنا، جس کے لئے باقاعدہ

نحو وصرف جیسے علوم وجود میں آئے،اسی طرح سے نئے فقہی مسائل پیدا ہوئے جن کے حل کے لئے مجتہدین کا گروپ پیدا ہوا،غیر مسلموں کے اختلاط سے مذہبی رواداری کا مسئلہ پیش آیا،پرسنل لاء بنائے گئے،بود و باش میں تبدیلی آئی،غذا وخوراک میں دیگر قوموں کے اثرات شامل ہوئے۔ان نکات کا مندرجہ ذیل سطروں میں ذرا واضح انداز میں پیش کیا جارہا ہے:

10.0.1 سماجی طبقات

اسلامی فتوحات کے نتیجے میں اموی خلافت کا معاشرہ پہلے دور کے مقابلہ میں اور زیادہ وسیع اور گوناگوں ہو گیا تھا۔دینی لحاظ سے دو بڑی اقسام تھیں: مسلم اور غیر مسلم۔

ذمی:

اسلامی ریاست میں جو غیر مسلم طبقات رہتے ہیں ان تمام کو ذمی یا اہل الذمہ کہا جاتا ہے۔ان غیر مسلموں کے متعدد مذہبی طبقات تھے جیسے یہودی،عیسائی،مجوسی،بودھ ہندو وغیرہ۔ یہ تمام غیر مسلم طبقات اسلامی ریاست کی حفاظت و حمایت میں رہتے تھے اور اسلامی خلافت ان کی جان ومال اور آبرو کی حفاظت کرتی،ان کو ہر قسم کی سماجی،اقتصادی،دینی اور تمدنی آزادی دیتی تھی۔

10.2.1 مذہبی رواداری

حضرت فاروقؓ نے اہل الذمہ کو عبادت اور اندرونی نظم ونسق و قومی روایات کے تحفظ کے سلسلہ میں جو مراعات دی تھیں،وہ اموی دور میں نہ صرف قائم رکھی گئیں بلکہ ان میں کچھ اضافہ بھی کیا گیا۔ حضرت امیر معاویہ پہلے شخص تھے جنہوں نے مسیحین کو بڑے اہم عہدے دئے۔امیر معاویہ کی فوج میں نصرانی اور دوسرے غیر مسلم سپاہیوں کی کافی تعداد ملازم تھی۔ حمص کا صاحب الخراج بھی نصرانی تھا، امیر معاویہ کا طبیب خاص ابن اثال بھی نصرانی تھا۔ان کی بیوی میسون بھی نصرانی تھی انہوں نے کبھی اس کے مذہب میں مداخلت نہ کی اور نہ کبھی کسی موقعے پر کسی دوسرے نصرانی کے مذہبی معاملات میں دخل کو جائز سمجھا۔ یہ حکمت عملی پورے اموی دور میں قائم رہی۔ عیسائی، یہودی اور دوسرے لوگ اپنے مذہبی روایات کی تکمیل میں پورے آزاد تھے۔ان پر کسی قسم کی سختی نہ کی جاتی۔البتہ جزیہ اور خراج ان پر ہمیشہ عائد رہا۔اس سے انہیں نجات نہیں دی گئی۔

حضرت امیر معاویہ کے زمانے سے ان میں سے بہت سے طبقات اور افراد کو سرکاری ملازمتیں بھی ملنے لگیں اور بعض لوگوں کو بڑے عہدے بھی دئے گئے جیسے ایک عیسائی شامی 'سرجون بن منصور' ان کا وزیر مالیات تھا جس کی مدد سے انہوں نے مغربی علاقۂ مملکت میں اپنا مالی نظام منظم کیا تھا۔

ان تمام آزادیوں اور تحفظات کے بدلے میں اسلامی حکومت ان ذمیوں سے سالانہ جزیہ وصول کرتی تھی جو معمولی رقم ہوتی تھی۔ عبدالملک بن مروان کے عہد خلافت سے جزیہ کی شرح ذمیوں کے طبقات کی مالی حیثیت کے مطابق متعین کی گئی تھی۔(1)مالدار طبقہ سے چار دینار یا اڑتالیس درہم سالانہ(2)متوسط آمدنی والے ذمیوں سے دو دینار یا چوبیس درہم سالانہ(3)اور کم آمدنی والے ذمیوں سے ایک دینار یا

بارہ درہم سالانہ وصول کیا جاتا تھا۔

ان میں سے جو لوگ کاشت کار اور خراجی زمینوں کے مالک تھے ان کی پیداوار کا ایک خاص حصہ خراج کے نام سے لیا جاتا تھا جو اسلامی ریاست کے تمام صوبوں میں الگ الگ تھا۔

مسلم سماج

بنو امیہ کا مسلم معاشرہ مختلف علاقائی، لسانی، اور تمدنی طبقات پر مشتمل تھا جیسے عرب، ایرانی، بر بر، عراقی، شامی، قبطی، خراسانی، ترک، وزی گوتھ، افغان اور ہندستانی وغیرہ۔ مگر ان میں عمومی طور پر دو بڑے طبقے تھے: اول عرب اور دوسرے غیر عرب اور عجمی جو موالی کہلاتے تھے۔

10.3 عرب معاشرہ

عرب معاشرہ خالص عربی مسلمانوں پر مشتمل تھا مگر ان میں بھی ذیلی طبقات تھے اور ہر طبقہ کی تقسیم کی نوعیت جدا تھی مگر ان میں تین اقسام بہت اہم تھیں۔(1) قبائلی تقسیم (2) علاقائی تقسیم (3) دینی تقسیم۔

قریش:

قبائلی تقسیم کے اعتبار سے سب سے اہم خاندان یا قبیلہ قریش کا تھا جو رسول اکرم ﷺ کے زمانے سے قبل ہی پورے عرب سماج میں ممتاز اور سربرآوردہ چلا آرہا تھا۔ پہلے بیت اللہ کے متولی ہونے کے سبب اور بعد میں رسول اکرم ﷺ کے ہم قبیلہ ہونے کی بنا پر۔ قریش کو دینی سیادت بھی حاصل تھی اور سماجی مرتبہ بھی۔ اس کے علاوہ قریش اپنی تعداد، صلاحیتوں، اتحاد و تنظیم اور عظیم شخصیات کے سبب بھی سب سے زیادہ طاقتور رہا تھا۔

قبیلہ قریش کے دو خانوادے بڑے اہم اور ممتاز تھے ان میں پہلا خاندان بنو ہاشم تھا۔ قریش میں بنو ہاشم کو رسول اللہ ﷺ کی قرابت کے سبب زیادہ فضیلت حاصل تھی۔ اسی کے ساتھ اس بنا پر بھی کہ وہ ایک طاقت ور اور عظیم تر بطن عبدِ مناف کا ایک خاندان تھا۔

اسی بطن عبدِ مناف کا سب سے طاقت ور، صلاحیتوں سے بھرپور اور مرتب و منظم خاندان بنو امیہ کا تھا جو عہد جاہلی سے عہد اسلام تک اور عہد اسلام سے عہد خلافت تک ہر دور میں ہر لحاظ سے ممتاز رہا تھا۔ خلافت اموی کے قیام کے بعد بنو امیہ کو سب قریشی خاندانوں پر سبقت اور فضیلت حاصل ہو گئی تھی۔ ان کے خاندان کے سوا اور کسی کو خلافت مل ہی نہیں سکتی تھی کہ وہ سیاسی مرکز ثقل بن گیا تھا۔ ان کا سماجی مرتبہ ان کے سیاسی اقتدار کے علاوہ ان کی خدمات بھی متعین کیا تھا اور ان کے افراد و شخصیات نے بھی۔ سیاسی مقاصد اور دوسرے مصالح سے بیشتر اعلی مناصب بنو امیہ کے مختلف خاندانوں کے پاس تھے۔ لیکن دوسرے قریشی یا عرب خاندان کو بھی اس میں سے حصہ وافر ملا تھا جیسا کہ اموی عمال اور گورنروں کے تجزیہ سے معلوم ہوتا تھا۔ معاشی اعتبار سے بھی یہ طبقہ بڑا مال دار تھا، زیادہ تر اس بنا پر کہ وہ مال دار خاندان سے تعلق رکھتا تھا اور بڑی حد تک اس سبب سے کہ ان کے پاس صوافی (سرکاری زمینوں) کے بڑے بڑے قطائع تھے جو دوسرے عرب طبقات

کی طرح ان کو حکومت سے ملے تھے۔

علاقائی تقسیم: جنوبی و شمالی عرب

پورا عرب علاقائی اعتبار سے دو حصوں میں بٹا ہوا ہے۔ شمال کا علاقہ مضری قبائل اور جنوب کا علاقہ یمنی قبائل پر مشتمل تھا۔ان دونوں علاقوں کے قبائل میں عہد جاہلی سے اختلافات چلے آرہے تھے۔ان کے علاوہ بعض نئے اختلافات سیاسی اور اقتصادی اسباب سے بھی پیدا ہوئے تھے۔شام کا علاقہ اسلامی فتوحات کے زمانے سے یمنی یا جنوبی عرب قبائل کا گڑھ بن گیا تھا۔ان میں سب سے اہم بنو کلب تھے کہ وہ اموی خلافت کے سخت حامی اور وفادار تھے اس بناپر ان کو سیاسی مناصب اور اقتصادی مراعات بھی حاصل تھیں اور سماجی مقام و مرتبہ تھی۔

لیکن اموی خلفاء نے ان کے بہتر مقام و مرتبہ کے ساتھ ساتھ دوسرے قبائل کے سرداروں کے ساتھ بھی اچھا سلوک کیا۔دراصل اموی خلفاء یمنی اور مضری قبائل کے درمیان توازن برقرار رکھتے تھے۔ایک کو دربار خلافت میں مقام و مرتبہ دیتے تو دوسرے کو عہدے اور مناصب سے نوازتے۔مثال کے طور پر عراق کے گورنروں میں مغیرہ بن شعبہ ثقفی، زیاد بن ابی سفیان اموی، حجاج بن یوسف ثقفی، یوسف بن عمرو ثقفی وغیرہ مضری یا شمالی قبیلوں کے تھے تو یزید بن مہلب ازدی، خالد بن عبداللہ قسری وغیرہ یمنی یا جنوبی قبیلوں کے تھے۔لیکن جب ان قبیلوں کا توازن بگڑا اور ان کی باہمی خانہ جنگی شروع ہوئی تو اموی خلافت کو سخت نقصان پہنچا، اور اموی خلافت کے زوال کا سبب بھی بنا۔

10.3.1 دینی طبقات

اموی سماج میں دینی لحاظ سے بھی کئی گروپ تھے جن میں سب سے زیادہ سماجی عزت و مرتبہ صحابہ کرامؓ خصوصاً اکابر صحابہؓ کو حاصل تھا۔ان میں سے بھی سب سے زیادہ ازواجِ مطہرات کو اور ان کے بعد مہاجرین وانصار کے بزرگ صحابہ کو۔ان کے بعد چھوٹے صحابہ کو جو عہد نبوی میں کم عمر تھے۔صحابہ کرام کی اولادوں کو بھی ان کے سماجی مقام و مرتبہ سے حصۂ وافر ملا تھا۔اس لیے مہاجرین یا انصار کی اولاد ہونا عزت کی بات تھی۔خلافت معاویہ تک صحابہ کرام اور ازواج مطہرات کی بڑی تعداد زندہ رہی۔صحابہ کرام میں سے کئی سو حضرات خلافت مروانی کے ابتدائی دور تک زندہ رہے۔ان کی تعداد رفتہ رفتہ کم ہوتی گئی حتی کہ 726ء میں آخری صحابی کا مکہ میں انتقال ہو گیا۔صحابہ کے بعد تابعین کا دور آیا جو زیادہ تر صحابہ کرام کی اولاد میں سے تھے۔اموی خلافت کے آخری دور تبع تابعین کو سماجی مقام و مرتبہ حاصل ہوا یعنی مسلم سماج کی تیسری نسل نے جنہوں نے تابعین کی صحبت کا شرف پایا تھا۔

ان مسلم دینی طبقات میں نسل و اسلام کے علاوہ ایک امتیاز علم و فضل کا تھا۔ان میں سے اکثر حضرات نے اپنے علم دین اور فضل اسلام کے سبب اسلامی معاشرہ میں اپنا بلند مقام بنایا تھا۔ان میں محدثین، مفسرین، فقہاء، سیرت نگار وغیرہ حضرات و خواتین شامل تھے۔

موالی

اموی معاشرہ میں عرب طبقات کے علاوہ تعداد کے اعتبار سے سب سے بڑا طبقہ موالیوں کا تھا۔اس میں تمام غیر عرب مسلمانوں کے گروہ شامل تھے۔خواہ وہ کسی بھی خطے یا نسل سے تعلق رکھتے ہوں۔ان کو موالی اس لئے کہا جاتا ہے کہ ان کو کسی نہ کسی عرب قبیلہ کے ساتھ

ولاء(دوستی، مصاحبت)کا رشتہ قائم کرنا پڑتا تھا اس لیے وہ ان کے مولی یا موالی ہو جاتے تھے۔ حکمراں خاندان بنوامیہ کے موالی کو کافی سیاسی اور سماجی مراعات حاصل تھیں۔

موالیوں کے بھی دو بڑے سماجی طبقات تھے: ایک تو عام دیہاتی، غیر مہذب اور غیر تعلیم یافتہ لوگ جن کی تعداد اکثریت میں تھی۔ ظاہر ہے کہ ان کو سماجی مقام و مرتبہ کم تر ملتا تھا اور ان کے ساتھ تحقیر و توہین کا سلوک شہروں میں خاص مقاصد سے کیا جاتا تھا مگر دینی لحاظ سے ان کو کامل مساوات حاصل تھی اور سماجی، سیاسی اور اقتصادی لحاظ سے ان کی مساوات کا سوال ہی نہیں اٹھ سکتا۔ ان کا دوسرا طبقہ شہری، مہذب، تعلیم یافتہ اور اونچے طبقات پر مشتمل تھا۔ تعداد کے لحاظ سے وہ اگرچہ کم تھا لیکن ان کو حکومت کے مناصب بھی ملتے تھے اور سماج میں اونچا مرتبہ بھی جو بالکل عرب طبقات کے مطابق ہوتا تھا۔ کچھ مؤرخین کے نزدیک بنوامیہ پر یہ الزام عائد کیا جاتا ہے کہ انہوں نے موالی طبقہ کے ساتھ زیادتی کی ہے اور ان کو غیر عرب ہونے کی وجہ سے زیادہ و سرکاری مناصب نہیں دیئے تھے۔ پروفیسر یسین مظہر صدیقی نے اس الزام کی تردید کی ہے اور اس کی توجیہ مندرجہ ذیل الفاظ میں کی ہے: ''موالی کو اسلام میں رسوخ، سرکاری کاروبار میں مہارت نہ ہونے کے سبب اُتنے زیادہ عہدے نہیں دئے جا سکتے تھے جتنے کہ عربوں کو ملے اور حقیقت یہ ہے کہ کسی بھی دور میں ان کو عربوں کے برابر عہدے نہیں ملے''۔ (صدیقی، یسین مظہر، تاریخ تہذیب اسلامی، حصہ دوم، ص265)۔

لیکن یہ بھی سچ ہے کہ بہت سے باصلاحیت موالیوں کو اہم ترین عہدوں پر فائز کیا گیا مثلاً حضرت امیر معاویہ نے اپنے مولی عبداللہ بن دراج کو عراق کے خراج کا والی مقرر کیا اور اس نے اس منصب پر عظیم خدمات انجام دیں۔ عبدالملک اور ولید اول کی خلافت کے زمانے میں حجاج بن یوسف ثقفی والی عراق نے اپنا وزیر مال اپنے ایک مولی صالح بن عبدالرحمن کو اور صاحبِ مال وامام سعید بن جبیر کو بنایا تھا۔ اسی طرح سے مختلف علاقوں کے گورنر و عامل بھی مقرر کئے گئے جیسے افریقیہ کا گورنر یزید بن ابی مسلم، مصر کا عاملِ خراج عبداللہ بن حجاب، خراسان کے سالار ہارون بن سیاؤش، شاس کے گورنر نیزک بن صالح وغیرہ۔ فاتحین و سالاروں میں فاتحِ اندلس طارق بن زیاد جو ایک بربر غلام تھے۔

اس طرح سے مختلف محکموں کے رئیس سکریٹری، مشیر، محرر، منتظمین جاگیرات حکومت اور مختلف عربوں کے کارندے موالی تھے۔ باقی موالی بھی اپنے سرپرستوں کے ساتھ ہو کر میدان جنگ میں لڑتے اور ان سے تنخواہیں اور ضروری مصارف وصول کرتے۔

موالیوں کے ساتھ حسن سلوک اور مساوات کا بہترین نمونہ ان کی علمی لیاقت میں نظر آتا ہے۔ ان کے عرب آقا اور سرپرست ان کو خاص طور سے دین اور علوم کی تعلیم دلاتے اور ان پر خوب رقم خرچ کرتے تھے۔ اموی سماج میں عرب علماء و فضلاء کے دوش بدوش موالی نے بھی علوم و فنون کے میدان میں اپنا سکہ جمایا اور ان کی سیادت و قیادت عرب مسلمانوں نے بھی تسلیم کی۔ حجاج بن یوسف ثقفی جیسے عرب پرست حاکم کے امامِ نماز حضرت سعید بن جبیر جیسے عظیم مولی تھے۔ متعدد محدثین، مفسرین، فقہاء و مؤرخین جیسے قتادۃ، عکرمہ، نافع، ابن اسحاق، معمر بن راشد، موسیٰ بن عقبہ، مجاہد وغیرہ سب کا تعلق طبقۂ موالی سے تھا۔ اسلامی معاشرتی مساوات اور عدل کا ہی نتیجہ تھا کہ موالی نے اسلام اور علوم میں رسوخ حاصل کر کے کارہائے نمایاں انجام دئے۔

غلام

غیر اسلامی سماج میں غلاموں کے ساتھ بہت برا سلوک ہوتا تھاان کو صرف خدمت کے لئے ہی رکھا جاتا تھا۔ لیکن اسلام نے غلاموں کو بھی بہت ساری مراعات اور حقوق دئے ہیں جس کے نتیجے میں اسلامی معاشرہ میں انہوں نے خوب ترقی کی اور آزادیاں حاصل کیں۔ اموی سماج میں غلاموں کے بھی ان کے آقاؤں کے لحاظ سے کئی طبقات تھے۔ ایک طبقہ تو وہ تھا جو عام لوگوں کے گھر خادموں یا کارندوں کا کام کرتے تھے اور ان کی حالت آزادوں جیسی نہ تھی لیکن اسلامی انصاف اور عدل نے ان کو کافی مراعات اور حقوق دے رکھے تھے۔ دوسرا طبقہ متوسط غلاموں کا تھا جو تاجروں کے ساتھ رہا کرتے تھے۔ ان کی حالت کافی بہتر ہوتی تھی کیونکہ وہ ان کے کاروبار میں یا زراعت میں ہاتھ بٹاتے تھے اور نتیجتا اچھی زندگی گزارتے تھے۔ اعلی طبقات خاص کر حکمرانوں کے غلاموں کی حالت آزاد عربوں اور موالی سے بھی بہتر ہوتی تھی کیونکہ وہ اپنے آقاؤں کے معتمد ہوتے تھے۔ خلفاء گورنروں اور دوسرے حاکموں کے غلاموں کو بڑے بڑے عہدے ملتے تھے۔ ان کا سماجی مرتبہ بھی بلند ہوتا تھا اور وہ اقتصادی لحاظ سے طبقۂ اُمراء میں شمار ہوتے تھے۔

عورتیں

خلافت راشدہ کے دور کے مانند اموی عہد میں بھی عورتوں کو بلند و باعزت مقام حاصل تھا۔ ان کو اسلام کے عطا کردہ حقوق و مراعات بھی حاصل اور عرب تہذیب کی عطا کردہ آزادی و خود مختاری بھی۔ اگرچہ مردوں کے مقابلے میں ان کا درجہ کم تر تھا۔ تاہم وہ اپنے حدود کار کے اندر اپنی صلاحیتوں کا بھرپور مظاہرہ کرتی تھیں۔ سماجی، دینی اور علمی اعتبار سے ازواج مطہرات کو اعلی ترین مقام حاصل تھا ایسا کہ مردوں کو بھی نصیب نہ تھا کہ وہ امت کی مائیں تھیں۔ ابتدائی اموی عہد میں ان میں کئی جیسے حضرت عائشہؓ، حضرت حفصہؓ، حضرت ام سلمہؓ وغیرہ معاشرہ میں اپنا کردار ادا کر رہی تھیں۔ ان کے بعد ان کی شاگرد تابعیات کا درجہ و مقام تھا۔ ان میں سے متعدد خواتین نے سماج میں اپنے کارناموں سے خاص مقام بنایا جیسے حضرت عمرہ بنت عبدالرحمنؒ نے۔

بنو ہاشم خاص کر خاندان علی کی خواتین کو رسول اکرم ﷺ سے نسبت و تعلق کے سبب بلند مقام حاصل تھا اور ان میں سے متعدد اپنی عمدہ کارگزاریوں کے سبب احترام و عقیدت کا درجہ حاصل کر لیا تھا جیسے حضرت حسین کی دو صاحبزادیاں حضرت فاطمہؒ اور حضرت سکینہؒ اپنی تہذیب و خوب صورتی، ذہانت و فطانت اور پاکیزہ کردار کے لئے معروف تھیں۔ انہیں کے ہم پلہ حضرت عائشہ بنت طلحہ تیمیؒ، ثریا قریشیؒ، فاطمہ بنت عبدالملکؒ اموی اور حجاج ثقفی کی بہن زینبؒ وغیرہ تھیں۔ اسی طرح خاندان اموی میں حضرت معاویہ کی بیوی میسون بنت بحدل کلبی شام میں بڑا سماجی مرتبہ رکھتی تھیں۔ ولید اول کی بیوی اور حضرت عمر ثانی کی بہن ام البنین بھی اپنے عہد کی عظیم عورتیں تھیں۔

دین و علم کے میدان میں بھی متعدد خواتین نے شاندار کارنامے انجام دئے۔ مشہور صوفی خاتون حضرت رابعہ بصری اسی اموی عہد کی عظیم دینی شخصیت تھیں۔ ازواج مطہرات اور تابعیات نے تفسیر، حدیث و فقہ وغیرہ میں مردوں سے کسی طرح کم کارنامے انجام نہیں دئے جیسے حضرت عائشہؓ اسلام کی ایک تہائی معلومات وسیلہ بنیں اور عمرہ بنت عبدالرحمن جو حدیث کی امام تھیں۔ اسی طرح سیرت نبوی میں عبداللہ بن ابی بکر کی بیوی فاطمہ، شعر و ادب میں لیلی الاخیلیہ بلند ترین مقام کی حامل ہیں۔

مقتدر و معزز خواتین اسلام کے علاوہ عام عورتوں کو بھی اس دور میں کافی آزادی اور باعزت درجہ حاصل تھا جو بعد میں غیر اسلامی

عناصر کے سبب کم سے کم تر ہوتا گیا۔

10.4 عام زندگی

اموی حکومت بنیادی طور پر ایک عرب حکومت تھی۔ اموی دور کے مکانات کی بات کی جائے تو بہت سادہ اور خیمہ کی طرح ہوتے تھے ان میں سادگی جھلکتی تھی، چھتیں نیچی ہوتی تھیں زیبائش کے لئے کوئی بناوٹ، جیسے تصویر سازی یا موزیک کا استعمال نہیں تھا۔ لیکن جب بیرونی قوموں سے واسطہ پڑا وہ ملک شام آئے جہاں فن تعمیر بہت پختگی حاصل کر چکا تھا، وہاں کے گرجے، کنیسہ اور دیگر عمارتیں مزین تھیں تو عربوں میں بھی اس طرح کی عمارتیں تعمیر کرانے کا شوق پیدا ہوا اس کے لئے انہوں نے یونانی اور بازنطینی معماروں کی مدد لی، خاص طور پر ولید نے رومی بادشاہ کو خط لکھ کر رومی فنکاروں، معماروں کو بلوایا۔ ان کی مدد سے پہلے مسجد نبوی کی تعمیر کی گئی اور بعد میں جامع اموی کی تعمیر میں بھی رومیوں کی مدد لی گئی اور اسی طرح سے دیگر محلات اور تعمیروں میں رومی طرز و بناوٹ دیکھی جا سکتی ہے۔ اس تعلق سے رشید اختر ندوی لکھتے ہیں:

''اموی جب یہاں (شام) آئے تو سچ مچ پتھروں کو جوڑنے اور بیل بوٹے بنانے کا فن نہ آتا تھا۔ مگر ان کے پاس ایک تروتازہ ذہن اور غیر معمولی ذوق تھا، وہ شعر کہہ نہ سکتے مگر سخن فہم بلکہ شعر کے لئے تحریک پیدا کرنے والے تھے۔ دوسرے لفظوں میں وہ خود حُسن تھے۔ اور ان کے اندر اخلاق کے تمام جوہر موجود تھے۔ یہی وجہ تھی کہ اموی مسجد، قبۃ الصخراء، مسجد اقصیٰ اور ان کی دوسری عمارتیں، شام کی پہلی تمام عمارتوں سے حُسن و خوبصورتی کے اعتبار سے بہت آگے بڑھ گئیں، یقیناً اہرام مصر، ایک بڑے جلال اور ایک خاص ہیبت ناکی کے بڑے مظہر ہیں مگر جامع اموی، مسجد اقصیٰ اور قبۃ الصخراء کا حسن کچھ اور ہی تھا یہ کوئی اور ہی بات تھی جو امویوں کے ذہنوں نے رومی اور شامی فنکاروں سے تخلیق کرالی تھی''۔ (ندوی، رشید اختر، تہذیب و تمدن اسلامی، جلد دوم، ص196)

امویوں میں صحرا سے رغبت بہت تھی، حضرت امیر معاویہ اور عبدالملک کو چھوڑ کر تقریباً سارے اموی تاجداروں کو شام کے صحرا سے بے حد محبت تھی۔ اور سخت گرمی کے دنوں کے سوا ان کا اکثر وقت صحرا میں گزرتا۔ انہیں صحرا کی ٹھنڈی ہوا اور تاروں بھری راتیں، اور وہاں کی کھلی فضا بہت بھاتی۔ وہ اپنے مخصوص ندیموں محبوب بیویوں اور لونڈیوں کی معیت میں صحرا میں خیمے ڈال دیتے وہیں ان کے شعراء حاضر ہوتے اور شعر و نغمہ کی محفلیں جم جاتیں۔ پہلے انہوں نے خیموں کی زندگی پسند کی لیکن بعد میں محلات بھی تعمیر کر لئے۔ جیسے قصرِ عمرہ، قصر الحیر، قصر جبل، قصر خزانہ وغیرہ۔

10.5 اموی دور میں معاشی حالات

عہد اموی میں عوام کو معاشی حالات کی بنا پر دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ایک امراء و شرفاء کا طبقہ جن کے معاشی حالات بہت اچھے تھے۔ اس طبقہ میں اہل علم، اہل قلم، شعراء و ادباء، اہل فن، تاجر، کاریگر اور مختلف پیشہ سے منسلک لوگ شامل تھے، ان لوگوں کے معاشی حالات بہتر تھے اور خوش حال لوگوں میں شمار ہوتا تھا۔ دوسرا طبقہ جن میں مزدور، کاشت کار، گلہ بان، دیہاتی اور عام لوگ تھے، وہ معاشی طور

پر خستہ حال شمار کیے جاتے تھے۔ لیکن اس کے باوجود عام طور پر بنوامیہ کے سماج میں معاشی خوش حالی تھی کہ ان کے دور میں فتوحات وسیع پیمانے پر ہو رہی تھیں جس سے سرکاری و غیر سرکاری دونوں حلقوں میں مال و دولت کی بہتات ہو رہی تھی، نیز حکومتی سطح پر بہت سے رفاہ عام کے کام ہو رہے تھے جس سے عوام الناس کی زندگی بہتر ہو رہی تھی، اور ان فتوحات کے عوض تجارت، صنعت و حرفت میں اور کاشت کاری میں روز بروز ترقی ہو رہی تھی۔ کیونکہ کسی بھی ملک، ریاست یا خطہ کی معاشی یا اقتصادی حالات کی ترقی اس ملک کی پیداوار، درآمدات اور برآمدات پر منحصر ہوتی ہے۔ جب تک ملک وقت کے ساتھ ساتھ ہر میدان میں ترقی نہ کرے اس کی معاشی ترقی بھی متأثر ہوتی ہے۔ مندرجہ ذیل سطروں میں اموی معاشرہ کے معاشی حالات کو سمجھنے کے لئے تجارت، زراعت و کاشت کاری اور صنعت و حرفت پر بات ہو گی۔

10.5.1 زراعت و کاشت کاری

فتوحات کے نتیجے میں بہت سی زمینیں مسلمانوں کے قبضے میں آگئی تھیں جو زمینیں قابل کاشت تھیں ان کو استعمال میں لانے کے لئے مختلف اموی خلفاء نے قابل قدر کوششیں کیں۔ جن میں نہروں کی تعمیر بھی شامل ہے۔ حضرت امیر معاویہ کی تعمیر کردہ نہروں سے مدینہ منورہ کی پیداوار میں بہت اضافہ ہوا۔ خلیفہ مروان اور ان کے جانشینوں نے صرف فدک کے خالصہ کے اقطاعات سے چالیس ہزار دینار کی آمدنی پر مشتمل غلہ حاصل کیا۔ حضرت امیر معاویہ اور حجاج ثقفی کے علاوہ خلیفہ ہشام بن عبدالملک اور ان کے والیٔ عراق خالد بن عبداللہ قسری نے غیر زرعی زمینوں کو آباد کیا۔ ان سے اتنا غلہ آتا تھا کہ بازار کے نرخ ان کی آمد پر گر جاتے تھے۔

عراق کے مشہور گورنر حجاج بن یوسف ثقفی نے اپنی سخت گیر پالیسی سے خراجی زمینوں کی پیداوار بڑھائی اور زراعت کی ہر ممکن سہولت لوگوں کو پہنچائی۔ اس مقصد کے لئے والیٔ عراق نے دو نہریں دریائے دجلہ اور فرات سے نکالیں۔ ان کے علاوہ ایک پہاڑ سے حضرت سعد کی نہر کو نکال کر مکمل کیا۔ انہوں نے متعدد بند بندھوائے جن سے زراعت کو عراق و خراسان میں بہت ترقی ہوئی۔

ساتویں و آٹھویں صدی عیسوی میں زراعت کے کام میں جانوروں خاص کر بیلوں، بھینسوں دیگر مویشیوں سے مدد لی جاتی تھی۔ اس کو مد نظر رکھ کر حجاج ثقفی نے کھیتی باڑی میں سہولت کی خاطر بیلوں کے ذبیحہ پر بھی پابندی لگادی۔ حجاج ثقفی اور خلیفہ ہشام نے مویشیوں اور جانوروں کی پرورش و پرداخت میں خاص دل چسپی لی۔ حجاج ثقفی نے ہندوستان سے کافی تعداد میں بھینس منگوا کر عراق و شام میں ان کو متعارف کرایا۔

زراعت کی ترقی کی خاطر بعد کے اموی خلفاء کے زمانے میں بھی یہ سلسلہ جاری رہا۔ عام طور سے اموی خلفاء نے زمین کی پیائش کرائی اور اس کی قسم اور فصلوں کی بنیاد پر خراج لگایا جس سے پیداوار میں بھی اضافہ ہوا اور خراج میں بھی۔ اور کسانوں کو بیچ کے واسطوں سے نجات مل گئی جو کسانوں اور حکومت دونوں کو دھوکا دیتے تھے۔

10.5.2 تجارت، صنعت و حرفت کی ترقی

اموی خلافت کے زمانے میں اسلامی ریاست کی سرحدیں کافی طویل و وسیع ہو گئی تھیں جس کی وجہ سے مسلمانوں کے تعلقات بھی

عرب خطہ سے نکل کر جنوب میں سندھ، ملتان، برما، سری لنکا، چین تک قائم واستوار ہوئے، اگرچہ یہ تعلقات اموی دور سے قبل بھی تھے لیکن وہ بہت ابتدائی نوعیت کے تھے۔ لیکن اموی دور میں یہ تعلقات باقاعدہ ریاستی سطح پر استوار ہوئے۔ شمال میں بھی مسلمان تاجر افریقہ، سسلی اور اسپین کے راستے سے یورپ تک کا سفر کرنے لگے، جس سے مختلف علاقوں کے درمیان تجارت کے فروغ کے علاوہ بہت سے قریبی ممالک کے ساتھ تجارتی تعلقات قائم ہوئے۔ ملکی تجارت کو اس زمانے میں بہت زیادہ ترقی ملی۔ تقریباً تمام بڑے شہروں خاص کر عراق کی بندرگاہوں بصرہ وغیرہ اور شام کے ساحلی مقامات میں تجارت کی بڑی بڑی منڈیاں تھیں۔

تجارت کسی خاص قوم یا کسی خاص مذہب کے ساتھ مخصوص نہ تھی۔ دمشق، حلب، بیت المقدس، کوفہ، بصرہ، اور دوسرے شہروں کے بازار ہر ملک کے تاجروں سے بھرے تھے۔ ہر ملک کا تاجر ان شہروں میں آتا، اندلس کے تاجر اپنے یہاں کا سامان لاتے اور دوسرے ملکوں کے تاجر اپنے اپنے یہاں کا۔ مغرب کے ملکوں سے عموماً جو تاجر شام و عراق آتے وہ تلواریں، کھالیں، چمڑا، دیباج، غلام اور لونڈیاں بیچنے کے لئے اپنے ساتھ لاتے۔ یہ لوگ شہر بہ شہر پھرتے، اور سواری و بار برداری کے لئے زیادہ تر اونٹ کا استعمال کرتے تھے۔ باہر کے ملکوں سے سمندری آمد و رفت بھی کثرت سے ہوتی، بڑی بڑی تجارتی کشتیاں سمندر کی چھاتی پر سوار ہو کر ملک ملک کے بندرگاہوں پر لنگرانداز ہوتیں۔ مغرب کے تاجر لمبے سفر کرتے۔ وہاں سے کافور، دار چینی، خشک پھل اور اسی طرح کی دوسری چیزیں لے کر مغرب کی طرف لوٹتے۔ کبھی خشکی کا راستہ بھی اختیار کرتے، پہاڑوں کی گزرگاہوں پر، ان کے تجارتی قافلے کبھی ملک کے ایک طرف جاتے نظر آتے اور کبھی دوسری طرف۔ ان کے لمبے سفر زیادہ تر بحری ہوتے۔ چونکہ دمشق، کوفہ، بصرہ، اور مکہ، مدینہ عربوں کے بڑے شہر تھے، اس لئے یہ تجارتی اعتبار سے بہت بڑھ گئے تھے۔ اور دنیا بھر کا مال تجارت یہاں پہنچتا۔ مکہ کو بیت اللہ کی وجہ سے مدینہ کو حرم نبوی ہونے کے سبب اور دمشق کو اموی پایہ تخت ہونے کے باعث بہت زیادہ اہمیت حاصل تھی۔ کوفہ اور بصرہ دوسرے درجہ پر تھے۔

شامی شہروں سے عموماً شکر، کپڑا، کاغذ، صابون، زیتون، میوے، بیج، گلہ، شیشہ، روئی، لوہا، سنگ مرمر، سنگ اسود، اور دوسری قسم کے پتھر باہر جاتے۔ فلسطین صابون، زیتون، قطین، زبیب، اور خرنوب کا بڑا مرکز تھا۔ یہاں سے یہ چیزیں برآمد ہوتی تھیں۔ قدس سے، عمدہ کپڑے، رسیاں، شیشے کے مختلف برتن، خرز اور کھلونے باہر جاتے۔ دمشق بنفشہ، دیبا، حریر اور معصور کا بڑا مرکز تھا۔ حلب سے روئی، کپڑا، گنا، زیتون، نارنج، جوز اور دوسرے گلے باہر جاتے۔

اموی دور کی معاشی ترقی میں اندلس کا بھی اہم کردار ہے جیسے طلیطلہ اور اشبیلیہ میں اسلحہ بنانے کے بہت سے کارخانے تھے ان میں فوجی اسلحہ کے علاوہ آلات جراحی بنائے جاتے۔ تلوار کے ہتھے ہاتھی دانت، سونے، چاندی وغیرہ سے بنائے جاتے تھے۔ تاہم یہ صنعت شام سے ہی اندلس پہنچی تھی۔ اس کے علاوہ اندلس کے کاریگروں نے کوزہ گری اور چینی کے برتن بنانے میں بھی بڑی مہارت پائی تھی، اموی دور میں یہ فن اندلسی عربوں میں کافی ترقی کر چکا تھا۔ آج بھی پرتگالی یا اطالوی ٹائلیں جو دستیاب ہیں ان میں اندلسی عربوں کی رمق پائی جاتی ہے۔ قرطبہ شیشہ گری میں ممتاز تھا۔ یہاں سے نکالے گئے شیشوں سے شمعدان، گلدان اور دوسرے آرائشی برتن بنائے جاتے تھے۔ اس صنعت میں زریاب کی مہارت مشہور تھی جو عبدالرحمن بن حکم کا وزیر تھا۔ مالقہ کا علاقہ سونے اور چاندی کے برتنوں کی صنعت کے لئے مشہور تھا۔ اشبیلیہ کا

علاقہ باجہ اور قرطبہ چمڑوں کو رنگنے اور اس پر بیل بوٹے بنانے میں سب سے زیادہ ممتاز تھا۔ان کے دیگر شہر بھی کسی نہ کسی صنعت کے لئے مشہور تھے۔اندلس کا دارالسلطنت قرطبہ شیشہ گری کے علاوہ اس وقت کی پائے جانے والی دیگر صنعتوں کا بھی مرکز تھا۔ سرکاری کتب خانے یا ذاتی کتب خانے قرطبہ کے تقریباہر طرف پائے جاتے تھے یہ شوق ان کے اندر علم و فضل سے محبت کے سبب تھا۔

تجارتی منڈیاں یا بازار قریب قریب ہر شہر میں ہوتے۔تاجر طبقہ،اپنی دولت و ثروت کے اعتبار سے اس وقت کی مجلس زندگی پر سب سے زیادہ غالب تھا، شاہی خاندان کے بعد اس طبقہ کو تمام طبقات پر فوقیت حاصل تھی،اور یہی وہ طبقہ تھا جس پر حوادث زمانہ یا سیاسیات کا اثر بہت کم پڑتا تھا، کیونکہ خلیفہ آتے جاتے تھے لیکن ان کی تجارت پر اس کا اثر نہ کے برابر ہوتا تھا۔اور وہ بدستور سماج میں اثر انگیز رہتا تھا۔

10.6 فرہنگ

- موالی : یہ لفظ عربی میں "مولیٰ" کی جمع ہے،اور اس کے سیاق و سباق کے لحاظ سے مختلف پہلو ہیں۔آزاد کردہ غلام، عربوں کے علاوہ اسلام قبول کرنے والے غیر عرب مسلمان بھی ہوتے تھے۔
- گلہ بان: بھیڑ بکریوں یا مویشیوں کے ریوڑ کو چرانے والا
- دیباج: قیمتی ریشمی کپڑا
- نرخ : قیمت،(Rate/Price)

10.7 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے درج ذیل نکات سیکھے:

- خلافت راشدہ کے بعد قائم ہونے والی اموی خلافت خالص عربی حکومت تھی عربوں کی مدد سے قائم ہونے والی یہ حکومت عرب طبقے کی خوب سرپرستی کی، جس سے عرب طبقے کا اثر غالب تھا۔
- اموی سماج مذہبی اعتبار سے مسلم اور غیر مسلم طبقے میں بٹا ہوا تھا، لیکن دونوں طبقوں کو انصاف اور مکمل جائز حقوق ملتے تھے۔
- نسلی اعتبار سے بھی اموی معاشرہ عربی، عجمی، بربر، ایرانی اور مصری طبقات میں منقسم تھا، جس کے باعث شعوبی تحریک وجود میں آئی اور بعد میں امویوں کے زوال کا سبب بنی۔
- جنسی اعتبار سے عورتوں کو ان کے دائرہ کار میں مکمل آزادی تھی،ان کو اپنے ہنر و لیاقت کو پیش کرنے کی آزادی تھی۔
- علم و فضل کے اعتبار سے بھی اموی معاشرہ میں علماء و فضلاء کا طبقہ متأثر کن تھا۔ حکمراں کی طرف سے ان کو بہت مراعات حاصل تھیں۔
- غلام طبقہ کے ساتھ بھی بہتر اور ہمدردانہ سلوک کیا جاتا تھا۔ان کے آقاان کو آگے بڑھنے کا پورا موقع دیتے تھے۔

- اموی حکمراں کو صحرائی زندگی سے خاص شغف تھا۔ وہ اکثر صحراؤں میں اپنے لئے گھر تعمیر کراتے اور اپنا قیمتی وقت وہاں پر گزارتے۔ حکمراں اپنے ساتھ اپنے محبین کو بھی لے جاتے اور ان کے ساتھ وہاں شعر، موسیقی و دیگر تفریحات کی محفلیں سجاتے۔
- اموی معاشرہ میں سیر و تفریح، موسیقی و گانے کا کوئی عام رواج نہ تھا۔ البتہ چند حکمراں کے تعلق سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اپنے محلات میں رقص و سرود کی محفلیں سجواتے تھے۔ لیکن یہ عام نہ تھا اور نہ عوام میں اس کو مقبولیت حاصل تھی۔
- زراعت و کاشت کی ترقی کی خاطر امویوں نے نہروں کا انتظام کیا، زمینوں کی پیمائش کرائی، مردہ (موات) زمینوں کو آباد کرایا۔ آباد کی گئی زمینوں پر کاشت کرائی اور اس زمین کی پیداوار پر خراج بھی عائد کیا۔
- معاشی ترقی کی خاطر اموی دور میں مختلف صنعتوں کو ترویج دیا گیا، دمشق، کوفہ، بصرہ، اسکندریہ اور ادھر اندلس کے شہر قرطبہ، اشبیلیہ، مالقہ، طلیطلہ جیسے شہروں میں شیشہ گری، اسلحہ سازی، ریشمی کپڑے، چمڑے وغیرہ کی فیکٹریاں قائم ہوئیں۔
- کوفہ، بصرہ، اسکندریہ اور دیگر شہروں کے کنارے بندرگاہ بننے کے باعث تجارت میں خوب ترقی ہوئی، خاص طور سے بحری راستوں کے ذریعے سے مسلمان تاجر مشرق و مغرب اور شمال و جنوب ہر طرف گئے اور تجارتی تعلقات استوار کیے۔

10.8 نمونہ امتحانی سوالات

10.8.1 معروضی جوابات کے متقاضی سوالات

1. اموی دور میں معاشرتی اعتبار سے سب سے اعلیٰ مقام کس طبقے کو حاصل تھا؟

(a) .عرب (b).ذمی (c).غلام (d).موالی

2. علاقائی اعتبار سے اموی سماج میں کتنے طبقے تھے؟

(a) .چار (b). تین (c).پانچ (d).دو

3. اموی دور کے سماج میں عربوں کے علاوہ اسلام قبول کرنے والے غیر عرب مسلمانوں کو کیا کہا جاتا تھا؟

(a).انصار (b).ذمی (c).موالی (d).تاجر

4. مندرجہ ذیل سے کون سا شہر شیشہ گری کی صنعت کا مرکز تھا؟

(a).مالقہ (b).طلیطلہ (c).اشبیلیہ (d).قرطبہ

5. زراعت و کاشت کی ترقی کے لئے اموی عہد میں کیا طریقے اپنائے گئے؟

(a).مردہ زمینوں کو آباد کرنا (b).آبپاشی کے لئے نہروں کی کھدائی

(c).کسانوں کی مالی مدد (d). سبھی

10.8.2 مختصر جوابات کے متقاضی سوالات

1. اموی سماج میں عربی طبقہ پر مختصر روشنی ڈالیے۔
2. اموی معاشرہ میں لسانی زبانی نسلوں پر نوٹ تحریر کیجیے۔
3. اموی عہد میں موالی طبقہ کے حالات کو واضح کیجیے۔
4. معاشی ترقی کے لئے امویوں نے زراعت کے میدان میں کیا طریقہ اپنایا؟اس کی تشریح کریں۔
5. اموی سماج میں عورتوں کے حالات پر مختصر نوٹ لکھیں۔

10.8.3 طویل جوابات کے متقاضی سوالات

1. اموی معاشرہ کی تکثیری پہلوؤں پر تفصیلا تحریر کریں۔
2. معاشی ترقی میں امویوں کی خدمات پر روشنی ڈالیے۔
3. اموی دور کی صنعتوں و حرفتوں کو تفصیلا قلمبند کیجیے۔

10.9 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1. ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ : حصہ اول ثروت صولت
2. تاریخ تہذیب اسلامی، حصہ دوم : پروفیسر یسین مظہر صدیقی
3. تاریخ اسلام، حصہ دوم : شاہ معین الدین ندوی
4. تہذیب و تمدن اسلامی، حصہ دوم : رشید اختر ندوی

معروضی سوالات کے جوابات

A .1	D .2	C .3	D .4	D .5

اکائی 11: اموی حکومت کی تعمیرات (حصہ اول)

اکائی کے اجزا:

11.0 تمہید

11.1 مقاصد

11.2 عہد بنوامیہ میں فن تعمیر کی خصوصیات

11.3 فن تعمیر میں اموی حکمرانوں کی خدمات

11.3.1 امیر معاویہ

11.4 اموی عہد کا اہم تعمیری پروجیکٹ

11.4.1 قبۃ الصخرہ

11.5 فرہنگ

11.6 اکتسابی نتائج

11.7 نمونہ امتحانی سوالات

11.7.1 معروضی جوابات کے متقاضی سوالات

11.7.2 مختصر جوابات کے متقاضی سوالات

11.7.3 طویل جوابات کے متقاضی سوالات

11.8 تجویز کردہ اکتسابی مواد

11.0 تمہید

اموی دور (661-750 عیسوی) اسلامی فن تعمیر کے آغاز اور ترقی کا ایک اہم دور تھا۔ یہ دور اسلامی فن تعمیر کے بنیادی دور کے طور پر جانا جاتا ہے، جس نے مستقبل کے اسلامی تعمیراتی اسلوب کی بنیاد رکھی۔ اموی خلفاء نے مقامی تہذیبوں (بازنطینی، ساسانی، رومی) کے انداز کو اسلامی ثقافت کے ساتھ ملا کر ایک منفرد فن تعمیر تشکیل دیا۔ مساجد اور محلات کی تعمیر خلافت کی طاقت اور عظمت کی علامت بن

گئیں۔

اموی دور میں دارالخلافہ کوفہ سے دمشق منتقل ہوا۔ وہاں عیسائی طرز تعمیر کے بڑے بڑے کلیسا موجود تھے۔ دوسری قوموں سے اختلاط نے مسلمانوں کو نئے علوم کے ساتھ ساتھ نئے فنون سے بھی روشناس کیا۔ مالی استحکام اور فتوحات کی بناپر جلد ہی مسلمانوں میں بھی سادگی شان سے تبدیل ہونے لگی اور انہوں نے ان شہروں اور ملکوں میں ایسی عالیشان مساجد، سرکاری عمارات تعمیر کیں جو غیروں کے کلیسا، خانقاہوں اور محلات سے زیادہ عمدہ اور شاندار ہونے لگیں۔ چنانچہ اموی دور حکومت میں ایسی دیرپا، شاندار اور پروقار عمارتیں بنیں کہ بے نظیر بن گئیں۔ اس اکائی میں ہم اموی فن تعمیر کا خصوصی مطالعہ کریں گے۔

11.1 مقاصد

اس اکائی کا مقصد ہے کہ آپ

- اموی فن تعمیر کی خصوصیات پر تبادلہ خیال کر سکیں
- اموی دور میں انجام دیے گئے تعمیری کام کا احاطہ کر سکیں۔
- اموی حکمرانوں کے اہم ترین تعمیری منصوبے (Construction Projects) کا جائزہ لے سکیں۔
- اس دورِ حکومت میں تعمیر ہونے والی نمایاں ترین عمارات مسجد اقصیٰ اور قبۃ الصخرہ کی تاریخی و تعمیری خصوصیات پر گفتگو کر سکیں۔

11.2 عہد بنوامیہ میں فن تعمیر کی خصوصیات

عرب ایک سادگی پسند معاشرہ تھا اور سادہ سی عمارات بنائی جاتی تھیں۔ اموی دور سے پہلے اسلامی فن تعمیر کا کوئی باقاعدہ نظام یا رواج موجود نہ تھا۔ اموی عہد میں ایرانی و رومی تہذیبوں کے ساتھ رابطہ قائم ہوا تو پرشکوہ عمارات تعمیر کرنے کی طرف توجہ دی گئی۔ فطری طور پر اس شان و شوکت کا پہلا مظاہرہ اسلامی عبادت گاہ یعنی عظیم مساجد کی تعمیر کی صورت میں ہوا اور مساجد کی طرز تعمیر میں انقلاب آیا۔ قبلہ کی سمت کے تعین کے لیے محراب کی تعمیر جو قبلہ کی سمت کو نشان زد کرتی تھی پھر اس میں خطیب کے لیے ممبر کی تنصیب بھی اسی دور میں شروع ہوئی۔ مساجد میں کھلے صحن جس کے چاروں طرف دالان کی تعمیر اور مسجد میں اذان کے لیے بلند مینار کی تعمیر بھی اسی دور میں شروع ہوئی۔

مساجد کی تعمیر کے ساتھ ساتھ اسلامی دور کے ابتدائی محلات اور سرکاری عمارتیں بھی اموی دور میں تعمیر کی گئیں۔ ان عمارتوں کی تعمیر میں تزئینی عناصر شامل کیے گئے۔ مساجد اور محلوں اور دیگر عمارتوں میں قرآنی آیات کندہ کرانے کا رواج پڑا۔ ساسانی اور بازنطینی اثرات کی بناپر عمارتوں میں موزیک (Mosaic) رنگین ٹائلوں کا استعمال بھی امویوں کی جدت ہے۔ اموی حکمرانوں نے عمارتوں میں ہندسی اور نباتاتی ڈیزائین کی اختراع کی جسے آگے کی حکومتوں نے مزید ترقی دی اور عربسک (Arabesque) ایک خاص عربی اور اسلامی طرز تعمیر کے عنصر کے طور پر مشہور ہوا۔

عمارتوں خاص کر مساجد میں نیم دائرہ شکل میں گنبدوں (Dome) کا استعمال بھی بنوامیہ کے دور میں اسلامی فن تعمیر کا حصہ بنے۔

عمارتوں کی بلندی بڑھانے اور اس کی پختگی اور پر شکوہ بنانے کے لیے دوسری تہذیبوں کے زیر اثر ستونوں کا استعمال شروع کیا۔ اموی فن تعمیر کی یہ خصوصیات آج بھی اسلامی فن تعمیر کی پہچان ہیں اور مستقبل کے عباسی، فاطمی، اندلسی اور دیگر اسلامی طرز تعمیر میں ان کے اثرات نمایاں ہیں۔

11.3 فن تعمیر میں اموی حکمرانوں کی خدمات

خلافت راشدہ کے بعد جب اموی حکومت قائم ہوئی تو اس وقت اسلامی حدود کا دائرہ بہت وسیع ہو چکا تھا۔ خاص طور پر حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے دور میں اسلامی سرحدوں کو نہایت وسعت حاصل ہو چکی تھی۔ نئے نئے علاقے فتح ہو چکے تھے اور نئی نئی اقوام اسلام کے دامن میں پناہ لے رہی تھیں۔ ان نئے علاقوں میں خلفائے راشدین کے عہد میں کئی تعمیرات ہوئیں۔ ان عمارتوں کی عہد اموی میں از سر نو تعمیر تزئین و آرائش اور توسیع کا کام زیادہ تر انجام پایا۔ اسلامی حدود سلطنت کی وسعت کے بنا پر نئے شہر فوجی چھاونیاں قلعے، تالاب، نہریں اور پل تعمیر کیے گئے۔ یہاں پر ہم چند اموی حکمرانوں کی تعمیری خدمات اور اہم عمارتوں کے بارے میں تفصیل سے پڑھیں گے۔

11.3.1 امیر معاویہ

امیر معاویہ اموی خلافت کے بانی تھے۔ ان کے دور میں ابتدائی اسلامی تعمیرات کی بنیاد پڑی۔ اگرچہ ان کے بعد آنے والے خلفاء نے فنِ تعمیر کو عروج بخشا، تاہم امیر معاویہ کا دور وہ نقطۂ آغاز تھا جہاں اسلامی طرزِ تعمیر نے ایک منظم شکل اختیار کرنا شروع کی۔

امیر معاویہ یوں تو خلافت بنوامیہ کے پہلے حکمراں تھے۔ لیکن عہد عثمانیؓ سے ہی وہ شام کے گورنر کے فرائض انجام دے رہے تھے اور حضرت عثمان کے عہد میں ہی آپ پہلی بندرگاہ اور بحری جہاز وغیرہ تعمیر کروا چکے تھے۔ جب آپ اسلامی خلافت کے حکمراں بنے تو آپ نے سیاسی اور رفاہی دونوں طرح کی طرز تعمیر پر توجہ مرکوز کی۔ آپ کے دور میں نئے شہر، قلعے، فوجی چھاونیاں اور سرکاری عمارات کی تعمیر ہوئی۔

آپ جانتے ہیں کہ امیر معاویہ نے دمشق کو اپنا دارالخلافہ بنایا۔ دوارالخلافہ بننے کے بعد دمشق کی تعمیر و ترقی پر خصوصی توجہ دی گئی اور دارالخلافہ میں قصر (محل)، بیت المال، اور دیگر سرکاری دفاتر کی تعمیر کی گئی۔ چنانچہ پہلے بازنطینی گورنر کے محل کو خلیفہ کی رہائش گاہ میں تبدیل کیا گیا اور انتظامی امور کے لیے 'دارالامارہ' کے نام سے خصوصی عمارت تعمیر کی گئی۔ خزانے کے لیے مضبوط اور محفوظ عمارت بنوائی گئی۔ امیر معاویہ کے زمانے میں 'قصر خضرا' کی تعمیر سے رہائشی محلات کی تعمیر کا نیا سلسلہ بھی شروع ہوا۔ آپ کے دور میں نئے شہروں میں نئی مساجد کی تعمیر مفتوحہ علاقوں کی مساجد کی مرمت تزئین نو کے کام بھی سرانجام پائے۔

مساجد کی تعمیر، توسیع و تزئین

اموی دور میں چونکہ اسلامی سلطنت کی حدود وسیع سے وسیع تر ہو رہیں تھی اس لیے اس عہد میں بکثرت مسجدیں تعمیر ہوئیں۔ ان کے علاوہ ان علاقوں میں جو خلفائے راشدین کے عہد میں فتح ہو چکے تھے اور پہلے سے مساجد موجود تھیں اب اسلام میں داخل ہونے والوں کی کثرت، مساجد میں ہی تعلیم کے نظم اور نئے رجحانات کے پیش نظر پرانی مساجد کی توسیع اور تزئین کا کام بھی بڑے پیمانے پر عمل میں آیا۔ اس

سلسلے میں مصر، ایران اور دوسرے ممالک کے ماہر فنکاروں کی خدمات بھی حاصل کی گئیں۔ مساجد کی تعمیر میں جدت آئی اور مینار، محراب اور دیگر عناصر کو جگہ ملی۔ کھجور کے ستون اور خشتی چھتوں کی جگہ پتھر کے ستون اور پتھر اور لکڑی مسقف عمارتوں کی تعمیر کا بھی رواج پڑا۔

مسجد کوفہ کو امیر معاویہ کے حکم سے زیاد 'والی کوفہ' نے از سر نو تعمیر کیا اور اس پر فراخدلی سے مال خرچ کیا۔ اس مسجد کے ہر ستون پر اٹھارہ سو درہم خرچ ہوئے۔ نئی عمارت تیس زرع اونچی اور مسقف تعمیر کی گئی۔ اس میں ایک 'ضلہ' سائبان بھی تعمیر کیا گیا۔ مسجد کو دیواروں سے محصور کیا گیا۔ مسجد کی دیواریں گھڑے ہوئے پتھر کی بڑی بڑی سلیوں پر مشتمل تھیں۔ مزید استحکام اور مضبوطی کے لیے نیچے اور اوپر کے پتھر لوہے کی کیلوں سے جکڑے گئے تھے۔ کیلوں کو پتھروں میں سوراخ کر کے ڈالا گیا اور ان میں سیسے کو پگھلا کر بھرا گیا۔ اس مسجد کا نقشہ ایرانی کاریگر روزبیہ نے بنایا تھا۔ دوبارہ تعمیر شدہ مسجد کوفہ سادہ لیکن مضبوطی میں ایک فوجی بیرک سے مشابہ تھی۔

بصرہ کی جامع مسجد کو توڑوا کر اینٹ اور چونے کی نہایت وسیع عمارت از سر نو بنوائی گئی۔ مصر میں حضرت عمرؓ کے دور عہد میں تعمیر کی گئی جامع عمرو بن العاص کی 683 میں توسیع کی تو دیواروں پر آہک پاشی کرائی اور ان کو مزین کیا گیا۔ اسی وقت اس مسجد میں قبلہ کی سمت محراب تعمیر کی گئی۔ مقریزی کا بیان ہے کہ محراب کی ایجاد اموی دور میں ہوئی اور اس سے پہلے قبلہ کی سمت کا تعین مکہ کی سمت والی دیوار پر پتھر رکھ کر کیا جاتا تھا۔ امیر معاویہ کے دور میں مصر کے والی مسلمہ ابن مخلد جو امیر معاویہ کی طرف سے مصر کے گورنر مقرر کیے گئے تھے، نے یہ محراب مسجد عمرو بن العاص کی توسیع کے وقت بنائی تھی۔ ایک اور روایت کے مطابق محراب کی ایجاد عمر بن عبدالعزیز نے خلیفہ ولید بن عبدالملک کے دور میں متعارف کروائی جب کہ انہوں نے مسجد نبوی ﷺ کی توسیع اور از سر نو تعمیر و تزئین کا فریضہ انجام دیا تھا۔

مقریزی کی روایت کے مطابق جامع عمرو بن العاص کی توسیع کے وقت ان کے حکم سے اس میں مینار کا بھی اضافہ کیا گیا اور مسلمہ ابن مخلد نے اس میں چار مینار تعمیر کروائے جن میں سے ہر مینار میں زینے تھے۔ یہ مینار مسجد کے چار گوشوں پر بنوائے گئے تھے۔ واضح رہے کہ مسجد میں مینار سب سے پہلے فسطاط کے شہر میں تعمیر ہونے والی جامع فسطاط میں 51ھ میں تعمیر کیا گیا تھا۔ مسلمہ بن مخلد نے اس کے علاوہ مصر کی تمام مسجدوں میں مینار بنوائے۔

امیر معاویہ کے دور میں عبدالرحمن بن سمرہ نے بصرہ میں کابل کے معماروں سے کابلی طرز کی ایک مسجد تعمیر کروائی۔ بعد ازاں بصرہ کی مساجد کی تعمیر نو ہوئی تو ساسانی معماروں کی خدمات حاصل کی گئیں۔ ان دونوں عمارات میں ساسانی طرز کے ستون بنائے گئے اور مینار کا اضافہ کیا گیا۔

اسی دور میں قبرص میں بھی بہت سی مسجدیں تعمیر ہوئیں۔ قیروان کی آبادی کے سلسلے میں عقبہ بن نافع نے یہاں ایک جامع مسجد بنوائی، جس کا ذکر اوپر گزر چکا ہے۔

شہر قلعے اور فوجی چھاونیاں

حضرت امیر معاویہؓ کے عہد میں بعض پرانے ویران شہر دوبارہ آباد کیے گئے اور نئے شہر بھی بسائے گئے۔ چناں چہ شام کا اجڑا ہوا شہر مرعش دوبارہ آباد ہوا۔

افریقہ کے بر بر بڑے بغاوت پسند تھے۔ جب تک ان کے سر پر فوجی قوت مسلط رہتی، اس وقت تک وہ مطیع و فرمانبردار رہتے تھے اور جہاں آزاد ہوتے فوراً باغی ہو جاتے، اس لیے عقبہ بن نافع فہری نے یہاں فوجی چھاؤنی قائم کرنے کی غرض سے ساحل سے ہٹ کر جنگل کٹوا کر ایک نیا شہر قیروان بسایا اور اس کے وسط میں دارالاماراۃ کے نام سے سرکاری عمارت بنوائی اور اس کے چاروں طرف مسلمانوں کے محلے آباد کر کے ایک جامع مسجد تعمیر کی، رفتہ رفتہ اس شہر نے اتنی ترقی کی کہ شمالی افریقہ میں مسلمانوں کا مرکزی شہر بن گیا۔

مختلف مقامات پر اسلامی نوآبادیاں قائم کیں۔ 43ھ میں انطاکیہ میں ایک نوآبادی بسائی گئی۔ روڈس اور ارواڈے جزیروں میں مسلمان آباد کیے گئے۔ متعدد مقامات پر خصوصاً جہاں کسی دوسری حکومت کی سرحد ملتی تھی اور مسلمانوں کی آبادی کم تھی، وہاں مسلمان آباد کیے گئے۔ اس سے دو فائدے ہوئے، ایک یہ کہ ان مقاموں پر دوسری قوموں کے حملہ کا خطرہ کم ہو گیا، دوسرے اسلامی حکومت میں جہاں مسلمان نہ تھے، ان کی آبادی ہو گئی۔

پہلے اموی خلیفہ حضرت امیر معاویہؓ نے بہت سے نئے قلعے بنوائے اور پرانے قلعوں کی مرمت کرائی۔ خصوصاً شام میں جو اموی حکومت کا پایہ تخت تھا اور جس پر رومیوں کے حملہ کا زیادہ خطرہ تھا، وہاں کے قلعوں کو مستحکم کر دیا۔ انطرطوس، بلنیارس اور مرقیہ میں نئے قلعے بنوائے۔ رومیوں کے پرانے قلعہ جبلہ کو، جو شام کی فتح کے زمانے میں ویران ہو گیا تھا، دوبارہ آباد کیا۔ اس کے علاوہ روڈس میں ایک قلعہ بنوایا، جو سات برس تک فوجی مرکز رہا۔ قبرص اور ارواڈ میں فوجی چھاؤنیاں قائم کیں۔

رفاہی تعمیرات

امیر معاویہ کے دور میں رفاہ عام کے کام بھی بڑے پیمانے پر انجام پائے۔ جن میں سر فہرست زراعت کی ترقی کے لیے نہریں کھدوانا شامل ہیں۔ مدینہ منورہ کے قرب و جوار میں نہر کظامہ نہر ارزق اور نہر شہداء اور ان جیسی بہت سی نہریں کھدوائیں۔ یہ نہریں لاکھوں ایکڑ زمین سیراب کرتی تھیں۔ حضرت عمرؓ کے زمانے میں بصرہ میں ایک نہر کھودی گئی تھی، جو نہر معقل کے نام سے موسوم تھی، امیر معاویہ نے اسے کھدوا کر صاف کروایا۔ وسط ایشیاء کے شہر بخارا کے کوہستان میں نہر نکالی گئی۔ نہروں کے علاوہ پہاڑ کی گھاٹیوں کے گرد بند بندھوا کر تالاب بنوائے گئے، جن میں برسات کا پانی جمع ہوتا تھا۔ ان نہروں کے ذریعے سے پیداوار میں جو ترقی ہوئی، اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ صرف مدینہ منورہ کے قرب و جوار کی نہروں کے ذریعے ڈیڑھ لاکھ وسق خرما اور ایک لاکھ وسق گیہوں پیدا ہوتا تھا۔

"سدِ سیسد"، اموی خلیفہ معاویہ بن ابی سفیان کے دور حکومت میں 58 ہجری میں طائف میں عبداللہ بن صخر نے تعمیر کیا۔ یہ ڈیم سدِ معاویہ کے نام سے معروف ہے جو طائف شہر سے تقریباً 10 کلومیٹر جنوب مشرق میں وادیِ سیسد میں واقع ہے۔ اس ڈیم کے آثار آج بھی محفوظ ہیں اس کی تعمیر کی تاریخ ایک بڑی چٹان پر کندہ ہے، جو اس پہاڑ کے دامن میں واقع ہے جہاں ڈیم کا دایاں اگلا حصہ بنایا گیا تھا۔ یہ ڈیم پانی کی ذخیرہ اندوزی اور زرعی مقاصد کے لیے بنایا گیا تھا۔



اس پر ایک تاریخی کتبہ کندہ ہے جس میں امیر معاویہ کا ذکر بطور "اللہ کا بندہ" اور "امیر المؤمنین" کے طور پر ہے۔اس کتبے میں دعا بھی کی گئی ہے کہ اللہ امیر معاویہ کو بخشے اور مسلمانوں کو ان سے فائدہ دے۔یہ تحریر عربی مغازی رسم الخط میں لکھی گئی ہے، جو بغیر نقطوں کے ہے، اور اس میں کل چھ سطور شامل ہیں۔ یہ تحریر نہ صرف ڈیم کی تاریخی اہمیت کو ظاہر کرتی ہے بلکہ اموی دور میں عوامی فلاح و بہبود کے منصوبوں میں دلچسپی اور ان کی مذہبی وابستگی کی بھی عکاسی کرتی ہے۔

عبدالملک بن مروان

عبدالملک بن مروان (حکومت: 685–705ء) اموی خلافت کے ایک نہایت بااثر اور دوراندیش حکمران تھے، جنہوں نے اسلامی دنیا میں نہ صرف سیاسی استحکام قائم کیا بلکہ فنِ تعمیر میں بھی نمایاں خدمات انجام دیں۔ان کے دور کو اسلامی فنِ تعمیر کا ایک سنگِ میل تصور کیا جاتا ہے، کیونکہ یہی وہ عہد ہے جب اسلامی طرزِ تعمیر نے ایک منفرد شناخت بنالی۔ عبدالملک ابن مروان کے بارے میں تاریخ کی کتابوں سے پتہ چلتا ہے کہ وہ ہر سال خانہ کعبہ کے لیے دیباج کا غلاف اور حرم اور مسجد نبوی ﷺ میں خوشبو کے لیے بخورات اور عود دان ارسال کیا کرتے تھے۔ان کے دور حکومت میں کئی نئی مسجدیں تعمیر ہوئیں اور پرانی مسجدوں کی توسیع و مرمت ہوئی۔اسی دور میں پہلی بار عربی خط میں قرآنی کتبے اور عمارات پر عربی تحریریں کندہ کرنے کا رواج ہوا۔ عبدالملک نے مسجد اقصیٰ کے احاطے میں واقع صخرہ (چٹان) پر عظیم الشان خوب صورت گنبد بنوایا۔ اس کی تفصیل آگے بیان کی جائے گی۔

عبدالملک نے نئے شہر بسانے کے ساتھ پرانے ویران شہر دوبارہ آباد کیے۔نئے شہروں میں واسط اسلامی تاریخ کا ایک اہم اور منصوبہ بند شہر شمار ہوتا تھا، جسے اموی گورنر حجاج بن یوسف ثقفی نے 83 ہجری/702 عیسوی میں خلیفہ عبدالملک بن مروان کے حکم پر عراق میں دریائے دجلہ کے کنارے کوفہ اور بصرہ کے درمیان آباد کیا۔اس شہر کی شہر پناہ، قصر حکومت اور جامع مسجد کی تعمیر میں کئی کروڑ دینار صرف ہوئے تھے۔اس شہر کا قیام فوجی، انتظامی اور سیاسی مقاصد کے تحت عمل میں آیا، تاکہ کوفہ و بصرہ جیسے سیاسی لحاظ سے حساس شہروں کے اثرات کو کم کیا جاسکے۔ واسط میں جامع مسجد، قصر، بازار، دفاتر، اور رہائشی محلے باقاعدہ منصوبہ بندی سے تعمیر کیے گئے، اور یہ جلد ہی علم و ادب کا مرکز بن گیا جہاں کئی محدثین اور فقہاء نے جنم لیا۔ عباسی دور کے بعد واسط زوال کا شکار ہوا، منگول حملوں اور دریائے دجلہ کے رخ کی تبدیلی نے شہر کو ویران کر دیا، تاہم اس کے آثار آج بھی اسلامی فنِ تعمیر اور شہری منصوبہ بندی کی عظیم مثال کے طور پر موجود ہیں۔

عبدالملک کے دور میں رفاہ عام کے بھی بہت سے کام انجام پائے۔80ھ میں مکہ میں بہت بڑا سیلاب آیا تھا، جو ''سیل جارف'' کے نام سے مشہور ہے، اس سے مکہ کی ساری آبادی تہ آب ہو گئی تھی اور اہل مکہ کو بڑا جانی و مالی نقصان پہنچ تھا۔ عبدالملک نے اس طرح کی قدرتی آفات کا سامنا کرنے کے لیے بھرپور انتظامات کیے۔اس کے علاوہ کئی نہریں جاری کرائیں اور ڈیم بنوائے۔

ولید بن عبدالملک

ولید ابن عبدالملک کو تعمیرات کا بڑا ذوق وشوق تھا، اس نے بہت سی عظیم الشان عمارتیں بنوائیں۔ اس کے ذوق تعمیر کی وجہ سے یہ مذاق اتنا عام ہو گیا تھا کہ جب لوگ آپس میں ملتے تھے تو فن تعمیر ہی پر گفتگو ہوتی تھی۔ وہ عمارتیں بنوانے کا دلدادہ تھے۔ اس نے دمشق کو دلہن کی طرح سجادیا تھا۔ ولید کے دور کے تعمیری کارناموں کو آپ اگلی اکائی میں پڑھیں گے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اپنے دور میں جس قدر اصلاحیں کیں، ان میں سے کوئی بھی رفاہ عام سے خالی نہیں ہے۔ ان کے علاوہ اصطلاحی معنوں کے اعتبار سے بھی آپ نے بہت سے رفاہ عام کے کام کیے۔ ممالک محروسہ میں بکثرت سرائیں بنوائیں تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے خراسان کے والی کو لکھا کہ وہاں کے تمام راستوں میں سرائیں تعمیر کرائی جائیں اور جو مسلمان ادھر سے گزرے ایک شبانہ یوم اس کی میزبانی کی جائے، اس کی سواری کی حفاظت کی جائے، بیمار مسافروں کی دو دن میزبانی کی جائے، جس کے پاس گھر تک پہنچنے کا سامان نہ ہو اس کو سامان فراہم کیا جائے۔

عمر بن عبدالعزیز کے زمانے میں متعدد نئے شہر بھی آباد ہوئے، شام میں قنسرین کے علاقہ میں رصافہ آباد کیا گیا۔ گرمیوں کے موسم میں خلیفہ ہشام ابن عبدالملک یہیں رہتے تھے، اس لیے اسے پایۂ تخت کی حیثیت حاصل تھی۔ سندھ میں دو شہر منصورہ اور محفوظہ آباد ہوئے۔ منصورہ سندھ کا اسلامی دارالحکومت تھا۔ اس کا تذکرہ آگے آرہا ہے۔

ہشام بن عبدالملک



ہشام بن عبدالملک کے دور میں فن تعمیر کا مزید ارتقاء ہوا۔ اس کا دور صحرائی محلات کی تعمیر کے لیے شہرت رکھتا ہے۔ ان محلات میں سب سے معروف "قصر الحیر الشرقی" ہے، جو خلیفہ ہشام نے شام کے صحرا میں تعمیر کروایا۔ یہ محل ایک بڑے قلعے کی مانند تھا، جس میں دفاعی فصیل، کاروان سرائے، حمام، نہریں، بند، باغات اور زرعی نظام شامل تھے۔ اس محل کا مقصد صرف رہائش نہیں بلکہ تجارتی و زرعی سرگرمیوں کو فروغ دینا بھی تھا۔

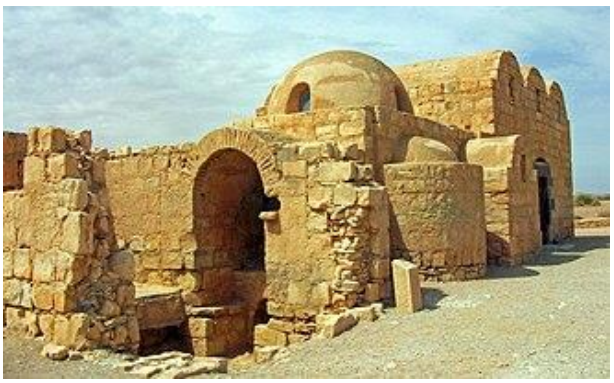
اسی طرح "قصر الحیر الغربی" بھی ایک اہم محل تھا، جو خوبصورت سنگ مرمر، نقش و نگار اور دینی و دنیاوی مقاصد کے لیے استعمال ہوتا تھا۔ یہ صحرائی محل بھی کئی حصوں پر مشتمل تھا، جن میں ایک بند (ڈیم)، زیرِ زمین آبی نہر، باغ، جھیل، چکی، کاروان سرائے، حمام اور محل کی رہائش گاہ پر مشتمل تھا۔



اس محل کے آثار آج بھی باقی ہیں۔ قلعہ نما محل کا بند ایک مستطیل باغ جس کی لمبائی 1,050 میٹر اور چوڑائی 442 میٹر ہے۔اس باغ میں نہر کے آثار اور نگران (چوکیدار) کی رہائش گاہ کے نشانات آج بھی موجود ہیں۔اس کے علاوہ محل سے 10 کلو میٹر شمال مغرب میں واقع خان الملح (Khan al-Milh) ایک کاروان سرائے تھی، جس کی ساخت ترچھے مربع کی شکل میں ہے اور ہر طرف کی لمبائی تقریباً 55 میٹر ہے۔اس کی دیواریں مٹی کی اینٹوں سے بنی ہوئی ہیں، جنہیں پتھریلی بنیاد پر تعمیر کیا گیا ہے،اور اس کے درمیان ایک مرکزی صحن بھی موجود ہے۔



خربۃ المفجر ایک اور صحرائی قلعہ یا محل ہے، جسے ہشام کا محل (Hisham's Palace) بھی کہا جاتا ہے، یہ فلسطین میں بحیرہ مردار (Dead Sea) کے قریب اریحا شہر کے شمال میں واقع اموی دور کا ایک اہم تاریخی اور آثار قدیمہ کا مقام ہے۔ 1873 میں اس کی دریافت ہوئی۔ کچھ روایتوں میں اسے ہشام کے ولید بن یزید کی تعمیرات میں شامل کیا جاتا ہے۔ یہ قصر اسلامی آرکیٹیکچر (فن تعمیر) کا ایک شاہکار مانا جاتا ہے، جس میں نقش و نگار، موزیک (Mosaic) فرش، اور مجسمے موجود ہیں۔ یہاں کا "درخت زندگی" (Tree of Life) والا موزیک بہت مشہور ہے۔ یہ محل 747ء یا 748ء میں آنے والے ایک شدید زلزلے کے نتیجے میں مکمل طور پر تباہ ہو گیا تھا اور پھر کبھی دوبارہ آباد نہیں ہوا۔



"قصر عمرۃ" اموی فن تعمیر کا ایک اور قابل ذکر شاہکار ہے، جو موجودہ اردن میں واقع ہے۔ یہ صحرائی محل ایک تفریحی مقام کے طور پر تعمیر کیا گیا تھا، جس میں حمام، نقش و نگار، اور تصویری دیواریں شامل تھیں۔ قصر عمرۃ کو یونیسکو نے عالمی ورثے کا درجہ دیا ہے، جو اس کی تاریخی اہمیت کو ظاہر کرتا ہے۔ یہ محل ہشام کے دور میں شہزادہ ولید ثانی نے تعمیر کیا تھا۔

ولید ثانی بن یزید

قصر المشتی (انگریزی: Qasr Al-Mushatta) اموی خلیفہ ولید ثانی بن یزید کے دور میں تعمیر کیا جانے والا ایک محل تھا جو عمان، اردن کے تقریباً 30 کلو میٹر جنوب میں واقع ہے۔ "قصر المشتی" قابل ذکر تعمیر ہے، جو اگرچہ مکمل نہ ہو سکا، لیکن اس کی دیواروں پر کندہ باریک نقش و نگار اس دور کی جمالیاتی حس اور فنی مہارت کی عکاسی کرتے ہیں۔ اموی محلات کی نمایاں خصوصیات میں مضبوط فصیلیں، مرکزی دربار، باغات، آبی ذخائر، حمامات، اور شاندار داخلی دروازے شامل تھے۔ ان میں اکثر دیواریں گچ کاری، سنگ مرمر اور رنگین پتھروں سے مزین ہوتی تھیں، جبکہ نقش و نگار میں نباتاتی، جیومیٹریائی اور بعض اوقات انسانی و حیوانی اشکال بھی شامل تھیں، جو کہ اسلامی فن تعمیر میں نادر تصور کی جاتی ہیں۔ یہ محل سرمائی محل کے طور پر استعمال ہوتا تھا۔



اموی خلفاء، خصوصاً خلیفہ ہشام بن عبدالملک، اس بات پر فخر کرتے تھے کہ وہ صحراؤں کو سرسبز و شاداب تفریحی باغات میں تبدیل کر سکتے ہیں، جو شاہی دربار کے مشاغل جیسے شکار کے لیے استعمال ہوتے تھے۔

اموی محلات اسلامی فنِ تعمیر کے ابتدائی نمونوں میں سے ہیں، جن میں نہ صرف فن و ہنر کا امتزاج ہے بلکہ یہ اس دور کے سیاسی، ثقافتی اور سماجی رجحانات کی بھی نمائندگی کرتے ہیں۔ آج بھی ان محلات کے آثار قدیمہ اور باقیات اپنی خوبصورتی اور فن تعمیر کی مہارت کی مثال ہیں۔

11.4 اموی عہد کا اہم تعمیری پروجیکٹ

آپ نے اوپر اموی دور کے مختلف خلفا کے دور میں سرانجام پانے والی مختلف تعمیری خدمات کے بارے میں پڑھا۔ خلیفہ عبدالملک بن مروان اور خلیفہ ولید بن عبدالمک کا دور فن تعمیر کے لحاظ سے انتہائی شان و شوکت کا حامل ہے۔ ان دونوں کے عہد میں ایسی شاہکار عمارتیں تعمیر ہوئیں جو آج بھی اپنے فن کی مثال آپ ہیں۔

ان میں سے اس کائی میں ہم اموی دور کے سب سے اہم اور مقدس تعمیری منصوبے پر گفتگو کریں گے جو آج بھی فن تعمیر کا شاہکار سمجھی جاتی ہے اور تاریخی اور مذہبی اعتبار سے نہایت اہمیت کی حامل ہے۔ تعمیری منصوبہ مسجد الاقصی اور قبۃ الصخرہ ان کا تعلق عبدالملک کے دور سے ہے۔ ولید کے دور میں سرانجام دیے گئے اہم تعمیراتی منصوبوں کے بارے میں ہم اگلی اکائی میں پڑھیں گے۔

انسائیکلو پیڈیا الموسوعة الفلسطينيه (4/203) کے مطابق مسجد اقصیٰ کے نام کا اطلاق پورے حرم قدسی پر ہوتا تھا۔ اس حرم کی تمام عمارتیں نہایت اہم اور اسلامی طرز تعمیر کے شاندار نمونوں میں شامل ہیں۔ تاہم آج کل یہ نام حرم کے جنوبی جانب والی بڑی

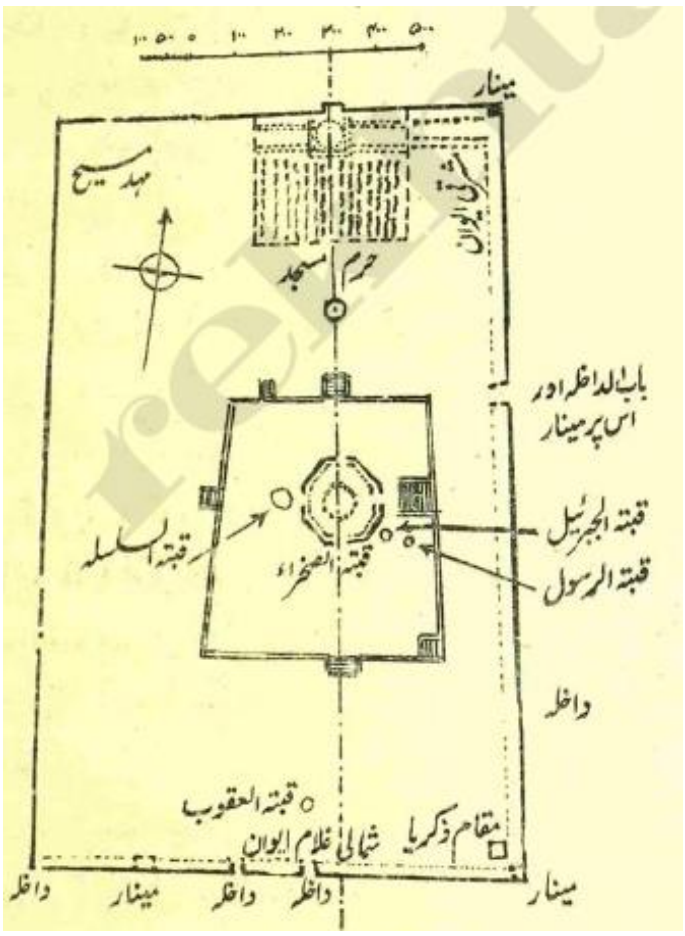
مسجد کے بارے میں کہا جاتا ہے اس کے علاوہ اس حرم قدسی میں تعمیر کیے گئے قبۃ الصخرہ کا نام بھی شاہکار عمارتوں میں آتا ہے۔ جن کو عبد الملک بن مروان کے عہد میں تعمیر کیا گیا تھا۔ یہ دونوں تعمیری شہ پارے بیت المقدس کے شہر فلسطین میں واقع ہیں۔

فلسطین اور بیت المقدس دونوں شہر اور اس مسجد کی تاریخ نہایت قدیم ہے اور مسلمانوں کے علاوہ یہودی اور عیسائی قوم کے لیے بھی یہ مقام نہایت متبرک ہے۔ اس کے علاوہ مستقبل میں پیش آنے والے واقعات کے اعتبار سے بھی اس مقام کی اہمیت غیر معمولی ہے۔ اس لیے ہم یہاں مسجد اقصی اور قبۃ الصخرہ کی تعمیری خصوصیات کے ساتھ ساتھ اس مقام کی مختصر تاریخ اور اہمیت وفضیلت پر بھی گفتگو کریں گے۔

مسجد اقصی

آپ جانتے ہیں کہ بیت المقدس حضرت عمر فاروقؓ کے زمانے میں فتح ہوا۔ اس کے بعد پہلی تعمیر حضرت عمرؓ نے ہی کروائی۔ حضرت عمرؓ نے صخرہ اور معراج کے موقع پر براق باندھنے کے مقام کے قریب ایک مسجد کی تعمیر کا حکم دیا تھا، جو آج بھی موجود ہے۔

اس کے بعد اقصی کے دور کی اہم تعمیرات اموی دور میں کی گئیں۔ اموی دور کی تعمیر کی سب سے قدیم روایات مشہور عرب سیاح، جغرافیہ داں اور مصنف شمس الدین المقدسی کی ملتی ہیں۔ مسجد اقصی کی یہ تعمیرات کئی مراحل میں مکمل ہوئیں۔ ان کا آغاز 74ھ میں خلیفہ عبد الملک بن مروان نے کیا جو 86ھ میں ان کے بیٹے خلیفہ ولید بن عبد الملک کے دور میں مکمل ہوا۔



عبد الملک نے مسجد کے علاوہ احاطہ اقصیٰ کے جنوبی سمت بہت سے محلے اور عمارتیں بھی تعمیر کروائیں ، شاہرائیں بنوائیں جن پر سنگِ میل بھی نصب کروائے۔ ڈاکٹر ہیثم الرطروط کہتے ہیں کہ اس سلسلہ میں المقدِسی کی تاریخی شہادت ہی قابل اعتبار ہے کہ خلیفہ عبد الملک نے دراصل مسلم یروشلم قائم کیا تھا۔

المقدسی کے بیان کے مطابق اموی خلیفہ عبد الملک انبیاء کی سرزمیں بیت المقدس اور اس پاک حرم کو ایک زبردست زیارت گاہ بنانا چاہتے تھے۔ اس لیے عبد الملک نے اس مقدس مقام پر جہاں بیت-المقدس واقع ہے کے ارد گرد ایک دیوار کھینچ دی اور یہ دیوار نہایت قدیم زمانے کی تعمیری بنیادوں کے اوپر اٹھائی گئی تھی، جو کہ داؤدؑ کے دور تعمیر کی بتائی جاتی ہے۔ اموی خلیفہ عبد الملک نے اس دیوار میں چھوٹے خوش وضع پتھر استعمال کیے اور اس کے احاطے میں احاطۂ ذوزنقہ کے جنوب مغربی کونے میں وہ مسجد تعمیر کی جسے اہلِ فلسطین 'مسجد القِبلی' کہتے ہیں لیکن عام طور پر وہ "مسجدِ اقصیٰ" کے نام سے معروف ہے۔ اسی دیواری

احاطے میں ہی قبۃ الصخرہ جیسی شاہکار عمارت بھی ہے۔

مقدسی کے زمانے میں اس مسجد میں داخل ہونے کے تیرہ راستے اور بیس دروازے تھے۔ مسجد کا رقبہ 35 ایکڑ سے زیادہ تھا۔ مسجد اقصی کے احاطہ میں الصخرہ کی متبرک چٹان کے علاوہ اور بہت سے غار ہیں ان میں سے ایک جبرئیلؑ، ایک یعقوبؑ اور دو آنحضرت ﷺ سے ایک عیسیٰؑ، اور ایک بی بی مریمؑ سے منسوب ہیں۔ مسجد سے نزدیک ہی مغرب میں ضریح مسیح کا مقدس کلیسا اور مدور کمرہ واقع تھا، جو آج بھی موجود ہے۔

المقدسی کے بیان کے مطابق بیت المقدس کی یہ مسجد، دمشق کی جامع مسجد سے کہیں زیادہ خوبصورت ہے۔ کیوں کہ اس وقت بیت المقدس میں کلیسی تعمیر موجود تھی اور خلیفہ مسجد کو کلیسا سے کہیں زیادہ شاندار بنانا چاہتے تھے۔ مسجد اقصی کا نقشہ اس طرح تیار کیا گیا کہ مسجد کا مسقف حصہ اور قبۃ الصخرہ ایک ہی خط محور میں آجائیں۔ مسجد میں ایک مقصورہ بھی بنایا گیا تھا اور اس کی دیوار میں ایک محراب بھی تعمیر کی گئی تھی۔

حرم بیت المقدس میں ایک شاندار دالان تھا جو محراب تک جاتا تھا اور اس پر سایہ دار لکڑی کی چھت تھی۔ محراب کے سامنے ایک گنبد بنایا گیا تھا اس گنبد کا قطر موجودہ گنبد سے کہیں زیادہ تھا۔ صدر دالان کے ہر پہلو میں سات بغلی دالان تھے۔ جنہیں سات کمانوں والے چھتے سے الگ کیا گیا تھا۔ موسم سرما میں بیت المقدس مغرب سے آنے والے شدید طوفان باد و باراں سے میں گھر جاتا تھا، اس لیے اس سمت میں کم سے کم دروازے رکھے گئے۔ اقصی کمپاؤنڈ جو کہ حرم مقدس ہے اس میں عبد الملک کے دور میں چار مینار بھی تعمیر کیے تھے جو مسجد کے چاروں سمت میں واقع تھے۔

مسجد کے نقشے میں چھتے دار ایوان شامل ہیں جو کہ اس اموی فن تعمیر کا اختراع تھی۔ مقدسی کے بیان کے مطابق اس زمانے میں یہ ایوان احاطے کی شمالی، مغربی اور جنوبی حصے کے ساتھ بنائے گئے تھے۔ مشرقی بازو پر کوئی ایوان نہ تھا کیوں کہ اس کے آگے ایک وسیع وادی، وادی مریم پھیلی ہوئی ہے۔ اس لیے لوگ عموماً مغربی اور شمالی راستوں سے حرم بیت المقدس میں داخل ہوتے تھے اس لیے اس سمت میں باب الداخلے اور مینار بنائے گئے۔ شہر کی گلیوں کو مسقف کیا گیا تاکہ زائرین کو خراب موسم سے پناہ مل سکے۔ حرم اور صخرا (چٹان) کی زیارت گاہ کے درمیان وضو کے لیے ایک بڑا حوض بھی موجود تھا۔

اس حرم قدسی کی عمارتوں کی تعمیر میں خرچ ہونے والا سرمایہ مصر کے سات سال کے اخراجات کے برابر تھا۔ جب یہ تعمیرات مکمل ہوئیں تو مسجد کی تعمیر کیلئے مختص رقم میں سے ایک لاکھ دینار باقی بچ گئے۔ خلیفہ ولید بن عبد الملک نے یہ رقم دونوں نگرانوں کو بطور انعام دینا چاہی تو انھوں نے انکار کر دیا کہ ہم تو چاہتے ہیں کہ اپنی بیویوں کے زیور بیچ کر اس مسجد پر لگا دیں۔ اس کے بعد خلیفہ نے سونے کے دینار ڈھلوا کر مسجد کے دروازوں پر سونے کی چادریں چڑھا دیں۔ 130ھ میں عباسی دور میں آنے والے زلزلے کے باعث جب مسجد اقصی اور وہاں کے رہنے والوں کو بہت نقصان پہنچا تو خلیفہ ابو جعفر منصور نے نے یہ چادریں اتروا کر سکوں میں ڈھلوائیں اور انھیں وہاں کے لوگوں میں تقسیم کر دیا۔

موجودہ زمانے میں مقدسی کی روایت کردہ مسجد کی تعمیرات میں سے صرف محراب کے اصل حصہ کے علاوہ کچھ باقی نہیں ہے۔ مقدسی کے مطابق عبدالملک کے دور میں تعمیر کی گئی مسجد اقصی کا اکثر حصہ عباسی عہد میں آنے والے زلزلے میں گر پڑا تھا۔ جس کو از سر نو عباسی خلیفہ المہدی نے تعمیر کروایا تھا۔ مہدی نے اس کو مزید مستحکم طرز پر تعمیر کیا اور اس میں اضافہ بھی کیا لیکن گرے ہوئے وسیع و عریض گنبد کو تعمیر نہیں کیا جاسکا جو عبدالملک کے دور میں بنا تھا بلکہ ایک نسبتا چھوٹا گنبد تعمیر کیا گیا۔

11.4.1 قبۃ الصخرہ

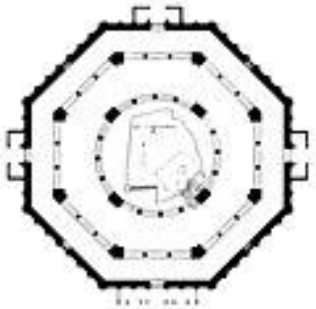
630ء میں دوسرے خلیفہ راشد امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ نے بیت المقدس کو فتح کرنے کے بعد اس علاقے کو صاف کرایا تو وہاں الصخرہ کی مقدس چٹان دریافت ہوئی۔ الصخرہ وہی چٹان ہے جس سے معراج کی رات میں حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم براق پر بیٹھ کر حضرت جبرئیل کے ہمراہ آسمانوں کی طرف تشریف لے گئے تھے۔ یہ چٹان یہودیوں کے نزدیک بھی مقدس سمجھی جاتی ہے۔ ان کا عقیدہ ہے کہ اسی چٹان پر حضرت ابراہیمؑ نے اپنے بیٹے حضرت اسحقؑ اور اسلامی روایت کے مطابق حضرت اسماعیلؑ کی قربانی دی تھی۔ یہودی عقیدہ یہ بھی ہے کہ اس چٹان پر حضرت سلیمانؑ نے ہیکل تعمیر کیا تھا۔ جس میں تابوت سکینہ رکھا گیا تھا۔ تابوت سکینہ وہ تابوت تھا جس میں حضرت موسیٰؑ کے تبرکات رکھے ہوئے تھے۔ قرآن کریم میں بھی اس تابوت کا ذکر موجود ہے۔

اموی خلیفہ عبدالملک ابن مروان نے 685ء اور 691ء کے درمیان کثیر سرمائے سے جب بیت المقدس کو ایک عظیم زیارت گاہ بنانا چاہا تو اس چٹان کے اوپر ایک گنبد تعمیر کرایا جو فن تعمیر کا ایک عظیم اور زندہ شاہکار ہے۔ عبدالملک نے یہ عظیم کام دو انجینیروں حضرت رجاء ابن حیوہ کندیؒ (جو کہ مشہور تابعی تھے) اور یزید ابن سلام کے تعاون سے کرایا تھا۔ یہ عظیم الشان عمارت پچھلی تیرہ صدیوں سے دنیا کی خوبصورت ترین عمارتوں میں شمار ہو رہی ہے۔



عربی میں قبۃ کا مطلب گنبد اور الصخرہ کا مطلب چٹان ہے اور یہ لاثانی گنبد چونکہ مقدس چٹان کے اوپر بنایا گیا ہے اس لیے عیسائی اور یہودی اسے Dome of the Rock کہتے ہیں جو کہ حرم اقصی کا حصہ ہے جس کو مسجد اقصیٰ کے صحن کے وسط اور قدس شہر کے جنوب مشرقی جانب بنایا گیا ہے اور مسجد الاقصی کے نام سے جو عمارت دکھائی جاتی ہے وہ اسی قبۃ الصخرہ کی دکھائی جاتی ہے۔

قبہ الصخرہ کی عمارت ہشت پہلو ہے۔اس میں چار دروازے ہیں۔ عمارت کے بیچ گنبدِ الصخرہ کے عین نیچے ایک دائرہ بنا ہوا ہے اور



اسی مقام پر وہ چٹان (الصخرہ) ہے جو نیچے غار سے برآمد ہوتی ہے اور عمارت کے فرش سے تقریباً پانچ فٹ اونچائی تک جاتی ہے۔ قبۃ الصخرہ کے مدور کمرے کا ڈھولنا چار پایوں اور بارہ ستونوں پر اٹھایا گیا ہے۔ ستونوں کو تین کی جوڑی میں پایوں کے درمیان قائم کیا گیا ہے۔ بیرونی مثمن دیواریں چار فٹ سے زیادہ چوڑی اور گچ اور چوکور پتھروں کی بنی ہوئی ہیں۔ مثمنی دیوار کی اندرونی سطح اور مدور کمرے کے چاروں پایوں کی سطح بازنطینی طرز کی ہیں۔اس کے چاروں دروازوں کے رخ چاروں سمتوں میں واقع ہیں اور ہر دروازے پر لداؤ چھت کی ڈیوڑھی ستونوں پر بنائی گئی ہے۔





مثمن دیوار میں سولہ دریچے ہیں۔ عمارت میں دو گنبد ہیں جو ایک دوسرے میں بٹھائے گئے ہیں۔ ہر گنبد افقی ثقفی شہتیروں کے ذریعہ تین حصوں میں تقسیم کر کے بنایا گیا ہے۔ان دو گنبدوں کی تعمیر کی حکمت یہ تھی کہ گنبد کی اندرونی دیوار کو سخت موسم سرما کے انجماد اور رطوبت سے بچاؤ ہو سکے۔اس طرح کی تعمیر سے دونوں گنبدوں کے درمیان ایک گرم فضا قائم ہوتی ہے جس کی بنا پر سال بھر احاطے کا درجہ حرارت یکساں رہتا ہے۔ گنبد اصل میں لکڑی کا بنا ہوا ہے۔ دنیا بھر میں لکڑی سے بنا ہوا اتنا قدیم اسٹرکچر جو اب تک قائم ہے، کہیں نہیں پایا جاتا۔ 20 میٹر قطر کا گنبد سونے کی ایک بھرت (alloy) سے بنا ہوا ہے جس کی وجہ سے یہ دور سے چمکتا ہوا نظر آتا ہے۔اور اندرونی گنبد بیل بوٹوں سے اور کتبوں سے مزین ہے۔ یہ بیل بوٹے اور کتبے استرکاری میں بنائے گئے ہیں اور ان پر ملمع اور رنگ کاری کی گئی ہے۔ گنبد کا اسطوانہ (drum) اور وسطی مثمن کمانیں شیشے کی پچی کاری سے مزین کی گئیں ہیں۔ گنبد کے باہری حصہ پر سونے کی چادر چڑھائی گئی ہے، جس کی وجہ سے اس گنبد کا حسن عالمی تعمیرات میں بہت ممتاز ہو گیا ہے۔ گنبد کی اونچائی ساٹھ فٹ ہے۔اندرز بردست نقاشی کی گئی ہے۔ قرآنی آیات اور خاص طور پر معراج اور نزول قرآن کے متعلق آیات لکھی گئی ہیں۔ دیگر تاریخی عربی عبارتیں بھی بہترین خطاطی میں نقش کی گئی ہیں، جو دیکھنے والے کو مبہوت کر دیتی ہے۔ دیواروں کا خاصا حصہ نیلے رنگ کا ہے۔ سنہرے گنبد اور شاندار سنجیدہ رنگ کی دیواروں کے باہمی امتزاج سے یہ پوری عمارت منفرد حیثیت اختیار کر گئی ہے۔

پہلی صلیبی جنگ کے دوران جب نصرانی بیت المقدس میں داخل ہوئے تو اس عمارت نے انہیں ورطہ حیرت میں ڈال دیا، اس کی

شہرت مغرب میں اتنی زیادہ ہوئی کہ انہوں نے اس طرز کے بہت سے گرجے تعمیر کیے۔آج بھی یہ عمارت اتنی مشہور ہے کہ دنیا کے ہر حصہ میں اس کی چھوٹی بڑی تصاویر فروخت ہوتی ہیں۔ مشرق وسطیٰ کے ملک اپنی کرنسی پر بھی اس کی تصویریں لگاتے ہیں۔

عہد عباسی میں زلزلے کے باعث اس گنبد کو نقصان ہوااور اس کو دوبارہ تعمیر کیا گیا۔ اور موجودہ نقش و نگار اور خط کوفی میں آیات وغیرہ اسی دور کی یادگار ہیں۔492ھ میں ہونے والی صلیبی جنگ کے بعد جب عیسائیوں نے بیت المقدس پر قبضہ کیا تو انہوں نے مسجد صخرہ کی تعمیر میں بہت ردّوبدل کی۔انہوں نے رہائش کیلئے مسجد میں کمرے بنائے اور اس کا نام معبد سلیمان رکھ دیا۔اس کے علاوہ بھی اس دور میں دیگر تعمیرات کی گئیں جو بطور ضرورت اور اناج کے اسٹوریج کیلئے استعمال ہوتی تھیں۔ عیسائیوں نے مسجد کے اندر اور اس سے ملحق ایک گرجاگھر بھی تعمیر کر دیا۔اس دور میں عیسائی گنبد صخرہ کے ٹکڑے توڑ کر اپنے علاقوں میں لے جاتے تھے اور سونے کے عوض انہیں فروخت کر کے مال کماتے تھے۔

11.5 فرہنگ

خشتی : اینٹ کا بنا ہوا

ایوان : بڑا ہال/شاہی دربار

پچی کاری : پتھر کی سطح میں گل بوٹے یا حروف کھود کر ان میں قیمتی پتھر جوڑنے کا کام (موزیک)

مثمن : Octagon

مربع : Square

11.6 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے درج ذیل نکات سیکھے:

- اموی حکمرانوں نے مختصر مدت حکمرانی کے باوجود دوسرے علوم وفنون کی طرح فن تعمیر میں بھی انمٹ نقوش چھوڑے۔
- نہریں، سرائیں، کنویں، حوضیں، سڑکیں، مسجدیں، قلعے اور مدرسے ہر اموی دور میں بنائے جاتے رہے۔
- اموی حکومت کے ذریعہ سندھ میں بسایا گیا شہر منصورہ تعلیم و تحقیق کے عظیم مرکز کے طور پر سامنے آیا۔
- اموی دور اپنے صحرائی محلات کے لیے شہرت رکھتا ہے۔ جن میں ہشام کے دور میں تعمیر کیے گئے القصر الشرقی، القصر الغربی کے جڑواں قلعہ نما محل اپنے ذوق تعمیر اور خوبصورتی کے لیے شہرت رکھتے ہیں۔
- قصر عمرہ اردن میں واقع ہے جو ہشام کے دور میں ولید ثانی کی نگرانی میں تعمیر کیا گیا تھا۔ قصر مشتی کی نامکمل تعمیر ولید ثانی کے مختصر دور کی نشانی ہے۔
- عبدالملک بیت المقدس اور قبلہ اول کو ایک زیارت گاہ بنانا چاہتے تھے اس لیے انہوں نے بیت المقدس کے احاطے کے گرد داؤدؑ کے دور کی

بنیادوں پر دیوار اٹھا کر حد بندی کی اور اس حضرت عمرؓ کی مقرر کردہ جگہ پر مسجد کی بناء رکھی اس کے علاوہ اس میں اور تعمیرات بھی کیں۔

- اموی دور کی شاہکار عمارت قبۃ الصخرا(Dome of the Rock) بھی اسی دور کی تعمیر ہے۔ جس کے نیچے وہ چٹان (الصخرہ) ہے جو نیچے غار سے برآمد ہوتی ہے اور عمارت کے فرش سے تقریباً پانچ فٹ اونچائی تک جاتی ہے۔ اسی مقدس صخرہ کے اوپر عظیم الشان گنبد اور ایک دوسری مسجد اموی حکمراں عبدالملک ابن مروان نے بنوائی تھی۔ یہ سنہرا گنبد آج بھی عالمی فن تعمیر میں ممتاز حیثیت کا حامل ہے۔

11.7 نمونہ امتحانی سوالات

11.7.1 معروضی جوابات کے متقاضی سوالات

1. فلسطین کی کون سی عمارت عالمی تعمیری وراثت کا شاہکار ہے؟

(a). قبہ صخرہ (b). مسجد قبلی (c). قدس شئ (d). غزہ اسلامک یونیورسٹی

2. اموی حکومت کا تعمیراتی سلسلہ کتنے عرصے پر محیط ہے؟

(a). 300 سال (b). 10 سال (c). 92 سال (d). 25 سال

3. ابتدائی دور میں اموی حکمرانوں کی تعمیرات کا مقصد کیا تھا؟

(a). شان وشوکت کا اظہار (b). دفاعی مقاصد (c). عوامی سہولت (d). سب صحیح

4. حضرت امیر معاویہؓ کے دور میں کن مساجد کی از سر نو تعمیر وتوسیع کی گئی؟

(a). بصرہ کی مسجد (b). مسجد عمرو بن العاص (c). مسجد کوفہ (d). سب صحیح

5. جہاز سازی کے کارخانے اور افریقہ میں قیروان شہر کس اموی حکمراں نے بنوایا تھا؟

(a). ہشام (b). امیر معاویہؓ (c). ولید (d). عبدالملک

6. کس اموی حکمران نے واسط کا شہر آباد کیا؟

(a). امیر معاویہ (b). ولید بن عبدالملک (c). عبدالملک بن مروان (d). ہشام بن عبدالملک

7. اموی حکمرانوں میں سے کس حکمراں نے مسجد نبوی میں سے بڑی تعمیری خدمت انجام دی؟

(a). حضرت عمر بن عبدالعزیز (b). ولید بن یزید (c). عبدالملک (d). ہشام بن عبدالملک

8. قصر الشرق الغربی کس اموی حکمراں کے دور کی تعمیر ہے؟

(a). حضرت عمر بن عبدالعزیز (b). ولید بن عبدالملک (c). عبدالملک (d). ہشام بن عبدالملک

9. سیسد ڈیم کس دور کی یادگار ہے؟

(a).امیر معاویہ (b).ولید بن عبدالملک (c).عبدالملک بن مروان (d).ہشام بن عبدالملک

10. ولید ثانی کے دور کی تعمیر کون سی ہے؟

(a).قصر مشتی (b).قصرالشرق الغربی (c). قصرالشرق الغربی (d).سب صحیح

11.7.2 مختصر جوابات کے متقاضی سوالات

1. حضرت امیر معاویہؓ کے دور میں کون سی نوآبادیاں قائم ہوئیں اور ان کا کیا فائدہ ہوا؟
2. عبدالملک بن مروان کے رفاہی کاموں پر ایک نوٹ لکھیے۔
3. اموی دور کے محلوں کی تعمیری خصوصیات پر ایک نوٹ تحریر کیجیے۔
4. اموی دور میں بسائے جانے والے شہروں پر ایک نوٹ تحریر کریں۔
5. مسجد الاقصی کی تاریخی اہمیت پر ایک نوٹ لکھیے۔

11.7.3 طویل جوابات کے متقاضی سوالات

1. اموی حکمرانوں کی تعمیری خدمات کا عمومی جائزہ لیجیے۔
2. حضرت امیر معاویہ کی تعمیری خدمات پر ایک نوٹ لکھیے۔
3. مسجد اقصی کے تاریخی پس منظر پر روشنی ڈالتے ہوئے قبۃ الصخرہ کی تعمیری خصوصیات پر ایک تجزیاتی مضمون قلمبند کیجیے۔

11.8 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1. تاریخ الاسلام (دوم) : مولانا شاہ معین الدین ندوی
2. تاریخ عرب : فلپ کے ہٹی
3. مسجد نبوی کی تعمیر و توسیع : محمد حسین عبدالقادر انصاری
4. اسلامی فن تعمیر : ارنسٹ ٹی رچمنڈ
5. احسن التقاسیم فی معرفۃ الاقالیم : شمس الدین المقدسی

معروضی سوالات کے جوابات

1. A	2. C	3.D	4. D	5.B
6. C	7. A	8. D	9. A	10. A

اکائی12: اموی حکومت کی تعمیرات (حصہ دوم)

اکائی کے اجزا:

12.0 تمہید

12.1 مقاصد

12.2 ولید بن عبدالملک کی تعمیری خدمات

12.2.1 مسجد نبوی کی تزئین وتوسیع

12.3 جامع اموی

12.3.1 منصورہ شہر

12.4 فرہنگ

12.5 اکتسابی نتائج

12.6 نمونہ امتحانی سوالات

12.6.1 معروضی جوابات کے متقاضی سوالات

12.6.2 مختصر جوابات کے متقاضی سوالات

12.6.3 طویل جوابات کے متقاضی سوالات

12.7 تجویز کردہ اکتسابی مواد

12.0 تمہید

ہر حکومت اپنے اپنے دور میں کچھ نہ کچھ تعمیری کام انجام دیتی ہے۔ یہ تعمیری کام جہاں عوام کی ضرورت پوری کرتا ہے، وہیں حکومت کے مزاج کا آئینہ دار بھی ہوتا ہے۔ اس لیے موجودہ دور میں فن تعمیر کے علم کو بہت زیادہ اہمیت حاصل ہو گئی ہے۔ عمارتیں بہ ظاہر اینٹ پتھر کی ہوتی ہیں، سیمنٹ گارے سے بنی ہوئی ہیں، لیکن اگر محسوس کرنے والا ذہن اور اندر تک اترنے والی آنکھیں ہوں تو وہ عمارتیں بہت

کچھ بیان کر رہی ہوتی ہیں۔ ان کے اندر ایک تاریخ چھپی ہوئی ہوتی ہے۔ وہ اپنے حکمرانوں اور معماروں کی سوچ بیان کرتی ہیں۔ اپنے بنانے والوں کے فن کی گواہ ہوتی ہیں۔ ان میں زمانے الٹ پھیر کی حکایتیں پوشیدہ ہوتی ہیں۔ حد تو یہ ہے کہ ان عمارتوں کے ذریعے اُس زمانے کی مزاج اور اس دور کے حکمرانوں کی نفسیات بھی معلوم ہو جاتی ہے، جس زمانے میں ان کی تعمیر ہوئی ہوتی ہے۔ اس لیے کسی بھی حکومت کے فن تعمیر کا مطالعہ صرف فن تعمیر کا مطالعہ نہیں ہوتا، بلکہ اس کے اندر تاریخ، جغرافیہ، نفسیات اور سیاسیات جیسے اہم علوم بھی پوشیدہ ہوتے ہیں۔

اموی حکومت تقریباً ایک صدی تک قائم رہی۔ حکومتوں کے لحاظ سے یہ مدّت مختصر ہے۔ اس کے باوجود تعمیری لحاظ سے اموی دورِ حکومت خاصا دلچسپ نظر آتا ہے۔ مدت حکومت کے اختصار کی وجہ سے اس دور کے فنِ تعمیر کا مطالعہ مزید دلچسپ بن جاتا ہے، کیوں کہ اس کے ذریعے ہمیں اس سوال کا جواب ملتا ہے کہ اموی حکمرانوں کے ترجیحات کیا کیا ہیں؟ اور انھوں نے کس طرح کے تعمیری منصوبوں کو اولیت دی۔ انسان ان ہی کاموں کو سب سے پہلے کرتا ہے، جن کاموں کو وہ سب سے زیادہ اہمیت دیتا ہے

پچھلی اکائی میں آپ نے اموی دور کی کچھ رفاہی اور مذہبی تعمیرات کے ساتھ ساتھ بطور خاص مسجد اقصیٰ اور قبۃ الصخراہ کی تعمیر اور اس کی خصوصیات کا مطالعہ کیا۔ اس اکائی میں آپ اموی دور کی دیگر شان دار عمارتوں میں سے جامع اموی دمشق کے علاوہ مسجد نبوی, کی تزئیں و آرائش واضافے میں اموی دور کی تعمیری اختراعات کا جائزہ لے سکیں گے، اس کے ساتھ اموی حکمراں ولید کے تعمیری ذوق کے بارے میں بھی جانیں گے۔

12.1 مقاصد

اس اکائی کا مقصد ہے کہ آپ:

- ولید بن عبدالملک کے دور کے تعمیرات سے آگاہ ہوں۔
- مسجد نبوی کی تعمیر نو اور اس میں کی گئی تزئین وآرائش وجدید عناصر پر گفتگو کر سکیں۔
- جامع اموی دمشق کی تعمیری خصوصیات اور اختراعی آرائش کا جائزہ لے سکیں۔

12.2 ولید بن عبدالملک کی تعمیری خدمات

خلیفہ ولید بن عبدالملک کو تعمیرات کا بہت شوق تھا۔ اس کے دور میں ہر قسم کی تعمیرات منظر عام پر آئیں۔ ولید کے دور کی سب سے مشہور عمارت جو اپنی خوبصورتی کے لیے مشہور ہے وہ جامع اموی ہے جس کا آپ یہاں تفصیلی مطالعہ کریں گے۔

ولید ابن عبدالملک نے تخت نشینی کے تیسرے سال یعنی 88ھ میں تمام ممالک محروسہ میں سڑکیں درست کرائیں اور ان پر میل کے پتھر نصب کرائے۔ تمام راستوں پر کنویں بنوائے اور نہریں جاری کرائیں۔ مسافروں کی سہولت کے لیے جابجا مہمان خانے قائم کیے۔ اس سے پہلے اسلامی حکومت میں اور مختلف قسم کی ترقیاں ہوئی تھیں، لیکن اب تک حفظان صحت اور شفاخانوں کا کوئی انتظام نہ تھا، ولید نے سارے ممالک محروسہ میں شفاخانے قائم کیے۔ جہاز سازی کے کارخانے حضرت امیر معاویہؓ ہی کے زمانے سے قائم ہو گئے تھے۔ ولید کے زمانے میں

جب بحری قوت میں اضافہ ہوا تو نئے کارخانے کھولے گئے، چناں چہ موسیٰ بن نصیر نے تونس میں ایک کارخانہ قائم کیا، جس میں صرف اس کے زمانے میں سو100 بحری جہاز تیار ہوئے تھے۔

اس نے مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ اور بیت المقدس جیسے مقدس مقامات کی پرانی مسجدوں کی توسیع کرائی اور نئی مسجدیں تعمیر کرائیں۔ اسی کے زمانے میں قرہ بن شریک نائب السلطنت مصر نے جامع مصر تعمیر کرائی اور اسے آراستہ و پیراستہ کیا۔ اس وقت روضہ مبارک کی کوئی بڑی عمارت نہ تھی۔ مزار مبارک صرف چہار دیواری سے گھرا ہوا تھا۔ ولید کے زمانے میں دیواریں شکستہ ہو چلی تھیں۔ خلیفہ کے حکم سے گورنر حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے چاروں طرف دوہری دیوار تعمیر کرادی۔ تاکہ اگر ایک دیوار کو کچھ نقصان پہنچے تو دوسری سے پردہ قائم رہے۔

ان اصلاحات کے ساتھ اس نے اور بہت سے اہم تعمیری کام انجام دیے۔ مکہ مکرمہ میں میٹھے پانی کی بڑی قلت تھی، ولید کے بھائی اور گورنر سلیمان نے آب شیریں کا ایک چشمہ جاری کرایا۔ اس کے لیے کوہ شیر کے دامن میں ایک بڑا سنگی تالاب بنایا گیا تھا اور اس سے سیسے کے نل کے ذریعہ حرم میں پانی لایا گیا تھا، جو رکن و زمزم کے درمیان سنگ مرمر کے فوارے میں گرتا تھا۔ سلیمان ہی نے شام میں ایک شہر رملہ آباد کیا۔ ولید کے زمانے میں جب کہ وہ فلسطین کا حاکم تھا، اسے رملہ کی جائے وقوع اور اس کی آب و ہوا بہت پسند آئی۔ چنانچہ اسی زمانے میں اس نے اپنے قیام کے لیے یہاں چند عمارتیں بنوائیں، پھر جب وہ خود خلیفہ ہوا تو اس شہر کو بڑی ترقی دی۔ بہت سی عمارتیں، جامع مسجد، تالاب اور حوض بنوائے، آبادی بڑھانے کے لیے لوگوں کو یہاں منتقل کیا۔ اس سلسلے میں سرکاری عمارتوں کے علاوہ اور بہت سی عمارتیں بن گئیں اور رملہ اچھا خاصا شہر ہو گیا۔ سلیمان اکثر رملہ ہی میں رہتا تھا۔ اس لیے اسے پایۂ تخت کی حیثیت بھی حاصل تھی۔

12.2.1 مسجد نبوی کی تزئین و توسیع

تیسرے خلیفۂ راشد امیر المؤمنین حضرت عثمان غنیؓ نے اپنے دور میں مسجد نبوی میں بڑی توسیع کرائی تھی۔ اس توسیع کے بعد مسجد نبوی ﷺ اپنے حال پر باقی رہی اور اس میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی۔ اموی دور میں بھی تقریباً چوالیس سال تک کوئی اضافہ نہیں ہوا۔ یہاں تک کہ ولید بن عبدالملک نے عمر بن عبدالعزیز کو حکم دیا کہ مسجد نبوی کی از سر نو تعمیر کرائیں۔

88ھ میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ جو اس زمانہ میں مدینہ کے گورنر تھے، خلیفہ وقت ولید نے انہیں لکھا کہ مسجد نبوی کی پرانی عمارت کو گرا کر از سر نو تعمیر کیا جائے اور مسجد سے متصل امہات المؤمنین کے حجروں کو بشمول حجرۂ عائشہؓ مسجد میں داخل کر دیں۔ اور جو اس حکم کا اہل مدینہ پر بہت اثر ہوا، کیوں کہ ان کو نبی ﷺ اور ازواجِ مطہرات سے بے انتہا محبت تھی۔ یہ خبر ان پر بجلی بن کر گری اور اس دن مدینہ منورہ میں آہ و بکا کا سماں بندھ گیا۔

دیگر اہل مدینہ کے مکانات کو بھی خرید کر مسجد کی عمارت میں شامل کرنے کی ہدایات تھیں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اس حکم کی پوری تعمیل کی۔ طبری کا بیان ہے کہ اس کار خیر میں کسی کو تامل نہیں ہوا، سب نے قیمت لے کر مکانات دے دیے فأجاب القوم إلى الثمن فأعطاہم إیاہ (طبری ج8، ص1313، وخلاصۃ الوفا، ص9) لیکن بعض مکانات کے لینے میں جبر سے کام لینا پڑا۔ اور جن لوگوں نے قیمت نہ لی ان اس کی قیمت خیرات کر دی گئی۔

مکانات کی ضرورت اس لیے تھی کہ مسجد دو سو ہاتھ لمبی اور دو سو ہاتھ چوڑی ہو جائے۔ کیوں کہ خط میں یہ حکم بھی تھا کہ ممکن ہو تو قبلہ کی دیوار بھی اور آگے بڑھا دو۔

معلوم ہوتا ہے کہ ولید بن عبدالملک کی توسیع کا محرک بھی مسجد کی تنگی اور نمازیوں کے لیے جگہ کی قلت تھی، یہاں تک کہ نمازی جمعہ کے دن نمازیوں کی کثرت اور اژدھام کی وجہ سے مسجد کے شمال اور مشرق میں واقع حجروں کو بھی نماز کے لیے استعمال کرتے تھے۔ یہ توسیع تین مراحل میں انجام پائی:

1. سب سے پہلے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ان مکانات کو خریدا، جو مسجد کے قرب وجوار میں تھے۔ پھر ان کو ازواج مطہرات کے حجروں کے ساتھ مسجد میں شامل کر لیا گیا۔
2. ماہ صفر 88ھ مطابق 707ء میں مسجد کے انہدام کا کام شروع ہوا۔ طبری کا بیان ہے کہ مسجد کے انہدام اور اس پر آنے والے خرچ کے ادائیگی کی نگرانی پر صالح بن کیسان کو مامور کیا گیا۔ انہدام کا کام مدینہ منورہ کے مزدوروں کے ذریعہ کرایا گیا۔ البتہ تعمیر کے لیے کاریگروں کو ولید نے مدینہ منورہ بھیجا۔
3. ولید نے شاہ روم کو خط لکھ کر اسے مسجد نبوی کی توسیع کے ارادے سے آگاہ کیا اور اس سے کاریگروں، سامان تعمیر اور سرمایہ کی مدد طلب کی۔ شاہ روم نے ولید کے پاس ایک لاکھ مثقال سونا سو کاریگر اور پچی کاری کے خام مواد کے چالیس سوار بھیجے تھے۔ ولید نے یہ سب کچھ عمر بن عبدالعزیز کے پاس مدینہ منورہ بھیج دیا۔ یہ امداد ٹھیک اس وقت پہنچی جبکہ مسجد گرانے کا کام مکمل ہو چکا تھا۔ چنانچہ تعمیر کا آغاز ہو گیا اور پتھروں کی بنیاد رکھ دی گئی۔ تعمیر کا سامان مہیا ہونے کے بعد حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے قاسم بن محمد بن ابی بکر، سالم بن عبداللہ، ابو بکر بن عبدالرحمن، عبید اللہ بن عبداللہ، ابو بکر بن عبدالرحمن، عبید اللہ بن عبداللہ خارجہ، بن یزید اور عبداللہ بن عبداللہ بن عمر وغیرہ علمائے مدینہ کی موجودگی میں پرانی عمارت گرا کر ان بزرگوں کے ہاتھوں سے نئی عمارت کی داغ بیل ڈلوائی۔ (طبری ج8، ص1274) اور بڑے اہتمام اور ذوق وشوق سے تعمیر کا کام شروع کرایا۔
4. جب تعمیر قبلہ کی دیوار تک پہنچی تو حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے مدینہ کے شیوخ کو جن میں مہاجرین، انصار، عرب اور موالی شامل تھے بلوایا اور ان سے کہا: آؤ اپنے قبلہ کی تعمیر کے وقت موجود رہو اور یہ مت کہنا کہ عمر نے ہمارا قبلہ بدل دیا۔ پھر وہ ایک پتھر اکھاڑتے تھے اور اس کی جگہ دوسرا پتھر رکھتے تھے۔ یہ ان کی جانب سے مسجد نبوی کے قبلہ کے تعلق سے احتیاط تھی، جس میں انھوں نے اپنے پیش رو بزرگوں کی اتباع کی تھی۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے مسجد کے ستونوں کے لیے خاص اہتمام کیا اور یہ حکم دیا کہ ستونوں کو نیچے سے اتنا چوڑا رکھا جائے کہ اس کی آڑ میں دو نمازی نماز ادا کر سکیں اور دو آدمی ٹیک لگا کر بیٹھ سکیں۔ توسیع شدہ عمارت کی چھت میں ایک پرنالہ لگایا، اس سے پہلے مسجد کی چھت میں کوئی پرنالہ نہیں تھا۔ اس طرح چھت میں چھجے بنوائے اور حویطب کے غلام سعد کو حکم دیا کہ قبلہ کی دیوار پر سورۂ فاتحہ اور سورۂ والشمس تا سورۂ الناس تحریر کر دے۔

حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز کے اہتمام اور توجہ کا یہ عالم تھا کہ بنفس نفیس تعمیر کے کاموں کی نگرانی کرتے تھے، کاریگروں پر جبکہ وہ اندرونی حصے میں کام کرتے تھے کڑی نگاہ رکھتے تھے، خاص طور سے وہ کاریگر جو پچی کاری کے کام پر مامور تھے، ان میں جو اپنے فن کا مظاہرہ کرتا تھا، اس کو انعام سے نوازتے تھے اور جو بگاڑتا تھا اس کو سزا دیتے تھے۔ یہاں تک کہ جو پچی کاری سے عمدہ اور بڑا درخت بنا دیتا تھا۔ اس کو تیس درہم دیتے تھے۔ مسجد بہت خوش نما اور خوب صورت بنی، پچی کاری کے بعض فنکاروں کا بیان تھا کہ ہم نے اپنے ذہن میں جنت کے درختوں اور محلات کو سامنے رکھ کر اس میں فنکارانہ صلاحیتوں کو استعمال کیا تھا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے مسجد میں ایک کوٹھری بنوائی، جس میں امام نماز پڑھائے اور اس کو بہت نفاست اور خوبصورتی سے بنوایا۔ چھت ساگون کی لکڑی سے بنی اور پچی کاری سے آراستہ کیا۔ جب تعمیر مکمل ہو گئی اور ولید نے 91ھ میں مدینہ کی زیارت کی اور مسجد کا معائنہ کیا۔ جب کوٹھری کی چھت کو دیکھا تو ان سے کہا کہ تمام چھتوں کی اس طرح آرائش کیوں نہ کروا دیں۔ انھوں نے جواب دیا کہ اس صورت میں بہت زیادہ رقم درکار ہوتی، کیوں کہ صرف قبلہ کی دیوار اور دونوں چھتوں کے درمیان پینتالیس ہزار دینار خرچ ہو گئے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے قبلہ کی دیوار اور کوٹھری کی چھت کی آرائش وزیبائش میں جو خصوصی اہتمام کیا تھا۔ اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے جس کی طرف مراغی (متوفی 816ھ) نے اشارہ کیا ہے کہ کوٹھری کی چھت دو ہاتھ بلند تھی۔ لیکن سمہودی کا خیال یہ ہے کہ چھت نہیں بلکہ کوٹھری کی زمین بلند تھی۔ ہو سکتا ہے کہ مراغی نے جس اونچائی کا ذکر کیا ہے وہ درحقیقت چھت ہی کی اونچائی تھی۔ کیوں کہ کوٹھری کی چھت گنبد کی شکل میں تھی۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ کوٹھری کی چھت قبلہ کی طرف کے برآمدوں کی چھت سے ذرا اونچی ہو گی اور اس کی زمین بھی کچھ اونچی ہو گی۔

ہمارے خیال کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے جس کی طرف ابن عبدربہ (متوفی 328) نے اشارہ کیا ہے، جب انھوں نے مسجد نبوی کے قبلہ کی جانب کے حصے کا اور قبلہ کی دیوار کے نقش ونگار کا تفصیلی نقشہ کھینچا ہے۔ وہ لکھتے ہیں: مسجد نبوی کا بیان: قبلہ کی جانب اس کے برآمدے مشرق سے مغرب کی طرف چوڑائی میں ہیں، ہر صف میں سترہ ستون ہیں، ہر دو ستونوں کے درمیان کشادہ جگہ ہے، قبلہ کی جانب کے برآمدوں میں ستونوں پر سفید روغن ہے اور دو ستون بہت اونچے اونچے ہیں۔ مسجد کے تمام ستون سنگ مرمر کے بنے ہوئے ہیں۔ سفیدی کیے ہوئے ستونوں کے بڑے بڑے چوکور پائے ہیں۔ ستونوں کے آخری حصوں پر سونے کا میناکاری ہے۔ اس کے اوپر سنہری نقش ونگار سے آراستہ شہتیر ہیں، جن پر چھت ہے اور یہ بھی سنہرے نقش ونگار سے مزین ہیں۔ محراب کے سامنے کا حصہ برآمدوں کے بالکل وسط میں ہے۔ اور پورے برآمدے کی سنہری رنگ سے طلائی کی گئی ہے۔ اس برآمدے میں جو محراب کے پاس ہے سنہری میناکاری کی کثرت ہے اور اس کے وسط میں ایک چھت ہے جو ڈھال کی طرح گول اور قوس نما ہے اور اندر سے محراب کی طرح خالی ہے، اس پر بھی سنہری رنگ ہے۔

ابن جبیر نے جب 580ھ مطابق 1184ء میں مدینہ منورہ کی زیارت کی تو مسجد نبوی ﷺ کے قبلہ والے حصے میں پچی کاری کے کام کا مشاہدہ کیا۔ یہ کام اموی دور میں ہوا تھا۔ اس کا تفصیلی نقشہ کھینچتے ہوئے اس نے لکھا ہے: دیوار کا آدھا حصہ سونے کی بیل بوٹوں سے مزین ہے، اس کو پچی کاری کہا جاتا ہے۔ فنکاروں نے اس میں انوکھے انداز کے نقش ونگار بنائے ہیں، جو مختلف طرح کے درختوں کی تصویروں پر

مشتمل ہیں، جن کی شاخیں پھلوں سے جھکی ہوئی ہیں۔ پوری مسجد اسی انداز کی ہے۔ لیکن قبلہ کی دیوار میں یہ کام زیادہ ہے اور قبلہ کی سمت سے صحن کی طرف جس دیوار کا رخ ہے، وہ بھی اسی طرح آراستہ ہے۔ اسی طرح وہ دیوار بھی جو اندر کی طرف سے ہے (یعنی صحن میں نظر آنے والی شمالی دیوار) صحن کی مشرقی اور مغربی دیواریں اس کام سے خالی ہیں یہ سفید ہیں۔ چھجوں کو سنبھالے ہوئی ہیں اور انھیں مختلف رنگ کے نقوش سے آراستہ کیا گیا ہے۔

ابن عبدربہ مسجد کی دیواروں کا اور ان کا نقشہ یوں بیان کرتے ہیں: مسجد کی تمام دیواریں اندر سے شروع سے آخر تک سنگ مرمر، آب زر اور پچی کاری سے آراستہ ہیں۔ مسجد کے صحن کا فرش کنکری کا ہے اور اس پر چٹائی نہیں ہے۔ مسجد کی خارجی دیوار چھجے کذان کے نرم پتھروں کے نقش و نگار سے مزین ہیں۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی تعمیر میں پتھروں کی بنیاد بنوائی گئی۔ تراشیدہ پتھروں سے دیوار اٹھائی گئی۔ دیواروں میں گچ کا کام کیا گیا، ستون بھی تراشیدہ پتھروں سے بنائے گئے، پتھروں کی بندش کے لیے لوہے کا استعمال کیا گیا، جن پر پگھلائے ہوئے سیسے کا غلاف چڑھادیا گیا تھا۔ شہتیروں پر ساگون کی لکڑی کی چھت ڈالی گئی۔ ستونوں کے پائے چوکور تھے اور ان کے بالائی حصوں پر سنہری رنگ کیا گیا۔ ستونوں پر سفال گری کی گئی، یہ ایک خاص مادہ ہوتا تھا، جو رگڑنے پر سفید سنگ مرمر کی طرح چمکدار ہو جاتا تھا۔

مسجد میں نیچے اوپر دو چھتیں تھیں، نیچے والی چھت کی بلندی تیئس ہاتھ (11.50 میٹر) اور بالائی چھت کی بلندی پچیس گز (12.50 میٹر) تھی، شاید مسجد کی تعمیر میں اس کا خیال کیا گیا تھا کہ دو چھتیں ہوں، تاکہ موسم کے اثرات کا مقابلہ کیا جاسکے۔ اسی طرح مسجد کی دیواریں مضبوط اور چوڑی تھیں، یہاں تک کہ مغربی دیوار کی چوڑائی دو ہاتھ سے کچھ کم (تقریباً 95 سینٹی میٹر) تھی، جب کہ مشرقی دیوار کی چوڑائی دو ہاتھ اور چار انگشت (تقریباً 110 سینٹی میٹر) تھی، اس فرق کا سبب یہ تھا کہ مشرقی دیوار مکمل طور سے سیلاب کے رخ پر تھی اور اس سیلاب کے سبب ایک مرتبہ اس طرف کی دیوار گر بھی چکی تھی اور اسی کے نتیجے میں حجرہ شریفہ کی دیوار بھی گر گئی تھی۔ اسی لیے تعمیر کے وقت اس کی چوڑائی مغربی دیوار سے زیادہ رکھی گئی۔ اس بار مسجد نبوی میں اتنا اضافہ ہوا کہ قبلہ کی جانب سے مسجد کی چوڑائی 167.50 ہاتھ (83.75 میٹر) اور لمبائی دو سو ہاتھ (100 میٹر) ہو گئی۔ توسیع شدہ مسجد کا نقشہ حسب ذیل ہو گیا:

1. قبلہ کا حصہ: قبلہ کے رخ کی سیدھ میں پانی برآمدے (جن میں تین عہد رسالت، ایک عہد فاروقی اور ایک عہد عثمانی میں بنے تھے)، اٹھارہ برآمدے قبلہ کی دیوار کے عمودی رخ پر (جن میں دراصل دس عہد رسالت میں دو عہد فاروق میں ایک عہد عثمان میں اور دو مشرقی حصے میں ولید بن عبدالملک کے دور میں بنے تھے، جب کہ امہات المومنین کے حجرے مسجد نبوی میں شامل کئے گئے تھے۔)
2. مشرقی حصہ: تین برآمدے جو مشرقی دیوار کی سیدھ میں تھے۔
3. مغربی حصہ: چار برآمدے جو مغربی دیوار کی سیدھ میں تھے۔
4. شمالی حصہ: پانچ برآمدے جو شمالی دیوار کی سیدھ میں تھے۔

جنوبی اور شمالی حصے جن کا رخ صحن کی طرف تھا، ان کی دیواروں میں گیارہ محرابیں تھیں، جن کو دس ستونوں پر لادا گیا تھا۔ مشرقی اور

مغربی حصے جو صحن کی طرف تھے، ان میں چودہ محرابیں تھیں، جن کو تیرہ ستونوں پر لادا گیا تھا۔

ولید ابن عبدالملک کی توسیع سے مسجد نبوی میں ہونے والی تبدیلیاں یہ ہیں:

1. حجرہ شریفہ

اموی تعمیر و توسیع میں حجرہ شریفہ میں بھی تبدیلیاں ہوئیں، اس کو پنج پہلو دیوار سے گھیر دیا گیا۔ حجرے کی دیواروں کو تراشیدہ پتھروں سے بنایا گیا، اس میں دروازے نہیں لگائے گئے۔ پنج پہلو دیوار کے پانچوں پہلو برابر نہیں تھے۔ ان کی اونچائی بھی چھت تک نہیں تھی، بلکہ دو ہاتھ چھت سے نیچے تھی۔ اس میں لکڑی کی ایک کھڑکی تھی۔ اندرونی حجرے کی چھت پر موم پگھلا کر بارش سے بچاؤ کے لیے پھیلا دیا گیا تھا۔ بیرونی مغربی دیوار اندرونی دیوار سے متصل تھی۔ مشرقی دیوار اور حجرے کی دیوار میں شمال کی جانب سے (50 سینٹی میٹر) کا فاصلہ ہے اور جنوب کی جانب سے (50 سینٹی میٹر) کا فاصلہ ہے۔ جنوبی دیوار اور حجرے کی دیوار میں مشرق کی جانب سے (50 سینٹی میٹر) کا فاصلہ، مغرب کی جانب تنگ ہوتے ہوئے (20 سینٹی میٹر) رہ جاتا ہے۔ حجرے کی شمالی دیوار میں اور بیرونی دیوار کے تکونے کی نوک میں (4 میٹر) کی دوری ہے۔ مسجد کی چھت پر قبر مبارک کے اوپر کی جگہ کو دیوار سے گھیر دیا تھا، تاکہ کوئی اس کے اوپر چل پھر نہ سکے۔

2. منبر

اموی تعمیر میں منبر کی سیڑھیاں چھ (6) کے بجائے نو (9) کر دی گئیں۔ یہ کام حضرت معاویہؓ کے دور میں گورنر مدینہ مروان بن حکام کے ذریعہ ہوا تھا، منبر میں کھڑکی نما ایک دروازہ لگایا گیا۔ ابن عبدربہ منبر کا نقشہ کھینچتے ہوئے لکھتا ہے: (منبر محراب کے دائیں جانب پہلے برآمدے میں ہے) محراب سے تیسرے نمبر پر (محراب قبلہ کی دیوار میں ہے) سنگ مرمر کے فرش پر ہے، چاروں طرف سے گھرا ہوا ہے، اس میں زینے ہیں، اس کے سب سے اوپری حصے میں جہاں رسول اللہ ﷺ بیٹھا کرتے تھے، ایک تختہ ٹھونک دیا گیا ہے، تاکہ اس پر کوئی بیٹھ نہ سکے، وہ کشادہ نہیں ہے بلکہ سادہ ہے، اس میں وہ بیل بوٹے اور دقیق بناوٹ نہیں ہے، جو ہم اپنے زمانے کے منبروں میں پاتے ہیں۔

3. مینار

اس تعمیر میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے مسجد کے چاروں کونوں پر چار مینار بنوائے، کثیر بن حفص کے بقول: چار میناروں میں سے ایک سے مروان بن حکم کا گھر نظر آتا تھا۔ یہ بنو امیہ کا مکان تھا جب وہ مدینہ منورہ آتے تھے تو اسی میں ٹھہرتے تھے۔ جب سلیمان بن عبدالملک نے حج کیا اور مدینے آیا تو مؤذن اذان دینے کے لیے اس مینار پر چڑھا اور اس پر نظر پڑ گئی، چناں چہ اس نے مینار کو گرانے کا حکم دیا، وہ مینار گرا کر مسجد کی چھت کے برابر کر دیا گیا اور مسجد میں صرف تین مینار رہ گئے۔ ابن زبالہ نے متعین طور سے ہر مینار کی بلندی ذکر کی ہے، جو مندرجہ ذیل ہے:

جنوب مشرقی مینار کی بلندی پچپن ہاتھ (27.5 میٹر)

شمال مشرقی مینار کی بلندی پچپن ہاتھ (27.5 میٹر)

شمال مغربی مینار کی بلندی ترپن ہاتھ (26.5 میٹر)

اسی طرح ہر مینار کی چوڑائی متعین طور سے چاروں طرف سے آٹھ آٹھ ہاتھ (4×4 میٹر) ذکر کی ہے۔

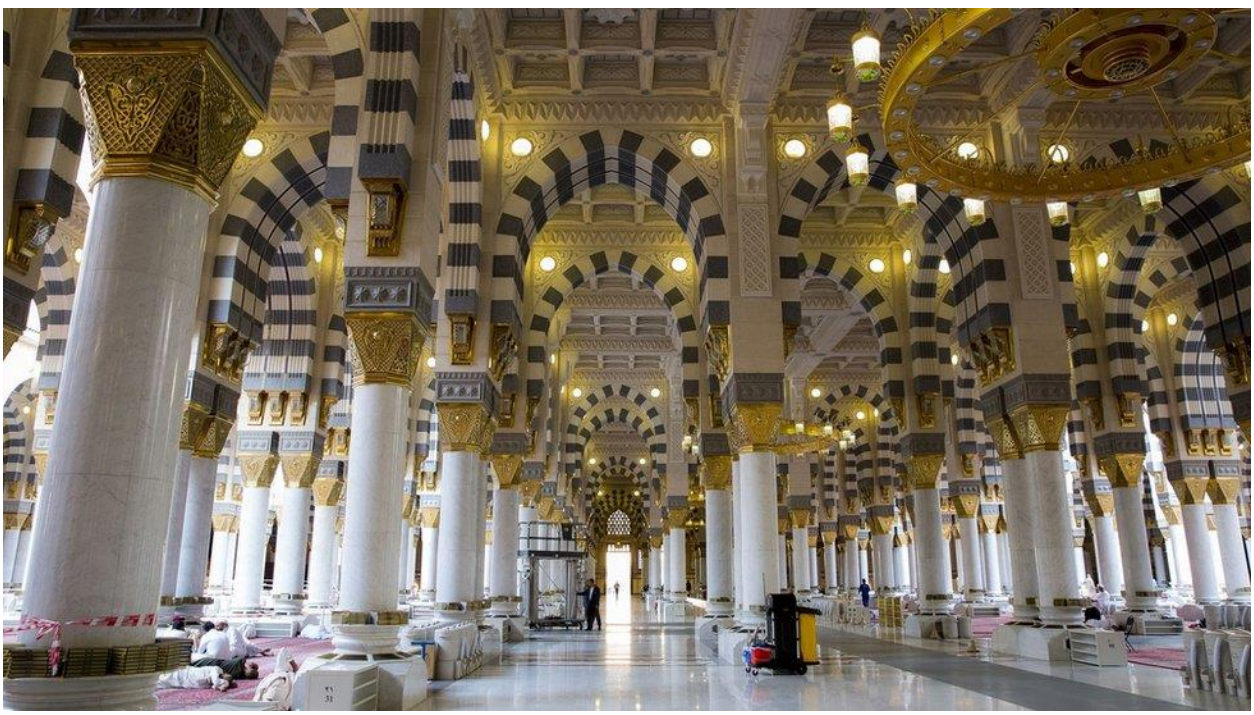
یہ تینوں مینار 580ء مطابق 1174ء تک باقی رہے، اس وقت ابن جبیر نے مدینہ منورہ کی زیارت کی اور ان کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا: مسجد نبوی میں تین مینار ہیں، ایک مشرقی کونے میں مینار کی شکل میں اور دو اندرونی زاویوں میں ہے، جو نسبتاً چھوٹے اور برج نما ہیں۔

4. محراب

پہلے مسجد نبوی میں محراب نہیں تھی۔ نہ عہد رسالت میں اور نہ ہی خلفاء راشدین کے دور میں۔ تاریخی کتابوں میں اس طرح واضح اور قطعی بیانات ملتے ہیں جو اشارہ کرتے ہیں کہ مسجد نبوی میں سب سے پہلی محراب ولید بن عبدالملک کے دور کی تعمیر میں بنائی گئی ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے محراب بناتے وقت قبلہ کی تعین کے لیے مدینہ کے تمام مسلمانوں کو مدعو کیا اور ان سے کہا کہ آؤ اور قبلہ کی تعمیر میں موجود رہو، پھر یہ مت کہنا کہ عمر نے ہمارا قبلہ بدل دیا۔ چنانچہ سب اس موقع پر حاضر ہوئے، پرانی دیوار کا ایک ایک پتھر اٹھایا جاتا تھا اور اس کی جگہ دوسرا پتھر رکھ دیا جاتا تھا۔

5. مسجد کے دروازے

مسجد نبوی کے چاروں اہم دروازے محفوظ رکھے گئے یعنی: مغربی دیوار میں باب السلام اور باب الرحمہ اور مشرقی دیوار میں باب جبرئیل اور باب النساء۔ مطری کا بیان ہے کہ ولید بن عبدالملک نے مسجد میں بیس دروازے لگوائے تھے۔ جب کہ سمہودی کا بیان ہے کہ یہ سب دروازے عباسی دور میں لگائے گئے اور غالباً دو دروازے شمالی دیوار میں محراب کے دائیں اور بائیں جانب اموی دور میں لگائے گئے۔ کیوں کہ اس سلسلے میں تاریخی حوالے خاموش ہیں۔



مسجد نبوی کی پوری عمارت پتھر کی تھی، تمام در و دیوار اور چھت پر طلائی کا کام اور اعلیٰ درجہ کی میناکاری تھی، مسجد سے متعلق ایک فوارہ بھی تعمیر کیا گیا تھا، تین سال میں عمارت بن کر تیار ہوئی۔ 91ھ میں ولید خود اس کے ملاحظہ کے لیے مدینہ گیا اور عمارت دیکھ کر خوشنودی ظاہر کی، فوارہ بہت پسند کیا، اس کی نگرانی کے لیے خدام مقرر کیے اور اہل مسجد کو اس کا پانی استعمال کرنے کا حکم دیا۔ (ابن اثیر ج ا، ص 204) اور اس کی تعمیر کی خوشی میں اہل مدینہ میں نقد روپیہ اور طلائی و نقرئی ظروف تقسیم کیے۔ (کتاب العیون والحدائق، ص 11)۔

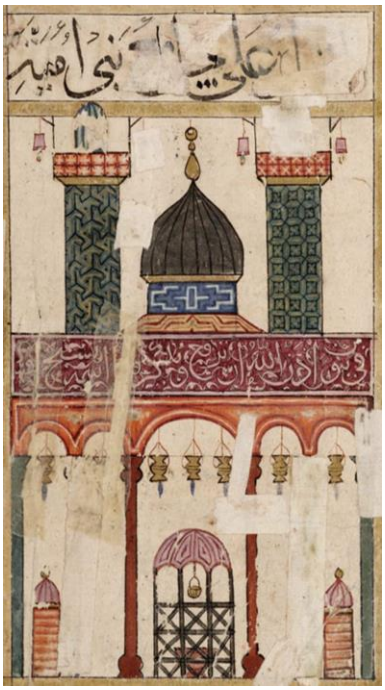
حرم نبوی کے توسیعی پروجیکٹ آفس نے ولید بن عبد الملک کے اضافہ کا (2269ء میٹر مربع) کا اندازہ کیا ہے۔ یہ اموی دور کی آخری توسیع تھی جو نہایت ٹھوس اور پختہ تھی اور اسلامی فن تعمیر کی انوکھی شاہکار تھی۔

مولانا شاہ معین الدین ندوی نے اموی دور میں مسجد نبوی میں ہونے والی توسیع کو مختصر الفاظ میں اس طرح بیان کیا ہے:

یوں تو ولید نے بکثرت عمارتیں بنوائیں، اس کا سب سے بڑا تعمیری کارنامہ مسجد نبوی اور جامع دمشق کی تعمیر اور اس کی تزئین و آرائش ہے۔ ان دونوں مسجدوں کو اس نے بڑے حوصلے سے تعمیر کرایا اور ان کی تعمیر پر بے دریغ دولت صرف کی اور ان کی آرائش میں اس زمانہ کی تمام صناعیاں ختم کر دیں۔

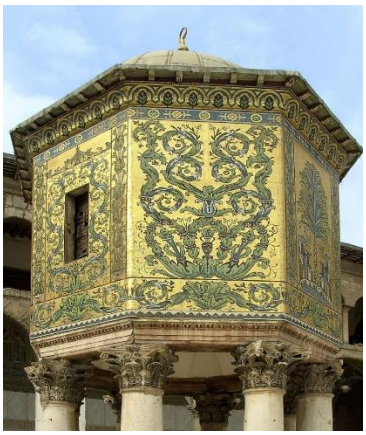
12.3 جامع اموی

دمشق کی ایک مسجد جسے اسلام میں چوتھی مقدس ترین مسجد کا درجہ حاصل ہے۔ ترتیب اور اہمیت کے لحاظ سے مسجد اقصیٰ کے بعد دوسرا درجہ جامع اموی کا ہے۔ 89ھ/705ء میں ولید بن عبد الملک نے اس مسجد کو بنوایا تھا۔ یہ مسجد دنیا کی جمیل ترین عبادت گاہوں میں سے ہے۔ مکہ معظمہ، مدینہ منورہ اور یروشلم کے حرموں کے بعد اسی جامع مسجد کا درجہ ہے۔ اس کا طول ساڑھے پانچ سو قدم ہے اور عرض ڈیڑھ سو قدم ہے۔ ولید بن عبد الملک نے سات سال تک اس مسجد کی تعمیر کے لیے شام کا پورا مالیہ وقف رکھا۔ مقامی کاریگر باعث تسلی ثابت نہ ہوئے تو ایران اور ہندوستان سے فنکار بلائے گئے اور ایک سو یونانی فنکاروں کے لیے باز نطینی شہنشاہ کو لکھا گیا۔ رنگ رنگ کے پتھروں اور نہایت کم یاب سنگ مرمر سے اس مسجد کی دیواریں اور چھتیں آراستہ کی گئیں۔ دیواروں پر سنہری بیل بوٹے بنوائے گئے تھے اور جابجا جواہرات جڑے گئے تھے۔ اس کے ستون بہت بڑے بڑے تھے جو سنگ ساق اور سنگ رخام کے مختلف رنگوں کے ہیں۔ اس کے قبہ میں بارہ ہزار قندیلیں سونے اور چاندی کی زنجیروں میں لٹکی ہوئی ہیں۔ ماہ رمضان میں ان بارہ ہزار قندیلوں کو روشن کیا جاتا ہے۔ چار مصلیوں یعنی حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی کے لیے چار محراب علاحدہ علاحدہ بنے ہوئے



ہیں۔اس مسجد میں 75 مؤذن مقرر ہیں، جو اس کے تین میناروں پر چڑھ کر اذان کہتے ہیں۔ بقول مولوی محبوب عالم میں نے ظہر کے وقت اس کے مشرقی مینار پر پندرہ بیس آدمی ایک وقت میں اذان دیتے ہوئے دیکھے جو بلند آواز سے ہم آہنگ ہو کر اذان کہتے ہیں اور اس طرح ان کی آواز دور دور تک پہنچتی ہے۔

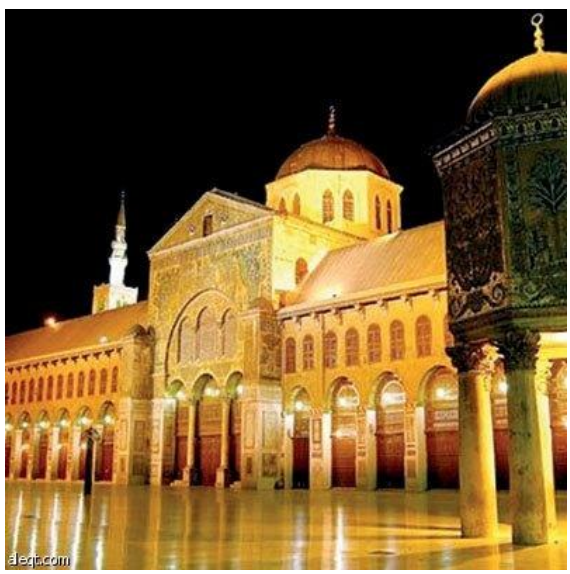
مسجد کی شمالی سمت میں ولید نے ایک مینارہ تعمیر کرایا تھا، جس پر رات کے وقت روشنی ہوتی تھی۔ بعد میں تعمیر کے اس نمونے کی پیروی شام، شمالی افریقہ اور ہسپانیہ میں ہوئی۔ یہ سب سے پرانا اور خالص اسلامی مینارہ ہے۔ جنوبی سمت کے دو مینار پہلے گرجے کے برج تھے۔ بقول امام غزالی وہ شمالی مینار میں عبادت اور مراقبے کے لیے معتکف رہے۔



اس مسجد کا ایک امتیازی پہلو یہ ہے کہ نماز کے لیے محراب سب سے پہلے اس میں بنی۔ اسی مسجد میں نعل نما محرابیں بنائی گئیں۔

ایک اندازے کے مطابق اس کی تعمیر پر تین کروڑ اشرفیاں صرف کی گئیں۔ اس جامع کی تعمیر کے وقت علاوہ تمام ممالک اسلامیہ کے کاریگروں کے جو اس تعمیر کے لیے دستیاب ہو سکتے تھے، بارہ ہزار کاریگر اور معمار و سنگ تراش بلاد روم سے بلائے گئے تھے۔ ابن عساکر نے ''العیون'' میں اس جامع کو تعمیر کرنے والوں کی تعداد ایک لاکھ بتائی ہے۔

جامع اموی کی جگہ پہلے پہل دمشق کے جوپٹیر کے لیے ایک مندر بنا ہوا تھا، بعد میں رومی شہنشاہ آرکائیس نے پانچویں صدی عیسوی کے آغاز میں اس کی جگہ ایک کلیسا تعمیر کیا۔ ولید نے اس گرجے پر قبضہ کر کے یہاں مسجد تعمیر کرائی، جس مقام پر حضرت یحییٰ کا سر مبارک کٹ جانے کے بعد رکھا گیا تھا، وہ مقام اب بھی مسجد کے اندر محفوظ ہے، یعنی جنوبی سمت کے رواق کا کتبہ جس کی عبارت یہ ہے ''اے مسیح! تیری بادشاہت دائمی ہے اور تیری حکومت نسلاً بعد نسل قائم رہے گی۔''



1069ء میں یہ عظیم الشان مسجد پہلی مرتبہ آتشزدگی سے برباد ہوگئی، جب اسے تعمیر کیا گیا تو تیمور لنگ نے فتح دمشق کے وقت اسے آگ لگوادی۔ اس مرتبہ پھر اس کو اسی شان و شوکت سے تیار کیا گیا۔ 1893ء میں اسے تیسری بار پھر آتشزدگی کا حادثہ پیش آیا، اس مرتبہ کی آتشزدگی سے اسے بہت زیادہ نقصان پہنچا۔ اس مرتبہ اس میں وہ قرآن مجید بھی جل گیا جس پر حضرت عثمانؓ کا خون گرا ہوا تھا، جسے وہ اپنی شہادت کے وقت پڑھ رہے تھے۔ لیکن اہل دمشق نے چندہ کر کے دوبارہ اس کی تعمیر اور مرمت شروع کر دی۔ بقول منشی محبوب عالم ''1900ء میں جب میں نے اسے دیکھا تو آدھی سے زیادہ تیار ہو چکی تھی اور اس وقت تک پچاس ساٹھ ہزار پونڈ خرچ ہو چکے تھے۔ اب یہ مسجد مکمل طور پر تیار

ہو چکی ہے۔ سلطان صلاح الدین ایوبی کی قبر مبارک بھی اسی مسجد کے سامنے واقع ہے۔''

تاریخ اسلام میں مولانا شاہ معین الدین ندوی نے جامع اموی کی عظمت اور اس کے حیرت انگیز فن تعمیر کو بہت دلفریب انداز میں اس طرح بیان کیا ہے:

دوسری اہم تعمیر جامع اموی یا جامع دمشق ہے۔ اس کی تعمیر نہ صرف ولید کا بلکہ اس دور کا عظیم الشان تعمیری کارنامہ ہے، اس کی تعمیر میں بے دریغ دولت صرف ہوئی۔ مؤرخین کا بیان ہے کہ ملک شام کا پورا سات برس کا خراج صرف ہوا تھا۔ (احسن التقاسیم بشاری، ص 158) نقد کے حساب سے چھپن لاکھ اشرفی اس کا اندازہ کیا جاتا ہے۔ (مسالک الابصار، ج ا، ص 188)

اس کی تعمیر کے لیے ہندوستان فارس، مغرب اور روم وغیرہ مختلف ملکوں سے کاریگر اور تعمیر کا سامان منگایا گیا تھا۔ صرف جزیرہ قبرص سے اٹھارہ جہازوں پر سونا اور چاندی آیا تھا، قیصر روم نے علاحدہ منبت کاری کا سامان بھیجا تھا۔ (احسن التقاسیم، ص 158)

سنگ مرمر اور سنگ ساق وغیرہ جن جن مقاموں کا مشہور تھا، وہاں سے منگایا تھا، یہ سامان اتنا قیمتی تھا کہ پتھر کے بعض ستونوں کی قیمت کئی کئی سو اشرفی تھی۔ (مسالک الابصار، ج ا، ص 188)

بارہ ہزار مزدور کام کرتے تھے اور پورے آٹھ یا نو سال میں عمارت بن کر تیار ہوئی۔ (مسالک الابصار، ج ا، ص 188 و کتاب البلدان، ص 107) یہ اتنی وسیع تھی کہ بیک وقت بیس ہزار آدمی سما سکتے تھے۔ پوری عمارت سنگ مرمر کی تھی جس میں مختلف رنگ کے پتھروں سے بوقلمونی پیدا کی گئی تھی، در و دیوار پر طلائی اور لاجوردی کام اور مختلف رنگوں کی منبت کاری تھی، نقش و نگار اور طغرے صنعتی نزاکت و نفاست کا بہترین نمونہ تھے، محرابوں میں تناسب کے ساتھ بیش قیمت جواہرات جڑے ہوئے تھے، چھت منقش ساج کی تھی، اوپر سے سیسہ کی چادر چڑھی ہوئی تھی۔ (مسالک الابصار، ج 1، ص 186)

خارجی تزئین و آرائش کا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ صرف چھ سو قندیلیں، سونے کی زنجیروں میں آویزاں تھیں۔ (کتاب البلدان، ص 108)

غرض یہ عمارت عظمت و شان اور آرائش و زیبائش ہر لحاظ سے اس دور کے عجائبات میں تھی اور دنیا کی بڑی عمارتوں میں اس کا پانچواں نمبر شمار کیا جاتا تھا۔ (کتاب العیون والحدائق، ص 7، کتاب البلدان، ص 107)

دور دور سے لوگ اسے دیکھنے کے لیے آتے تھے اور متحیر ہوتے تھے، یہ مسجد سر سے پاؤں تک سونے چاندی اور جواہرات سے آراستہ تھی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اپنے زمانے میں اسے صرف بے جا سمجھ کر کل بیش قیمت سامان نکلوا کر بیت المال میں داخل کرنے کا ارادہ کیا، اتفاق سے اسی زمانے میں روم کے قاصد آئے ہوئے تھے، انھوں نے جامع دمشق کو دیکھ کر کہا کہ ہم لوگ سمجھتے تھے مسلمانوں کا عروج چند روزہ ہے، لیکن اس عمارت کو دیکھ کر اندازہ ہوا کہ مسلمان ایک زندہ رہنے والی قوم ہے، یہ سن کر حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اپنا ارادہ ترک کر دیا۔ (دول الاسلام ذہبی، ج 1، ص 8) مؤرخین اور جغرافیہ نویسوں نے اس مسجد کے عجائب و نوادر کی بڑی طویل تفصیل لکھی ہے۔

12.3.1 منصورہ شہر

سندھ میں مسلم حکومت کی ابتدائی کئی صدیوں تک پائے تخت اور مشہور شہر منصور کی آبادی سے قبل کی حالت کے بارے میں مؤرخین نے لکھا ہے کہ راجہ داہر کے قتل اور اروڑ کی فتح کے بعد محمد بن قاسم قدیم برہمناآباد پہنچا، جو کہ منصورہ سے دو فرسنگ (پانچ چھ میل) کے فاصلے پر واقع ہے، اس وقت منصورہ موجود نہ تھا، بلکہ اس مقام پر گھنا جنگل تھا۔ اس نے مزید وضاحت کی ہے کہ جنگل کو صاف کر کے منصورہ کو برہمناآباد سے پانچ چھ میل کے فاصلے پر بسایا گیا، یعنی 115ء-116ء ہجری کے دوران میں، جب کہ برہمناآباد کا شہر موجود تھا، ایک نئے شہر منصورہ کو آباد کیا گیا۔ انتظامیہ اور خواص کے یہاں تو ''منصورہ'' ہی نام قائم رہا، لیکن عام طور پر پہلے شہر برہمنا کی مناسبت سے اس کو ''نیا برہمن آباد'' اور اصل برہمناباد کو پرانا برہمن باد کہا گیا۔



یہ قدیم شہر دریائے جلوالی کے قریب، مغرب کی طرف تھوڑے سے فاصلے پر واقع تھا۔ اس شہر کے نواح میں ''کن دھار'' یا ''کنووھار'' نام بدھوں کا مندر تھا۔ موضع جھول (تعلقہ سنجھورو، ضلع سانگھڑ) سے دو میل مغرب میں قدیم دریا جلوالی کی گزرگاہ کے آثار نظر آتے ہیں۔ اس گزرگاہ سے مغرب کی طرف ڈیپر کھانگرو نام جگہ پر ایک قدیم بدھ مندر کا سٹوپا شکستہ حالت میں ابھی تک باقی ہے، جو یقینی طور پر کنووھار سٹوپا کا ہے۔ اس سٹوپا سے متصل مغرب کی طرف شہر کے کھنڈرات بکھرے ہوئے تھے، جو 1950ء کے بعد زیر کاشت آگئے ہیں۔ ان قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ برہمناباد کا شہر منصورہ کے کھنڈرات ڈیپر کھانگرو والے سٹوپا سے پانچ چھ میل مغرب کی طرف واقع تھا، جس سے دونوں شہروں کے درمیان مؤرخین کے بتائے ہوئے فاصلے کی تصدیق ہوتی ہے۔

منصورہ برعظیم پاک وہند میں ایک نئے تعلیمی نظام اور علمی و تحقیق کا مرکز بنا۔ منصورہ کی درس گاہوں سے عالم و محقق پیدا ہوئے، جنھوں نے دینی علوم میں، خاص طور پر قرآن، حدیث اور فقہ میں نمایاں خدمات انجام دیں۔ زبانوں کے مطالعے کے لیے بھی منصورہ کو مرکزی حیثیت حاصل تھی اور عربی و سندھی کے علاوہ سنسکرت اور دوسری مقامی زبانوں کے ماہرین بھی وہاں پر موجود تھے۔

12.4 فرہنگ

طلائی : سونے (Gold) کا بنا ہوا

بوقلمونی : variety رنگ برنگا ہونا، تنوع۔

رواق : عمارت یا خیمے کے سامنے والا حصہ، دالان، چھجا، یا ستونوں پر کھڑا پورٹیکو (Portico) ہیں۔

منبت کاری: (Carving) لکڑی، دھات یا پتھر جیسی ٹھوس سطحوں پر گہری کندہ کاری کر کے ابھرے ہوئے نقش و نگار، پھول پٹیاں یا

بیل بوٹے بنانے کا فن ہے۔

سٹوپا(Stupa) بدھ مت کی ایک تاریخی اور مذہبی عمارت ہے، جس کا لفظی مطلب "اونچا تھاں" (اونچی جگہ /ٹیلا) ہے۔ یہ بنیادی طور پر مہاتما بدھ یا ان کے پیروکاروں کی باقیات (راکھ، ہڈیاں) یا متبرک اشیاء کو دفن کرنے کے لیے بنایا گیا ایک گول، گنبد نما ڈھانچہ ہوتا ہے، جسے مقدس یادگار کے طور پر پوجا جاتا ہے۔

12.5 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے درج ذیل نکات سیکھے:

- ہر تعمیر اپنے بنانے والے اور اپنے زمانۂ تعمیر کے مزاج، ماحول اور تاریخ کا آئینہ ہوتی ہے۔
- جامع اموی کو اموی حکمراں ولید ابن عبدالملک نے تعمیر کرایا تھا۔ یہ فن تعمیر کا لازوال مظہر ہے۔ اسے عالم اسلام کی چوتھی مقدس ترین مسجد بھی کہا جاتا ہے۔ اللہ کے نبی حضرت یحییٰؑ کے سرِ مبارک کی قبر جامع اموی کے اندر اور فاتح بیت المقدس سلطان صلاح الدین ایوبی کی قبر مسجد کے سامنے واقع ہے۔
- مسجد نبوی کی تعمیر و توسیع میں اموی حکمراں ولید ابن عبدالملک نے مثالی کردار ادا کیا۔ یہ توسیع کا کام والی مکہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کی نگرانی میں مکمل ہوا۔
- منصورہ شہر حضرت عمر بن عبدالعزیز نے سندھ کے مفتوحہ علاقے میں آباد کیا تھا۔

12.6 نمونہ امتحانی سوالات

12.6.1 معروضی جوابات کے متقاضی سوالات

1. فن تعمیر کا مطالعہ کیوں ضروری ہے؟

(a). بنانے والوں کی تاریخ اور تہذیب و ثقافت جاننے کے لیے (b). تعمیری نشانات مٹانے کے لیے

(c). بچوں کو پڑھانے کے لیے (d). ان میں سے کوئی نہیں

2. اموی دورِ حکومت میں سندھ میں کون سا شہر بسایا گیا؟

(a) . کراچی (b). منصورہ (c). ٹھنٹھ (d). برہمناآباد

3. ولید ابن عبدالملک کے ذریعے دمشق میں بنائی گئی کون سی مسجد عالم اسلام کی عظیم ترین مساجد میں شمار ہوتی ہے؟

(a) . جامع السادات (b). مسجد الحنابلہ (c). جامع مراد باشا (d). جامع اموی

4. جامع اموی میں کس نبی کا مبارک مزار ہے؟

(a) .حضرت یحییٰ (b) .حضرت عیسیٰ (c) .حضرت سلیمان (d) .ان میں سے کوئی نہیں

5. اموی حکمرانوں میں سے کس حکمراں نے مسجد نبوی میں سے بڑی تعمیری خدمت انجام دی؟

(a).حضرت عمر بن عبدالعزیز (b).ولید بن عبدالملک (c).عبدالملک (d).ہشام بن عبدالملک

12.6.2 مختصر جوابات کے متقاضی سوالات

1. فن تعمیر کی تمدنی اہمیت پر ایک نوٹ لکھیے۔
2. ولید بن عبدالملک کے تعمیری ذوق اور اس کے تعمیراتی کارناموں کا مختصر اتعارف کروایئے۔
3. مسجد نبوی کی تزئین وآرائش میں گورنر عمر بن عبدالعزیز کی خدمات پر روشنی ڈالیے۔
4. ولید کے دور میں آباد کیے گئے شہروں پر ایک نوٹ تحریر کیجیے۔
5. جامع اموی پر مورخین ومفکرین کی آراء پر تبصرہ کیجیے۔

12.6.3 طویل جوابات کے متقاضی سوالات

1. جامع اموی دمشق کی تعمیری خصوصیات پر ایک جامع مضمون لکھیے۔
2. اموی دور میں مسجد نبوی ﷺ کی تعمیر وتزئین پر ایک تبصراتی مضمون قلمبند کیجیے۔
3. ولید بن عبدالملک کے دور کی تعمیرات کا جائزہ لیجیے۔

12.7 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1. تاریخ الاسلام (دوم) : مولانا شاہ معین الدین ندوی
2. تاریخ عرب : فلپ کے ہٹی
3. عمارة المسجد النبوي الشريف وتوسعته عبر العصور : محمد حسین عبدالقادر انصاری
4. اردو دائرۃ المعارف الاسلامیہ کے متفرق مضامین

معروضی سوالات کے جوابات

1.A	2.B	3. D	4.A	5.B

اکائی13: اموی حکومت میں فنون لطیفہ

اکائی کے اجزا:

13.0 تمہید

13.1 مقاصد

13.2 اموی حکومت میں فنون لطیفہ

13.0.1 فن خطاطی

13.0.2 فن موسیقی

13.0.3 فن مصوری

13.0.4 صنعتی وچند متفرق فنون

13.1 فرہنگ

13.3 اکتسابی نتائج

13.4 نمونہ امتحانی سوالات

13.5.1 معروضی جوابات کے متقاضی سوالات

13.4.1 مختصر جوابات کے متقاضی سوالات

13.4.2 طویل جوابات کے متقاضی سوالات

13.5 تجویز کردہ اکتسابی مواد

13.0 تمہید

فطرت اور قدرت کے حسن کا مشاہدہ، اس کی پذیرائی اور اس سے مستفید ومتاثر ہو کر تخلیقی عمل سے گزرتے ہوئے اس کو منفرد انداز میں پیش کرنا فن کہلاتا ہے۔ فنون لطیفہ جمالیاتی ذوق کی تسکین کا ذریعہ ہیں، جو زندگی میں راحت، خوشی، حسن اور توازن پیدا کرتے ہیں۔

یہ کسی بھی قوم کی فکر، تخیّل، جمالیات اور لطیف احساسات کا ایسا مجموعہ ہوتے ہیں، جو اس قوم کے فکری زاویوں اور معاشرتی و معاشی ترقی وصورت حال کی عکاسی کرتے ہیں۔ اسلام نے انسانی فطری تقاضوں کو مد نظر رکھتے ہوئے، فنون کی اثر انگیزی کے پیش نظر، ان کے مثبت اور کار آمد استعمال کی حوصلہ افزائی کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلم تاریخ میں ابتدا سے ہی ان کا بڑے پیمانے پر ظہور نظر آتا ہے۔ اسلامی فنون کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان میں سابقہ تہذیبی وراثتوں کے اجزاء بڑے پیمانے پر شامل کیے گئے ہیں۔ مسلمانوں نے فطری تقاضے کے پیش نظر اپنے دور عروج میں دیگر تہذیبوں کے اچھے اور مثبت خصائص کو اپنایا اور اس میں اپنی مذہبی و فکری روح اجتماعی کے مطابق خاطر خواہ اضافہ بھی کیا، جس کا عملی اظہار مسلم تاریخ میں نظر آتا ہے۔ اسلامی تاریخ کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ دور عروج کی مسلم تاریخوں میں ظہور پذیر ہونے والے ان تمام فنی نمونوں کی بنیادیں عہد بنوامیہ میں پڑ چکی تھیں۔ اس اعتبار سے اموی عہد کو مسلم تاریخ میں فنون لطیفہ کی ابتدا اور ترقی کے اعتبار سے دور اولیں قرار دیا جاسکتا ہے۔

13.1 مقاصد

اس اکائی کا مقصد ہے کہ آپ:

- اموی حکومت میں ظہور پذیر ہونے والے فنون لطیفہ کے مختلف نمونوں کی خصوصیات کی فہرست بنا سکیں۔
- اسلامی فنِ تعمیر کی خصوصیات (گنبد، محراب، نقش و نگار) پر تبصرہ کر سکیں۔
- خطاطی اور آرائش کے نمونوں کو عملی سرگرمی میں استعمال کر سکیں۔
- درباری موسیقی و عربی شاعری اور مصوری کے فروغ کا ذکر کر سکیں۔

13.2 اموی حکومت میں فنون لطیفہ

اسلامی فن سے مراد وہ فنون ہیں، جنھیں بعثت محمدیؐ کے بعد مسلم حکومتوں کے زیر اقتدار علاقوں میں ان ممالک کے ثقافتی عمل، رد عمل اور مشترکہ ضروریات نے تشکیل دیا، اسی وجہ سے اسے عام طور پر مسلمانوں کا فن بھی کہا جاتا ہے۔ یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ مسلم تاریخ میں عمومی طور پر فنون لطیفہ کے عصری اصناف کے بالمقابل فنون مفیدہ پر زیادہ دھیان دیا گیا، اسی وجہ سے مسلم دنیا میں فنون سے زیادہ صنعتیں، مرکز نگاہ رہیں۔ نتیجے کے طور پر مسلم تاریخ میں فن تعمیر، خطاطی، موسیقی اور مصوری کے ساتھ ساتھ صنعتی فنون کو بڑے پیمانے پر فروغ حاصل ہوا۔ مسلم تاریخ میں فن کا پہلا مظہر قرآن مجید کو شمار کیا جاتا ہے، جو فن ربانی کا ایسا معجزہ ہے، جس کی مثال ناممکن ہے۔ قرآن مجید کی تلاوت اور فہم سے مسلمانوں کا مطمح نظر ہمیشہ رب تعالیٰ کی خوش نودی رہا۔ انھوں نے اللہ رب العزت کی نعمتوں کے اظہار اور شکر گزاری کے مختلف طریقے اپنائے، جو قرآن مجید سے وابستہ تھے۔ قرآن مجید کی عمدہ تلاوت سے قرأت کا فن اور مختلف قسم کے الحان سامنے آئے، اس کی خوب صورت کتابت نے انھیں فن خطاطی میں اعلیٰ مقام عطا کیا۔ رہائشی مکانات، عبادت گاہوں اور تحفظ کی بنیادی ضرورتوں کے پیش نظر انھوں نے مسلم فن تعمیر کو پیش کیا۔ ان عمارتوں کی تزئین و آرائش کے لیے مصوری کے ساتھ ساتھ اقلیدسی اشکال پر مبنی نقش

و نگار کا طریقہ اختیار کیا گیا اور یہ اقلیدسی اشکال روحانیت کے اظہار کا ذریعہ بنیں۔ عرب کے لق ودق صحرا کے باسیوں نے سبزہ، پانی، پھول اور قدرتی مناظر میں گہری دل چسپی لی اور دنیا کے سامنے تزئین و آرائش کی ایک نئی قسم کا اختراع کیا، جسے تاریخ میں Arabesque یعنی 'عربی فن آرائش و زیبائش' کا نام دیا گیا۔

مسلم فنون لطیفہ کی تاریخ کے مطالعے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اس کے ابتدائی خط و خال اور بنیادیں عہد نبوی میں نہ صرف متعین ہو چکی تھیں، بلکہ خلافت راشدہ میں فتوحات اور علاقائی توسیع کے نتیجے میں مختلف تہذیبوں اور ثقافتوں کے زیر اثر اس کے چند ابتدائی نمونوں کی داغ بیل بھی پڑ چکی تھی، اسی لیے بجا طور پر یہ بات کہی جاتی ہے کہ عرب اسلامی فنون مختلف تہذیبی وراثتوں کے میل ملاپ کا نتیجہ ہیں۔ ابتدا سے ہی مسلم فنون کی یہ خصوصیت رہی ہے کہ وہ جامد نہ تھے، بلکہ ان میں مختلف قوموں کے فنون سے بلا تامل اخذ و استفادہ کی روشن مثالیں نظر آتی ہیں اور اسی اخذ و استفادہ کی روایت کو مسلم تاریخ میں فنون لطیفہ کی ترقی کی بنیادی وجہ قرار دیا جاتا ہے۔ مسلم تاریخ میں فنون لطیفہ کی ابتدا اور ترقی کی ایک دوسری بنیاد، ان قرآنی آیتوں کو بھی شمار کیا جاتا ہے، جن میں صفات باری تعالی، بالخصوص اللہ کی صفت خالقیت کا تذکرہ کیا گیا ہے، ساتھ ہی وہ آیتیں بھی اس کی بنیاد گزار تصور کی جاتی ہیں، جن میں جنت کا نقشہ پیش کیا گیا ہے۔ حقیقی طور پر مسلم فنون لطیفہ کے ظہور اور اس کی ترقی کے اعتبار سے اموی عہد کو مسلم تاریخ کا دور اولیں قرار دیا جا سکتا ہے، جس میں مسلم تہذیب و ثقافت کی بنیادیں استوار ہوئیں۔ یقینی طور پر اب تک باقی رہنے والی ابتدائی اموی فنی اظہار کی سب سے اہم مثال یروشلم میں واقع قبۃ الصخرہ ہے، جو نہ صرف انسانی تہذیب میں ایک نئے فن کے ظہور کا بیّن ثبوت ہے بلکہ اس عہد کی فنی جدت طرازیوں اور اختراعات کا اہم نمونہ بھی ہے۔ اموی حکمرانوں کی فنی دل چسپی نے اس عہد میں ظہور پذیر ہونے والے ان فنون کو تیزی کے ساتھ استحکام بخشا، اسی لیے مسلم تاریخ میں فنی اختراعات اور ترقی کے اعتبار سے یہ عہد بہت ہی اہم شمار کیا جاتا ہے۔

13.0.1 فن خطاطی

مسلم فنّی تاریخ کا پہلا مظہر قرآن مجید ہے اور قرآن مجید سے ایک مسلمان کی محبت اور تعلق کے نتیجے میں جو ذہن تشکیل پاتا ہے، اس کا محور و مرکز قرآن ہو جاتا ہے۔ اس لیے مسلم تاریخ میں تخلیقاتِ حسن بنیادی طور پر، قرآن کی قرأت، قرآن کی کتابت اور تعمیر مساجد، جہاں قرآن کی تلاوت ہوتی ہے، پر مرکوز اور منحصر رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی فنون لطیفہ میں مشغول فن کار سمجھتے تھے کہ ہم عبادت کا فریضہ انجام دے رہے ہیں، اس سے ان کو جو روحانی مسرت حاصل ہوتی تھی، اس کا ادراک دور جدید کے فن کار نہیں کر سکتے۔ فن قرأت کے بعد اسلامی ذوق جمالیات کا دوسرا بڑا مظہر قرآن مجید کی کتابت سے متعلق ہے۔ یہ قرآن مجید کو حسین اور جاذبِ نظر انداز میں لکھنے کا فن ہے، جس کے نتیجے میں فن خطاطی کو فروغ حاصل ہوا۔ فن خطاطی کا آغاز دراصل کتابتِ قرآن مجید سے ہوا ہے۔ کتابت ایک عام کاروباری عمل ہے اور خطاطی اس کی خاص جمالیاتی نوع ہے، جس میں مسلمانوں نے کمال حاصل کیا اور اسے ایک برتر فن کے درجے تک پہنچایا۔ یہ فن اس لحاظ سے تقدیس کا درجہ بھی حاصل کر لیتا ہے کہ خطاطی کا سب سے زیادہ جمیل استعمال قرآن مجید کی کتابت میں ہوا، جس میں مسلمان خوش نویسوں نے اپنی بھرپور صلاحیتیں صرف کیں۔ کتابت کے ساتھ تذہیب و گل کاری اور الوان کی حسین آمیزش نے ان

کے لکھے ہوئے الفاظ وصفحات کو پیکر جمال بنادیا۔ خطاطی کا فن قرآن مجید سے اس خصوصی تعلق کے علاوہ دوسری کتابوں کی تیاری اور کتابت میں بھی بروئے کار آیا۔ شعر وادب، افسانہ وحکایت، تاریخ وجغرافیہ، غرض کہ تمام قسم کی کتابوں کی ظہور پذیری میں یہ فن استعمال ہوا۔ ایسی کتابوں میں بسااوقات حسن خط اور تصویر دونوں جمع ہو جاتے تھے۔ اسی طرح خطاطی کا سب سے بڑا اور اہم استعمال مختلف قسم کی مذہبی، عوامی وذاتی عمارتوں کی آرائش وزیبائش جیسے : مسجدوں، محلوں، قلعوں، روضوں ومرقدوں کے علاوہ دوسری تعمیرات میں بھی ہوتا رہا ہے، نیز خطاطی کا استعمال صنعتی فنون کے نمونوں کو آراستہ وپیراستہ کرنے اور شاہی فرامین کی تیاری کے لیے بھی کیا گیا ہے۔

تاریخ خطاطی کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ عہد اسلامی میں عربی خط کی جس شکل نے سب سے پہلے ترقی کی اسے عرف عام میں کوفی کہتے ہیں۔ اموی عہد میں عبدالحمید الکاتب نے دفتری ضرورتوں کے لیے اس خط میں مناسب ترمیمات کیں۔ اس عہد میں کتابت کی دو روشیں رائج تھیں۔ قلم جلیل یا طومار اور قلم دقیق یا قرمط یعنی موٹا خط اور باریک خط۔ سید محمد سلیم نے اپنی کتاب تاریخ خط وخطاطین میں قلقشندی کے حوالے سے لکھا ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ نے اپنے لیے ایک خاص موٹے قط کا قلم مخصوص کر لیا تھا اور کسی دوسرے فرد کو اس قلم کے استعمال کا حق نہیں تھا، اس کو قلم جلیل کہتے ہیں۔ امیر معاویہؓ طومار پر قلم جلیل سے دستخط کرتے تھے۔ اسی طرح بیان کیا جاتا ہے کہ عمر بن عبدالعزیز نے اپنے کاتب کو حکم دیا تھا کہ وہ زیادہ کاغذ ضائع نہ کرے اور باریک خط یعنی قرمط سے لکھے۔ خلافت بنوامیہ میں عربی زبان اور خط کی سب سے اہم اور مثالی خدمت عبدالملک بن مروان نے انجام دی۔ اس عہد کی ابتدا میں ہی حجاج بن یوسف نے رسم الخط کی اصلاح کی کوشش کی اور اعراب، اعجام وزیادات کا اضافہ ہوا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ قرآن مجید کی درست اور صحیح قرأت کے لیے ضروری تھا کہ صحیفہ مقدسہ میں نقاط، اعراب اور زیادات شامل کیے جائیں۔ مزید یہ کہ عبدالملک بن مروان نے پوری سلطنت میں عربی زبان اور خط کو سرکاری سطح پر نافذ کیا، اب تمام قسم کی سرکاری مراسلات عربی زبان میں ہونے لگی، اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ عربی زبان کے کاتبوں کی مانگ میں اضافہ ہوا۔ کاتبوں کی اس ضرورت کو پورا کرنے کے لیے پیشہ ور کاتبوں کا ایک طبقہ ظاہر ہوا، ساتھ ہی اس ضرورت نے ان کے اندر مسابقت کے جذبے کو پروان چڑھایا، جس کے نتیجے میں فن کتابت میں جدتیں اختیار کی گئیں اور اس جذبے نے کاتبوں کو تحسین خط اور تزئین کتابت کی طرف مائل کیا۔ تحسین خط میں جس شخص نے اولین خدمات انجام دیں، وہ عبدالملک بن مروان کا کاتب خاص قطبہ بن شعیب الطائی تھا، جو 'المحرر' کے لقب سے مشہور ہوا۔ اس نے تحریر کے اصول وضوابط مقرر کیے، حروف کی ساخت اور پیمائش کے لیے نوک قلم کو پیمانہ قرار دیا اور یہ پیمانہ کاتبوں کے یہاں آج تک استعمال ہوتا ہے۔ اس نے قلم طومار کو نئی روش دی، جس کی وجہ سے وہ خط کوفی سادہ سے ممتاز ہو گیا۔ اسی طرح بیان کیا جاتا ہے کہ جس شخص نے قرآن مجید کو سب سے پہلے خوب صورت انداز میں لکھا، وہ خلیفہ ولید بن عبدالملک کا کاتب خاص خالد بن ابی الہیاج تھا۔ ولید کی تعمیر کردہ مسجد بنوی میں اس نے سورہ الشمس، سے اخیر تک قرآنی آیتوں کی کتابت کی تھی۔ عمر بن عبدالعزیز نے جب اسے دیکھا تو انھوں نے اپنے لیے قرآن کا ایک نسخہ لکھنے کی فرمائش کی۔ خلیفہ ہشام بن عبدالملک کے کاتبوں میں ابوالعلاء سالم، جو خلیفہ کے داماد بھی تھے اور شعیب بن حمزہ کافی اہم خطاط رہے ہیں۔ اموی عہد کے چند دوسرے اہم کاتبوں اور خطاط میں عبدالحمید بن یحییٰ اور عبداللہ ابن مقفع کا نام شمار کیا جاتا ہے، جنھوں نے اپنے عہد میں اس فن کو ترقی دی۔ اس عہد میں بعض خوشنویس اجرت پر بھی کتابت کرتے تھے، ابن

قتیبہ نے مالک بن دینار کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ اجرت پر قرآن مجید لکھتے تھے۔ سید محمد سلیم نے اپنی کتاب تاریخ خط وخطاطین میں لکھا ہے کہ استنبول کے عجائب خانے میں ابتدائی اموی عہد کے دو تصدیق شدہ قرآن مجید کے نسخے محفوظ ہیں، ان میں سے ایک عقبۃ بن عامر کی تحریر ہے، جس پر کتابت کی تاریخ 52ھ درج ہے اور دوسرا نسخہ فاتح افریقہ عقبہ بن نافع کے کاتب خدیج بن معاویہ کی تحریر ہے، جس پر سن کتابت 49ھ درج ہے۔

اموی عہد میں کتابوں، خاص طور پر قرآن کی کتابت اور حکومتی دستاویزات کی تیاری کے علاوہ خطاطی کا اہم استعمال عمارت سازی میں ہوا، جس کی عمدہ مثالیں اموی دور کی تعمیرات جیسے قبۃ الصخرہ، مسجد نبوی اور جامع اموی دمشق ہیں۔ ان عمارتوں میں بڑے پیمانے پر قرآنی آیتوں کی کندہ کاری کی گئی ہے، جن سے خطاطوں کی مہارت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ مسلم تاریخ میں خطاطی ایک ایسا فن ہے، جس کا استعمال بلا استثنیٰ تمام فنون کی تزئین کاری کے لیے کیا گیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ خطاطی ابتدا سے ہی عربی طرز آرائش و زیبائش کا سب سے اہم، بنیادی اور غالب ترین عنصر رہا ہے۔ اس وجہ سے بطور آرائشی جزو کے صنعتی فنون کی تمام اصناف میں اس کے استعمال کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔ خطاطی کے طور پر استعمال ہونے والے مواد میں آیات قرآنی کے علاوہ مذہبی اقتباسات، حکمرانوں سے متعلق مدحیہ جملے، اشعار، سنین اور ضرب الامثال شامل ہیں۔ تناسب کے اعتبار سے قرآنی آیتوں کا استعمال سب سے زیادہ کیا گیا ہے، جس سے ماہرین فن اور حکمرانوں کے فکری رجحان کا اظہار ہوتا ہے۔

اموی عہد عربی اور خط کوفی کا ابتدائی دور تھا۔ اس عہد میں اس خط کے مختلف علاقائی نام ملتے ہیں، جیسے: مدنی، بصری، کوفی، واسطی، مصری، شامی، قیروانی اور قرطبی۔ اس بات کی تصدیق کا کوئی خاص ذریعہ نہیں ہے کہ کیا حقیقت میں ان خطوط کے درمیان کوئی فرق تھا، جس کی وجہ سے علاحدہ نام رکھنے کی ضرورت محسوس ہوئی یا لوگوں نے محض سہولت کی خاطر اپنے علاقے کے مرکزی شہر سے اس کو موسوم کر دیا اور ان کے اندر کوئی خاص فرق نہیں تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ عربی خط اور فن خطاطی کے ارتقاء اور اس کے تحسین و تزئین میں اموی عہد کے حکمرانوں نے بڑا اہم کردار ادا کیا ہے۔

13.0.2 فن موسیقی

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ عربی حکومت اور مسلم تہذیب وثقافت، اموی حکمرانوں کی زیر سرپرستی، شان وشوکت کی راہ پر گامزن ہوئی۔ انھوں نے نہ صرف مسلم حکومت کی علاقائی توسیع میں اہم کردار ادا کیا بلکہ اسے ایک مملکت کی حیثیت بھی عطا کی۔ امیر معاویہؓ ایک ادبی وفنی ذوق کے حامل حکمراں تھے۔ انھوں نے اپنے دربار میں علوم وفنون کے ممتاز ماہرین کی ایک کہکشاں جمع کر رکھی تھی اور انہی کے عہد سے ہی عربوں پر یونانی علوم کے اثرات مرتب ہونے لگے تھے۔ اگرچہ امیر معاویہؓ شاعری کو پسند کرتے تھے اور ان کی بیوی میسون ایک ماہر شاعرہ تھیں، مگر اس کے باوجود بھی فن کارانہ موسیقی کے خلاف روایتی پابندیوں سے وہ متاثر نظر آتے ہیں۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ ان کے عہد میں اموی دربار سے موسیقاروں کا انسلاک نظر نہیں آتا، مگر اس کا یہ مطلب ہر گز نہیں ہے کہ اموی عہد کی ابتدا میں سلطنت میں موسیقی یا موسیقار موجود نہیں تھے۔ برطانوی ماہر علم موسیقی ہنری جارج فارمر نے العقد الفرید کے حوالے سے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ عبداللہ

ابن جعفر نے ایک موسیقار کوامیر معاویہؓ کے دربار میں بحیثیت شاعر پیش کیا، جو مدینہ کا رہنے والا اپنے عہد کا مشہور فارسی الاصل موسیقار سائب خاثر تھا،امیر معاویہؓ اس کی کارکردگی سے خوش ہوئے،جب کہ اس نے شاعری کے بجائے خلیفہ کے سامنے غناء پیش کیا تھا۔ بیان کیاجاتاہے کہ امیر معاویہؓ نے اپنے عہد کے اواخر میں ایک مرتبہ اسی موسیقار کو مدینہ میں سنااوراسے انعام واکرام سے بھی نوازا۔اموی عہد میں فن موسیقی کی ترقی اوراس کی حکومتی سرپرستی کے لیے یزیداول،عبدالملک بن مروان،ولید بن عبدالملک، سلیمان بن عبدالملک، یزید دوم اورولید دوم کے ادوار کافی اہم شمار کیے جاتے ہیں۔ مسعودی کے بقول یزید اول بن معاویہ کو شاعری کے ساتھ ساتھ موسیقی کا بھی ذوق تھااور کتاب الاغانی کے بیان کے مطابق یزیداول پہلے شخص تھے،جنھوں نے اموی دربار میں موسیقاروں اورآلاتِ موسیقی کو متعارف کرایا۔عبدالملک کے دور کے مشہور موسیقاروں میں ابوعثمان سعیدابن مِسجَح اوربُدَیح الملیح کانام شامل ہے۔ خلیفہ عبدالملک کابھائی بشر بن مروان بھی موسیقی کا سرپرست تھا۔ولید بن عبدالملک کے درباری موسیقاروں میں ابن سُرَیج اور معبد تھے، جنھیں اموی دربار میں شاعروں سے زیادہ پذیرائی حاصل تھی۔ سلیمان بن عبدالملک خود بھی موسیقی کا شوقین تھااور موسیقی وغناء کے فروغ کے لیےاس نے فن کاروں کے درمیان مسابقہ آرائی کی روایت قائم کی۔ یزید دوم اورولید دوم کادربار موسیقاروں ،سازندوں اور مغنیوں کی آماجگاہ ہوا کرتا۔ اس عہد کے اہم فن کاروں میں ابن سُرَیج، معبد،مالک،ابن عائشہ،ابن ابی لہب،یونس الکاتب،الہُذلی،الابجار،اشعب بن جابر،ابوکامل الغُزیّل اوریحییٰ قائل کانام شمار کیاجاتاہے۔

ابوعثمان سعید بن مِسجَح، جس کی وفات 715 میں ہوئی، اموی عہد کاپہلااہم موسیقار تھا۔اس کی پیدائش مکہ میں ہوئی اوراس نے موسیقی کی تعلیم شام اورایران میں پائی تھی۔ حجاز میں اس کی واپسی نے عربی موسیقی میں نئے طرزواسلوب متعارف کرائے۔ حجاز میں اس کی فنی مہارت اور شہرت دمشق میں ورود کا سبب بنی۔ یہاں اسے اموی خلفاء اور امراء کی سرپرستی حاصل ہوئی، جس نےاس کی فنی مہارت اور شہرت میں مزیداضافہ کیا۔ابن مِسجَح کو عرب موسیقی کاپہلاماہر اوراموی دور کے چار عظیم مغنیوں میں شمار کیاجاتاہے۔اس کے اہم شاگردوں میں ابن مُحرِز،ابن سُرَیج اوریونس الکاتب شامل ہیں، جن کا شمار عربی موسیقی کے نمائندہ ماہرین میں ہوتاہے۔ابوالخطاب مسلم ابن مُحرِز،مکہ میں مقیم ایک فارسی النسل آزادکردہ غلام تھا۔ابن مُحرِز نے موسیقی کی تعلیم ابن مِسجَح سے حاصل کی اور سُروتال کافن مدینہ کی مشہور قیان موسیقار ومغنیہ عزۃالمیلاء سے سیکھا۔ جذام کامرض لاحق ہونے کی وجہ سے وہ دربار اور عوامی محفلوں میں شرکت کے قابل نہ رہا۔ موسیقی کے فروغ میں اس کا کردار ابن مِسجَح کے ہم پلہ شمار کیاجاتاہے۔ وہ فن موسیقی میں اپنا ایک خاص مقام رکھتا تھا، مردوں میں اسے سب سے اچھا مغنی تصور کیاجاتااور عربوں کے سنّاج کالقب عطاکیاگیاتھا۔اس کے گانوں کی بہت مانگ تھی،اگرچہ وہ اپنے مرض کی وجہ سے عوام الناس سے دور رہتا تھا، مگراس کے گانوں کوایک مغنیہ نے متعارف کرایا۔ابن مُحرِز کے راگوں کی خوب صورتی ان کی سادگی تھی۔ موسیقی کی دواختراعات 'رمل'اور 'زوج'اس سے منسوب کی جاتی ہیں۔

ابویحییٰ عبیداللہ ابن سُرَیج ایک ترک غلام کے بیٹے تھے، جن کی پیدائش 634ء میں مکہ میں ہوئی۔ابن سُرَیج نے موسیقی کی تعلیم ابن مِسجَح اورابوعبدالمنعم عیسیٰ بن عبداللہ طویس سے حاصل کی اور عزۃالمیلا ایک مشہور خاتون گلوکارہ تھیں وہ غناء وموسیقی کی محفلوں میں

شرکت کر کے سُر وتال کی مشق کی۔ابتدا میں ابن سریج ایک نائخ یعنی رثائی گو کے طور پر جانا گیا۔اس زمانے میں وہ ایک قضیب یعنی چھڑی کی مدد سے مرتجل یعنی بدیہی طور پر گایا کرتا تھا۔ تقریباً چالیس سال کی عمر تک اس کی عملی موسیقی میں بہت کم شہرت تھی، مگر 683ء میں اس نے اپنے ایک نوحے کے ذریعہ عوامی توجہ حاصل کی اور جلد ہی مقبول ہو گیا، جس کے نتیجے میں اسے سکینہ بنت حسینؓ کی سرپرستی حاصل ہوئی۔ کچھ دنوں کے بعد ابن سُرَیج نے نائخ کے پیشے کو ترک کر دیا اور ایک عملی موسیقار و مغنی بن گیا۔ یہاں بھی اس نے بڑی شہرت و کامیابی حاصل کی۔ مکہ میں سلیمان بن عبدالملک کے ذریعہ منعقد کیے گئے موسیقی کے مقابلے میں اس نے اول انعام حاصل کیا۔ موسیقی میں مہارت کی وجہ سے ہی اسے ولید کے دربار میں مدعو کیا گیا، جہاں عزت و تکریم کے ساتھ ساتھ اسے تحفے تحائف سے بھی نوازا گیا۔اس کے تعلق سے مشہور ہے کہ اللہ نے حضرت داؤد کے بعد کوئی ایسا موسیقار پیدا نہیں کیا، جو ابن سُرَیج کے ہم پلہ ہو۔ موسیقی میں وہ رمل تال کا سب سے بڑا ماہر تصور کیا جاتا تھا۔اسے بھی عہد بنوامیہ کے چار اہم موسیقاروں میں شمار کیا جاتا ہے۔

ابو یزید عبدالملک الغریض کا تعلق مکہ کے ایک آزاد کردہ بربر غلاموں کے خاندان سے تھا۔اسے سکینہ بنت حسینؓ کی سرپرستی حاصل ہوئی، جہاں ابن سُرَیج کے ذریعہ اس کی بحیثیت ایک نائخ یعنی رثائی گو تربیت ہوئی۔ الغریض نے بتدریج مہارت حاصل کی اور جلد ہی اپنے استاد کا حریف بن کر ابھرا۔ اسے دمشق میں ولید اول کے دربار میں بھی اپنے فن کے مظاہرے کا موقع ملا، جہاں اس نے اپنے غناء کو قضیب، دف اور عود کے ساتھ پیش کیا۔ الغریض کی وفات سلیمان بن عبدالملک کے عہد میں یمن میں ہوئی۔ العقد الفرید کے مطابق الغریض کی وفات ایک تقریب کے دوران اس کے اپنے گھر والوں کی آغوش میں ہوئی۔اسے بھی اموی عہد کے چار اہم موسیقاروں میں شمار کیا جاتا ہے۔ اموی عہد کے چند دوسرے اہم مغنیوں، موسیقاروں اور سازندوں میں ابوالعباد معبد بن وھب، ابو جعفر محمد بن عائشہ، یونس بن سلیمان الکاتب، ابوالولید مالک ابن ابی السمح اور ابوہارون عطارد کو شمار کیا جاتا ہے۔ اسی طرح اس عہد کی مشہور خواتین موسیقاروں میں جمیلہ، سلّامہ القس، حبّابہ اور سلّامہ الزرقاء کا نام شامل کیا جاتا ہے۔

اموی عہد میں آلات موسیقی کے استعمال کے حوالے سے یہ بات بیان کی جاتی ہے کہ ابن سُرَیج پہلا موسیقار ہے، جس نے عربی موسیقی کے لیے فارسی عُود کا استعمال کیا۔ یہ فارسی عُود عرب علاقوں میں عباسی حکومت کے قیام کے بعد تقریباً پچاس سالوں یعنی عُود الشَبّوط کی اختراع تک رائج رہا۔ عُود کے فارسی نام یعنی بَربَط کا ذکر بھی وقائع نگاروں کے ذریعہ ملتا ہے۔ عراق کے علاقے میں طَنبُور زیادہ پسند کیا جاتا تھا، مگر اپنے استعمال کے اعتبار سے دھیرے دھیرے عُود بھی اس کی ہم سری کرنے لگا۔ العقد الفرید میں بشر بن مروان کے عہد میں دو تاروں والے عُود کا تذکرہ ملتا ہے؛ ان تاروں کو زِیر اور بَم کے نام سے جانا جاتا تھا۔ حجاز اور شام کے علاقوں میں طَنبُور عام آلہ موسیقی تھا، جو لوگ قدیم موسیقی کا ذوق رکھتے، وہ اس میں طَنبُور المیزانی کے سُر بھی شامل کر لیتے تھے۔اسی طرح جَنک یا صَنج بھی آلہ موسیقی کے طور پر مستعمل ہوتے۔ عمومی آلہ موسیقی میں پھونک والے چوبی آلات موسیقی یعنی مزمار کی خاص اہمیت تھی اور اس کی سنگت کے لیے عُود بھی استعمال ہوتا۔ نیز صوتی توازن و خوش آہنگی برقرار رکھنے کے لیے طبلہ اور دُف بھی استعمال میں لائے جاتے۔ فوجی اور جنگی موسیقی ڈھول اور نقارے پر مشتمل ہوتی۔اسی طرح غیر تربیت یافتہ موسیقار قضیب یا چھڑی کا استعمال دھن یا تال کی ضرب

پر زور دینے کے لیے کرتے۔

فن موسیقی کی ترقی میں اس عہد کی ان انفرادی واجتماعی محفلوں اور تقریبات کا بھی حصہ ہے، جو اس فن کے ماہرین کے ذریعہ منعقد ہوتی تھیں۔ایسی محفلوں میں اس علاقے اور شہر کے تقریباً تمام مغنی اور سازندے شرکت کرتے اور اپنے فن کا مظاہرہ کرتے۔ کئی دنوں تک چلنے والی اسی قسم کی ایک تقریب کا ذکر کرتے ہوئے ایچ جی فارمر نے اس عہد کے بہت سے ماہرین موسیقی وغناء کے نام شمار کیے ہیں۔ فارمر کے مطابق یہ واقعہ ولید اول کے دور کا ہے، جو مدینہ کی مشہور مغنیہ جمیلہ کے سفر مکہ سے متعلق ہے۔اس سفر میں جمیلہ کے ساتھ مدینہ کے تمام اہم موسیقار اور شاعر موجود تھے، نیز پچاس مغنیہ لڑکیاں بھی ہم رکاب تھیں اور مدینہ واپسی پر تین دنوں تک موسیقی کی محفلیں چلتی رہیں۔اموی عہد میں موسیقی کی ترقی میں وقائع نگاری کی ان تالیفات نے بھی اہم کردار ادا کیا، جو اس دور کے موسیقاروں کے ذریعہ تیار کی گئیں۔اس دور کے فن موسیقی کے وقائع نگاروں میں یونس الکاتب اور ابن الکلبی کا نام شمار کیا جاتا ہے۔ خاص طور پر یونس الکاتب کی کتابوں 'کتاب النغم' اور 'کتاب القیان' نے بعد کی فن موسیقی کی ادبیات کے لیے بنیاد فراہم کی۔ یہ حقیقت ہے کہ اموی عہد کے بعد کے حکمرانوں کی مذہب سے دوری کی وجہ سے اس دور میں جاہلی دور کی موسیقی کے رجحانوں کا احیاء ہوا۔اس عہد میں دارالخلافہ کی منتقلی کی وجہ سے عربی تہذیب پر شامی اثرات مرتب ہوئے اور شمالی عرب کی یونانی سامی ثقافت نے اموی موسیقی کو نئے افکار و نظریات کی فراہمی میں معاونت کی۔اسی طرح آلات موسیقی کے استعمال میں ایرانی تہذیب کے غیر معمولی اثرات کو بخوبی محسوس کیا جاسکتا ہے۔ابن خلدون کے بقول ایرانی و بازنطینی علاقوں سے حجاز میں موسیقاروں کی مستقل منتقلی اور ان کے ذریعہ عُود، طنبور، میزاف اور مزمار کے استعمال نے عربوں کو اپنی شاعری میں ایرانی اور بازنطینی نغموں اور دھنوں کو اپنانے میں مدد کی۔

13.0.3 فن مصوری

مسلم فنون کی تاریخ میں مصوری ایک ایسا فن ہے، جس کی پسندیدگی و ناپسندیدگی اور حِلت و حرمت سے متعلق ابتدا سے ہی نظریاتی بحثیں موجود رہی ہیں۔اس فن کے حوالے سے مذہبی طبقے کی شدت پسندی اور ایک مخصوص نقطہ نظر کے مطابق اسلام میں تصویر کی حرمت یا ناپسندیدگی کے باوجود بھی مسلم حکومتوں میں ابتدا سے ہی اس کا نہ صرف رواج رہا بلکہ عہد بنوامیہ سے اسے حکومتی سرپرستی بھی حاصل رہی۔ مسلمانوں نے جب شام و عراق کے علاقوں کو فتح کیا تو انھیں وہاں پر ایک طرف یونانی و بازنطینی اور دوسری طرف ساسانی فنون کے آثار ملے۔ قدیم انسانی تہذیب و ثقافت کے ان نمونوں نے مسلم فنون پر گہرے اثرات مرتب کیے ہیں۔اموی عہد میں مدینہ سے دمشق دارالخلافہ کی منتقلی نے مسلم تہذیب و ثقافت کی ترقیاتی پیش رفت کو تقویت فراہم کی، اسی کا نتیجہ ہے کہ تہذیبی تبادلے اور اخذ و قبول کی تحریک میں مزید تیزی آئی۔ البتہ تحریم یا کراہیت کے بدولت تصویر کشی یا تصویر سازی مسلمانوں کی مذہبی زندگی کا عنصر نہیں بن سکی۔اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ قرآن مجید اور مذہبی عمارتیں جیسے کہ مسجدیں اور مقبرے تصویروں سے منزّہ رہے۔اس کے بجائے مسلمانوں نے اس نقاشی اور صنعت گری میں مہارت پیدا کی، جس کا تعلق خطاطی، اقلیدسی اشکال اور بیل بوٹوں و پھول پتیوں کے ذریعہ تزئین و آرائش کا تھا، جسے فنون کی تاریخ میں عربی طرز آرائش و زیبائش یعنی Arabesque کا نام دیا جاتا ہے۔اس قسم کی نقاشی اور تزئین کاری کے عمدہ اور ابتدائی نمونوں

کے طور پر قبۃ الصخرہ اور جامع اموی دمشق کو شمار کیا جاسکتا ہے، جن میں بیل بوٹوں، پھول پتیوں اور مشجر اشکال کے ساتھ ساتھ بڑے پیمانے پر شوخ رنگوں کا استعمال کیا گیا ہے۔ قبۃ الصخرہ کی اندرونی آرائش خاص طور پر گنبد اور اس کے گردن کی تزئین کاری ہیرے جواہرات اور مختلف قسم کے زیورات سے مرصع انگور کی بیلوں سے کی گئی ہے، جن میں ساسانی اور بازنطینی اثرات نمایاں ہیں۔ اپنی پیش کش اور بناوٹ کے اعتبار سے پودوں اور زیورات کا یہ مجموعہ کلی طور پر ایشیائی ہے، ساتھ ہی اس کی چند مشابہتیں ہندو مت اور بدھ مت کے مقدس زیورات سے بھی شمار کی جاسکتی ہیں۔ بیک وقت، وہ ہمیں ان ہاروں کی بھی یاد دلاتے ہیں، جنہیں قدیم عرب مقدس مقامات پر نذرانے کی شکل میں لٹکایا کرتے تھے۔ تاہم، یہ واضح رہے کہ قبۃ الصخرہ کی سجاوٹ میں جان دار مخلوق کی کوئی نمائندگی شامل نہیں ہے۔ مجموعی طور پر دیکھا جائے تو قبۃ الصخرہ کی آرائشی اشکال بازنطینی اور نوزائیدہ اسلامی فن کے درمیان ایک نقطہ اتصال کو ظاہر کرتی ہیں۔ جامع اموی دمشق کی دیواریں پچی کاری سے مزین تھیں، جن میں سے اب صرف چند حصے ہی باقی رہ گئے ہیں۔ مسجد پر پچی کاری کی یہ باقیات تزئین کاری کے اعتبار سے شان دار قصبوں اور محلوں کی نمائندگی کرتے ہیں، جو پھولوں، باغات اور دریاؤں سے گھرے ہوئے ہیں۔ پچی کاری کے یہ نمونے نقش و نگار اور رنگوں کے استعمال میں اپنے بنانے والوں کی مہارت تامہ کے عکاس ہیں۔ جامع اموی دمشق کی پچی کاری کے ان نمونوں کو کچھ لوگوں نے قرآنی تصور جنت کی عکاسی قرار دیا ہے اور چند نے اس سے اسلام کے مفتوحہ علاقوں اور شہروں کی طرف اشارہ کیا ہے؛ مگر ان نقوش سے ایک بات واضح ہے کہ ان کے مناظر میں کہیں بھی انسان یا حیوانی اشکال کا استعمال نہیں کیا گیا ہے بلکہ قدرتی و فطری مناظر کے ساتھ محلوں اور تاج و زیورات کی شکلیں دکھائی دیتی ہیں۔

تاریخ اسلام کے ابتدائی دور میں اموی عہد فن مصوری کی ابتدا اور ترقی کے لیے اہم شمار کیا جاتا ہے۔ مصوری کی ترقی کے حوالے سے اموی عہد اگرچہ اپنی ابتدا میں عربی طرز آرائش و زیبائش کے لیے مشہور رہا ہے، مگر بعد کے ادوار میں ایک مخصوص دائرے میں عمارتوں کی دیواروں پر جان داروں کی تصویریں بھی بنائی گئیں۔ مسلم مصوری کے اولین شبیہ سازی کے جداری نمونے اموی عہد کے ان چھوٹے چھوٹے صحرائی قلعوں یا محلوں سے متعلق ہیں، جنھیں اموی حکمرانوں نے تعمیر کیے تھے۔ ان میں سے دو یعنی قُصَیر عَمرہ اور خِربۃ المفجر کی آرائش نہایت عمدہ انداز میں کی گئی ہے۔ قُصَیر عمرہ، جس کی دریافت 1908 میں چیک باشندے Alois Musil نے کی تھی، کی آرائش دوسرے محلوں کی بہ نسبت کامل تر اور پر کشش ہے۔ اس محل میں استر کاری پر آبی رنگوں سے تمام کمروں، بڑے دالان اور حمام میں تصویریں بنائی گئی ہیں۔ فنی اعتبار سے یہ تصاویر بہت عمدہ ہیں، جہاں تک رنگوں کے تنوع کا تعلق ہے، ان میں سیاہ اور سفید کے علاوہ نیلے، بھورے، سرخ، زرد اور کہیں کہیں سبز رنگ کا استعمال بھی کیا گیا ہے۔ ان تصاویر کے موضوعات میں درباری، جنگی، شکار، غسل، جسمانی ورزش اور مختلف فنون و دست کاریوں کے مناظر شامل ہیں۔ بعض تصویریں رمزی نوعیت کی ہیں، مثال کے طور پر حیات انسانی کے مختلف مراحل کے علاوہ، تاریخ، فلسفہ اور اشعار کو انسانی پیکر میں پیش کیا گیا ہے۔ تزئینی اعتبار سے زیادہ گراں قدر اور پر کشش طاقچوں میں بنے ہوئے وہ نسائی پیکر ہیں، جن کی چوکھٹ پر پھولوں کے ہار سے آرائش کی گئی ہے یا وہ تصاویر ہیں، جن میں انسانوں اور جانوروں کو صف بہ صف دکھایا گیا ہے۔ اس آرائشی کام کا قدیم نمونوں سے گہرا تعلق نظر آتا ہے، مثال کے طور پر ظروف سے نکلی ہوئی پٹیوں میں انسانی صورتیں،

انگور کی بیلوں کے نقش و نگار، شاہ دانہ اور کھجور کے درخت اوران کے ساتھ انگور کے خوشے، نیز کناروں پر صحرائی پرند بنائے گئے ہیں۔ یہ تصاویر موضوع اور ہیئت دونوں کے اعتبار سے شام کے یونانی اسالیب کا پتہ دیتی ہیں۔البتہ ان کی بعض خصوصیات، جیسے عورتوں کی جسمانی ساخت مشرق وسطیٰ کے قدیم کے نوع سے ملتی جلتی ہے؛شکار کے مناظر کو دیکھ کر ساسانی فنون کی یادتازہ ہوجاتی ہے؛بقیہ خصوصیات، جیسے پس منظر وغیرہ کا تعلق بازنطینی طرز سے قائم کیا جاسکتا ہے۔

خِربَة المَفجر دوسرا اموی صحرائی قلعہ یا قصر ہے، جس میں تصاویر موجود ہیں۔اس کی دریافت 1873 میں ہوئی، مگر محل سے متعلق زیادہ تر معلومات فلسطینی ماہر آثار قدیمہ Dimitri Baramkiاور برطانوی ماہر آثار قدیمہ Robert William Hamilton کی زیر نگرانی کھدائی پر مبنی ہیں۔اس محل کو عام طور پر خربۃ المفجر کے ساتھ قصر ہشام کے نام سے جانا جاتا ہے، مگر ہملٹن نے اسے خلیفہ ہشام کے جانشین ولید دوم سے منسوب کیا ہے۔اس محل میں 250 سے زائد تصاویر کے ٹکڑے منظر عام پر آئے ہیں۔ان تصاویر میں عمومی طور پر رومی طریقہ کار پر عمل کرتے ہوئے نقاشی کی گئی ہے۔بیشتر نقش و نگار لوزی شکل کے بنائے گئے ہیں اور لوز کے اندر کسی رسمی وضع کے پھول کا نمونہ بنادیا دیا گیا ہے۔اسی قسم کے نمونے قبۃ الصخرہ نیز ساسانی پارچات اور دھات کے برتنوں پر بھی ملتے ہیں۔ان تصاویر میں ایک دوسرے سے جڑے ہوئے حلقے بھی بنائے گئے ہیں اور حلقے کے اندر کسی اساطیری حیوان کی شکل کندہ کی گئی ہے۔ نقش گلاب کو بڑی کثرت سے استعمال میں لایا گیا ہے، جو رومی دنیا کی ایک پسندیدہ شکل تھی۔یہی حال شاخ و برگ والی انگور کی بیلوں کا ہے۔ محل کے سامنے کے چھوٹے صحنوں اور بعض کمروں میں ستون دار عمارتوں کو مصوری سے آراستہ کیا گیا ہے۔اس محل کی اہم ترین تصاویر وہ شمار کی جاتی ہیں، جن میں مختلف جانداروں کی شبیہ کاری کی گئی ہے، مگر بدقسمتی سے امتداد زمانہ نے ان کی شکل بری طرح بگاڑ دی ہے۔ان شبیہوں کو قدیم معیاری روایت کا حامل قرار دیا جاتا ہے۔ تصویروں کے باقی ماندہ ٹکڑوں کے تنوع کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ یہ منقش دیوار کی سطح کے بڑے حصے پر پھیلی رہی ہوں گی۔اکثر تصاویر میں لوگوں کو مختلف مشاغل میں مصروف دکھایا گیا ہے۔ محل کی بہ نسبت حمام کی تصاویر میں زیادہ توازن، جدّت اور وحدت ہے۔ان میں قدیم یونانی، رومی، ایرانی، بازنطینی حتی کہ مشرق بعید کے اثرات بھی کارفرما نظر آتے ہیں۔

ان کے علاوہ اموی عہد کی مصوری کے نمونے 'قصر الحَیر الغربی' اور 'قصر المشتی' میں بھی ملے ہیں۔ 'قصر الحَیر الغربی' سے دستیاب ہونے والے مصوری کے نمونے کا موضوع شکار اور فنون کی پیشکش ہے۔ تصویر کے اوپری حصے میں مستطیل نباتی آرائش کے درمیان دو درباری موسیقاروں کو مزید آرائشی محرابوں کے اندر کھڑے ہو کر آلات موسیقی کے ذریعہ اپنے فن کا مظاہرہ کرتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔ان موسیقاروں میں سے ایک نَے اور دوسرا عُود بجا رہا ہے۔ تصویر کے نچلے حصے میں ساسانی طرز کا لباس زیب تن کیے ہوئے گھوڑے پر سوار ایک شکاری کو دکھایا گیا ہے، جس نے گھوڑے کو دوڑاتے ہوئے تیر چلانے کے لیے اپنی کمان کھینچ رکھی ہے اور اس کی پگڑی کا کپڑا اس کے سر کے پیچھے ہوا میں لہرا رہا ہے۔ یہ اور اس جیسی دوسری تصاویر سے بازنطینی اور ایرانی اثرات کا اندازہ ہوتا ہے، خاص طور پر ایک دوسری تصویر، جس میں معروضی انداز میں انسانی اشکال کو پیش کیا گیا ہے، مکمل طور سے یونانی و رومی خاکوں سے ماخوذ ہے۔

13.0.4 صنعتی وچند متفرق فنون

مسلم تاریخ میں فنی ترقیات کے اعتبار سے اموی عہد جہاں ایک طرف خطاطی، موسیقی اور مصوری کے لیے اہم رہا ہے، وہیں دوسری طرف یہ عہد مختلف قسم کے دوسرے فنون، خاص طور پر وہ فنون، جن کا تعلق صنعت و حرفت سے ہے، کے لیے بھی شہرت رکھتا ہے۔ مسلم تاریخ میں اموی حکمرانوں نے اپنی معاشی ترقیات کے پیش نظر بہت سے فنون کی سرپرستی کی اور انھیں پروان چڑھایا۔ اگلی سطروں میں اموی عہد میں فروغ پانے والے صنعتی وچند متفرق فنون کا تذکرہ کیا جائے گا۔

فن پارچہ بافی: پارچہ بافی یعنی کپڑا بننے کا فن، یہ ایک ایسا فن ہے، جو انسان کی بنیادی ضرورت سے تعلق رکھتا ہے۔ اس وجہ سے اس فن کو ہر عہد میں فروغ ملتا رہا۔ اموی عہد مسلم تاریخ میں فن پارچہ بافی کا بھی ابتدائی دور شمار کیا جاتا ہے۔ اس عہد میں پارچہ بافی نے درباری و آرائشی فنون دونوں میں اہم کردار ادا کیا، جو اس عہد کی تہذیبی و ثقافتی ترقی کا آئینہ دار ہے۔ اموی عہد میں پارچہ بافی کے نمونے انسانی ملبوسات کے ساتھ ساتھ محلوں اور رہائشی مکانات کو سجانے کے لیے بھی استعمال ہوتے تھے۔ یہ کپڑے مختلف قسم کے ہوتے، جن میں سوتی، اونی جیسے عمومی ملبوسات کے علاوہ ریشمی اور اطلس و کم خواب جیسے قیمتی و پر تعیش کپڑے بھی شامل تھے۔ اموی حکمراں طبقے نے اپنے آپ کو پہلے کے مسلم حکمرانوں سے ممتاز کرتے ہوئے ریشم اور اطلس و کم خواب جیسے پر تعیش لباس کو اپنایا۔ یہ عمل بازنطینی اور ساسانی درباروں سے ماخوذ تھا، ساتھ ہی کچھ اموی حکمرانوں نے بھی فارسی طرز کے کوٹ پہننے شروع کر دیے تھے۔

اموی درباری فنون میں پارچہ بافی نمایاں حیثیت رکھتی تھی۔ ان پارچہ بافی کے آرائشی نمونوں کو اکثر پتھروں کی کندہ کاری، آبی رنگوں کی نقاشی اور کاشی کاری کے ذریعہ منقش کیا جاتا تھا۔ فن تعمیر کے اندر پارچہ بافی کی اس بصری نمائندگی نے اسے نہ صرف مادّی حقیقت سے ماوراء کر دیا تھا بلکہ اس وقت کے فن کارانہ اظہار میں پارچہ بافی کی اہمیت کو بھی اجاگر کر دیا تھا۔ اموی حکومت کے تجارتی تعلقات بہت وسیع تھے۔ شاہراہ ریشم کے ذریعہ تجارت ہوتی، جس نے چین، ایران، ماوراءالنہر اور دیگر خطوں کے درمیان کپڑوں اور دیگر اشیاء کے تبادلے میں سہولت فراہم کی۔ اموی عہد میں ان تجارتی درآمدات نے مختلف فنون کے آرائشی نقوش کو متاثر کیا، جیسا کہ اس عہد کے آرائشی نمونوں میں سی مرغ کی موجودگی میں دیکھا جاسکتا ہے۔ یہ ایک افسانوی مخلوق ہے، جو عام طور پر ایرانی سطح مرتفع اور ساسانی فن سے وابستہ ہے۔ اموی عہد میں طراز اور دیباج نامی قیمتی اور منقش پارچات بھی تیار کیے جاتے تھے۔ طراز بنیادی طور پر ریشم سے تیار ہوتا تھا، جس میں سونے اور چاندی کے تاروں کی بھی بنائی کی جاتی۔ طراز نامی ان کپڑوں کو اکثر بطور تحفہ یا اعزاز مختلف افراد کو پیش کیا جاتا تھا اور اس کی مذہبی اہمیت بھی تھی۔ یہ پارچہ بافی کے نمونے بعض اوقات تجہیز و تکفین میں بھی استعمال ہوتے تھے، کیوں کہ یہ مانا جاتا تھا کہ ان تحریروں سے برکت ہوتی ہے۔

فن فلزکاری: انسانی زندگی میں فلزات یعنی دھاتوں کا استعمال عہد قدیم سے ہی نظر آتا ہے اور ان سے مختلف قسم کے سامان تیار کیے جاتے تھے۔ فنی اعتبار سے اموی عہد میں فلزات کا اہم استعمال ظروف سازی میں نظر آتا ہے، جن سے عام طور پر سینیاں، رکابیاں، صراحیاں اور آب خورے بنائے جاتے۔ مختلف فلزات سے بنی ہوئی اس عہد کی اشیاء دنیا کے مختلف عجائب خانوں میں محفوظ ہیں، جو اس عہد کی فنی ترقیات کا ثبوت ہیں۔ اموی عہد کی فلزکاری کے مختلف نمونوں میں ان اشیاء کو خاص اہمیت حاصل ہے، جو آخری اموی خلیفہ مروان ثانی

کے مقبرے کے کھنڈر سے دستیاب ہوئی ہیں۔ فنی اعتبار سے تین دوسرے ظروف کے ساتھ دستیاب ہونے والی ایک صراحی خاص اہمیت کی حامل ہے۔ اس صراحی کا خاکہ مدور شکل کا ہے، گردن لمبی اور مستطیل ہے اور ٹوٹی پرندوں کے شکل کی ہے۔ ان ظروف کے تعلق سے یہ اندازہ لگایا جاتا ہے کہ ان کا تعلق مروان ثانی کے خزانے سے تھا، اس لیے ان کی تاریخ آٹھویں صدی عیسوی معین کی جاسکتی ہے۔ ان ظروف پر کندہ کاری کے ذریعہ محرابوں کے اندر جانوروں کی شکلیں اور کھجور کے ابھرواں بیل بوٹے بنائے گئے ہیں۔ اس کی ٹوٹی بانگ دیتے ہوئے مرغ کے چونچ کی مانند ہے، جسے ساسانی فن کی بہترین روایات کے مطابق نہایت خوش اسلوبی سے بنایا گیا ہے۔ اسی طرح اموی فلزکاری کی ترقیات کا اندازہ 1985 میں الفُدین، عمان میں پہیوں پر ایک مربع کانسے کی انگیٹھی کی دریافت سے لگایا جاسکتا ہے، جس کے ہر کونے پر ایک لڑکی ایک پرندہ ہاتھ میں لیے کھڑی ہے۔ یہ نمونہ 'خربۃ المفجر' کے مجسموں سے قریبی تعلق رکھتا ہے۔

فن کوزہ گری وسفال گری: اموی عہد کی کوزہ گری اپنی ابتدا اور خصوصیات کے اعتبار سے بحیرہ روم اور مشرق وسطیٰ کے اثرات کا نتیجہ شمار کی جاتی ہے۔ اس عہد کے مٹی کے برتنوں میں یونانی اور رومی قدرتی آرائشی نقوش کے ساتھ قدیم بابلی اور آشوری تہذیبوں کے روایتی اور بار بار دہرائے جانے والے طرز کی تراکیب نظر آتی ہیں۔ اگرچہ، کوزہ گری میں بعد کے عہد تک مخصوص اسلامی طرز مستحکم نہیں ہوئے تھے، مگر اس عہد کے کوزہ گروں نے رنگین مائع مٹی اور مختلف قسم کی روغنی تکنیک کا استعمال جاری رکھا۔ انھوں نے اپنے ظروف کی آرائش کے لیے بنیادی طور پر مختلف رنگوں کا استعمال کیا، جن میں اقلیدسی ونباتی اشکال شامل ہوتے اور بعض اوقات حیوانی وانسانی اجسام کے ذریعہ بھی تزئین کاری کی جاتی۔ اموی عہد مٹی کے برتنوں پر چمک دار روغنوں کے استعمال کے لیے مشہور ہے۔ یہ ایک ایسی تکنیک تھی، جس میں فلزاتی شکل پیدا کرنے کے لیے ظروف کی بیرونی سطح پر مختلف نمونوں کی طرز کے نقش ونگار بنائے جاتے اور پھر اسے آگ میں پکایا جاتا تھا، جسے اموی سفال گری کا نمونہ قرار دیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ اموی مٹی کے برتنوں میں عام طور پر سیسہ کی قلعی بھی کی جاتی، یہ تکنیک یونانی و رومی کمہاروں سے ماخوذ تھی۔

اموی مٹی کے برتنوں کی خصوصیات میں مختلف اسالیب کا امتزاج اور ظروف کی روغن کاری کو شمار کیا جاتا ہے۔ اموی کوزہ گروں نے قدیم بابلی وآشوری روایات اور یونانی ورومی فنون سے تحریک حاصل کی۔ سیسہ کے استعمال سے برتنوں کو چمک دار بنایا، جو یونانی اور رومی کوزہ گری کی ایک عمومی روایت تھی، اموی کوزہ گری میں بھی باقی رہی۔ اس عہد کی کوزہ گری میں ظروف کی مختلف شکلیں مروج تھیں، جیسے چوڑے اور اونچے یا چپٹے کناروں والی طشتریاں، مدوّر کناروں والی پیالیاں اور نمایاں و مخصوص دستوں والے بڑے ظروف ومرتبان۔ اموی کوزہ گری میں ظروف کی آرائش کے لیے مختلف طرز استعمال ہوتے تھے، جن میں مختلف قسم کے الوان، خطاطی، اقلیدسی ونباتی اشکال کے ساتھ ساتھ حیوانی وانسانی نمونے شامل ہیں۔ انھوں نے کوزہ گری میں نئے آرائشی تکنیک اور اشکال متعارف کرائے، جو ان کے برتنوں کو دوسرے ادوار سے منفرد بناتے ہیں۔

فن سنگ تراشی، گچ کاری وپچی کاری: مسلم تاریخ میں اموی عہد کو فن سنگ تراشی، گچ کاری اور پچی کاری کا نقطہ آغاز تصور کیا جاسکتا ہے۔ اموی عہد کی سنگ تراشی، گچ کاری اور پچی کاری کے نمونے اس عہد میں تعمیر ہونے والی مساجد، محلوں اور مختلف قسم کی عمارتوں

میں دیکھے جا سکتے ہیں۔ان فنون کے ابتدائی نمونے قبۃ الصخرہ اور جامع اموی دمشق ہیں۔اموی عہد کی تمام تعمیرات فن سنگ تراشی کا اعلیٰ نمونہ شمار کی جاتی ہیں۔اموی عہد کی گچ کاری کے نمونے اس عہد میں تعمیر ہونے والے صحرائی قلعوں اور محلوں میں نظر آتے ہیں، جن میں قصر الحیر الغربی، قصر الحیر الشرقی، قُصَیر عَمرہ، خربۃ المفجر کا نام شامل ہے۔ پچی کاری جسے کاشی کاری کا بھی نام دیا جاتا ہے،اس کا پہلا اور اہم استعمال قبۃ الصخرہ کی اندرونی و بیرونی دیواروں کی تزئین کے لیے کیا گیا، جس میں زیورات جڑے ہوئے پودوں،درختوں اور ساغر و پیالوں کے ذریعے آرائشی کام کیے گئے تھے۔اسی طرح جامع اموی دمشق کی اندرونی تزئین میں بھی کاشی کاری کا غیر معمولی استعمال نظر آتا ہے، جس میں مسجد کی دیواروں پر کاشی کاری کے ذریعے دریا کے کنارے باغات کے درمیان خوب صورت محلوں اور مکانات کا لامتناہی منظر پیش کیا گیا ہے۔اس عہد کے عمارتی آثار میں قصر المشتی کا نام قابل ذکر ہے، جو اموی خلفاء کا سرمائی قیام گاہ تھا۔یہ قصر دریائے اردن کے پار بادیہ الشام میں واقع ہے۔ پتھروں سے بنے ہوئے اس محل میں اعلیٰ درجے کی کندہ کاری کی گئی ہے۔اس کے دروازے کے تکونوں میں حیوانوں،پرندوں اور انسانوں کی شکلیں انگور کی بیلوں کے درمیان کندہ ہیں۔عہد بنی امیہ کے دوسرے آثار جن کی آرائش سنگ تراشی کے ذریعہ کی گئی ہے، خربۃ المفجر، قصر طوبیٰ اور رباط عمان ہیں۔

فن مجسمہ سازی: ابتدائی اموی فنون کی تاریخ میں اگرچہ حیوانی و انسانی اشکال کی شمولیت نظر نہیں آتی، مگر اموی عہد زیادہ دنوں تک اس سے بے پروا نہیں رہ سکا اور بعد کے ادوار میں نہ صرف جداری مصوری میں ان اشکال کا ظہور نظر آتا ہے بلکہ مجسمہ سازی بحیثیت فن فروغ پاتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔اموی مجسمہ سازی کے یہ نمونے عام طور پر گچ کاری کے ذریعہ تیار ہوتے، جو اپنی علاحدہ شناخت کے بجائے عمارتوں کی آرائش کا حصہ ہوتے تھے۔ مجسمہ سازی کے زیادہ تر نمونے اس عہد کے صحرائی قلعوں اور قصور میں نظر آتے ہیں، جن کی اہم مثالیں قصر الحیر الغربی، قُصَیر عَمرہ، اور خربۃ المفجر ہیں۔ان قصور میں گچ کاری کے ذریعہ انسانی و حیوانی اجسام کو تیار کیا گیا تھا، جن کے چند نمونے دمشق کے عجائب خانے میں آج بھی موجود ہیں۔اسی طرح مجسمہ سازی کے چند نمونے اس عہد کی فلزات سازی میں بھی دکھائی دیتے ہیں، جن میں انسانی و حیوانی اجسام کو مختلف دھاتوں کے ذریعہ بنایا گیا ہے۔اموی مجسمہ سازی کے ان نمونوں میں مشرقی اور مغربی دونوں روایات کا استعمال نظر آتا ہے۔

لکڑی کا فن: اموی عہد میں لکڑی کا فن بھی فروغ پذیر رہا، اس دور میں لکڑی کا استعمال آرائشی فنون اور تعمیراتی عناصر کے طور پر ہوتا تھا۔عام طور پر لکڑیوں سے عمارتوں کی چھتیں، دروازے، کھڑکیاں اور مسجدوں کے منبر بنائے جاتے۔ چوبی کندہ کاری کے یونانی اور ساسانی اسالیب کے امتزاج سے تاریخ اسلام کے اوائل میں ایک نیا اسلوب پیدا ہوا۔اس اسلوب کے آغاز اور ابتدائی ترقی کے اعتبار سے اموی عہد بہت اہم رہا ہے۔ کندہ کاری کی تکنیک، جس میں لکڑی کے ٹھوس ٹکڑوں کو بغیر گوند یا کیل کے آپس میں جوڑنا شامل ہے،اموی دست کاری کی ایک قابل ذکر مثال ہے،اس عہد میں تعمیر ہونے والی عمارتیں بالخصوص مسجدیں اموی چوبی کندہ کاری کا اہم نمونہ ہیں، جس کی ایک مثال حلب کی مسجد کا منبر ہے۔ اموی عہد میں لکڑی کے ٹکڑوں پر مختلف قسم کے آرائشی نقوش کے لیے دیگر تکنیک بھی پروان چڑھیں۔اموی کاری گروں نے صنوبر اور اس جیسی مختلف لکڑیوں کا استعمال کیا۔انہوں نے پیچیدہ سجاوٹ کے لیے نفیس اور جدید ترین

تکنیک ایجاد کیں، جن کے ذریعہ قیمتی لکڑیوں جیسے آبنوس میں موتیوں، دوسرے قیمتی پتھروں یا ہاتھی دانت کا جڑاؤ کام کیا جاتا تھا۔ اموی عہد کے لکڑی کے کاموں میں اکثر اقلیدسی اور نباتی اشکال نمایاں ہوتے، جنھیں عام طور پر دروازوں، کھڑکیوں اور منبروں پر بنایا جاتا۔ اموی عہد میں لکڑی کے فن کا بنیادی استعمال فن تعمیر میں نظر آتا ہے، خاص طور پر مسجدوں اور محلوں کی تعمیر میں۔ قبۃ الصخرہ کا گنبد جو بنیادی طور سے لکڑی کی تعمیر ہے اور جامع اموی دمشق کے عظیم ڈھانچے اس عہد کی لکڑی کے فن کی عمدہ مثال ہیں۔ اسی طرح حلب کی اموی مسجد کا منبر کندہ کاری تکنیک کی ایک بہترین مثال ہے، جس میں متعدد لکڑی کے ٹکڑے پر پیچ انداز میں ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں۔ قبۃ الصخرہ، جامع اموی دمشق اور مسجد اقصیٰ میں لکڑی کے چوبی تختوں میں شوکتہ الیہود اور انگور کی بیلوں و پتیوں سے بہت ہی عمدہ آرائش کی گئی ہے۔ اقلیدسی اور نباتی اشکال سے مزین لکڑی کے تختے، جو اکثر محلوں اور مساجد میں پائے جاتے ہیں، اموی دست کاروں کے آرائشی ذوق اور فن کارانہ مہارت کا اظہار ہیں۔ مذکورہ بالا شواہد کی بنیاد پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ اموی لکڑی کے فن نے نہ صرف اسلامی فن دست کاری کی بنیاد ڈالی اور اسے فروغ دیا بلکہ لکڑی کے فن میں پیچیدہ اقلیدسی نمونوں کی ترقی اور خطاطی کے استعمال کے حوالے سے بعد کے ادوار کے فنون پر اپنے گہرے نقوش بھی ثبت کیے۔

شیشے اور بلور کا فن: اموی عہد شیشہ گری اور بلور سازی میں فنکاری اور کاشی کاری کی صورت میں تعمیراتی استعمال کے لیے مشہور ہے۔ اموی عہد میں شیشے کے کچھ نمونے بازنطینی علاقوں سے درآمد کیے جاتے، جب کہ کچھ نمونے اور طرز علاقائی سطح پر فروغ پا چکے تھے، جن کی وجہ سے اس دور میں فن شیشہ سازی کا ایک منفرد انداز پروان چڑھا۔ جامع اموی دمشق اور چند محلوں میں موجود بازنطینی شیشہ سازی کے نمونے اموی خلافت اور بازنطینی سلطنت کے درمیان تجارتی اور ثقافتی تعلقات کو بیان کرتے ہیں۔ اسی طرح شام اور مصر کے کارخانوں میں مقامی فن کار قدیم روایات پر عمل کرتے ہوئے قدیم علاقائی اعلیٰ قسم کے مسالوں جیسے کہ ریت اور پودوں کی راکھ سے شیشے اور بلوری ظروف بناتے تھے۔ جامع اموی دمشق شیشے کے ذریعہ کاشی کاری کرنے والے ماہرین کی فن کارانہ صلاحیتوں کی شاہد ہے۔ اموی عہد فن شیشہ سازی میں ایک اختراعی عہد شمار کیا جاتا ہے، جہاں قدیم روایات کے ساتھ ساتھ جدید طرز بھی اپنائے گئے۔ مسلم تاریخ کے ابتدائی ظروف میں صراحیاں، گل دان اور پیالے شامل ہیں، جنھیں گھریلو ضروریات کے تحت تیار کیا جاتا تھا۔ ابتدائی عہد کے شیشے کے یہ ظروف نقش و نگار سے خالی ہوتے تھے اور عمومی طور پر ان پر کوفی عبارتیں کندہ ہوتی تھیں۔

فن سکّہ سازی: اموی فنون کے نمایاں اظہار کا ایک بہت ہی اہم ذریعہ فن سکّہ سازی ہے، جو اپنے اندر بہت سے فن کارانہ رجحانات سموئے ہوئے ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اموی سکے نہ صرف اپنے پیش رو ادوار کے آئینہ دار ہیں بلکہ فنون سے متعلق اپنے سرپرستوں کے عزم و حوصلے اور ان کی سنجیدگی کو بھی ظاہر کرتے ہیں۔ فنی اعتبار سے اموی سکّوں میں ارتقائی رجحان واضح طور پر نظر آتا ہے، جس نے اخذ و استفادے سے آگے بڑھ کر فنی پیش کش کے لیے راہ ہموار کی اور نتیجے کے طور پر فن سکہ سازی کا ایک خالص اسلامی فن ظاہر ہوا۔ مسلم حکومتوں میں خلیفہ عبدالملک بن مروان کے عہد تک بازنطینی اور ساسانی سکے استعمال ہوتے رہے۔ خلافت بنوامیہ میں سکہ سازی کی ابتدا عبدالملک بن مروان کے عہد میں ہوئی۔ خلیفہ عبدالملک بن مروان کے حکم سے حجاج بن یوسف نے سرکاری ٹکسال قائم کیے۔ اموی عہد

کے یہ ابتدائی ٹکسال دمشق اور واسط میں قائم ہوئے۔ عبدالملک نے سکوں کا وہی وزن باقی رکھا، جو خلافت راشدہ میں قائم ہو چکے تھے۔ اس عہد کے درہم ودینار کی شکل مدور تھی، جن پر کلمات حمد وصلاۃ ہوتے۔ اسی عہد میں بازنطینی اور ساسانی سکے متروک قرار دیے گئے اور پوری مملکت میں فرمان جاری ہوا کہ سرکاری ٹکسال کے سکوں سے لین دین کی جائے۔ یزید بن عبدالملک کے عہد میں عراق کے والی عمر بن ہبیرہ نے سکوں کے لیے خالص چاندی استعمال کرنے کا اہتمام کیا، عمدہ اور نفیس درہم ضرب کرائے اور مبادلے کے سخت احکام نافذ کیے۔ ہشام بن عبدالملک کے عہد میں والی عراق خالد القسری نے فن سکہ سازی میں مزید اصلاحات کیں اور سکہ سازی کو نہایت منظم و مستحکم کر دیا۔ اس کے بعد والی عراق یوسف بن عمر نے سکہ ڈھالنے والوں اور صرافوں پر سختی کی، انھیں سخت قسم کی سزائیں دیں۔ یہی وجہ ہے کہ عہد بنی امیہ کے بہترین سکے ہبری، خالدی اور یوسفی سمجھے جاتے تھے۔ ان سکوں پر کسی خلیفہ یا حکمراں کا نام نہیں ہوتا تھا بلکہ کوفی رسم الخط میں تاریخ ضرب رقم کی جاتی تھی۔ اسی تحریر کی روشنی میں ضرب کرنے والے خلیفہ کا نام تعین کیا جاتا تھا۔ یہ سکے دمشق، واسط، بصرہ، مرو، کرمان، اسکندریہ اور قیروان میں ڈھالے جاتے تھے۔

مذکورہ بالا تحریر کے تناظر میں اموی فنون کے آغاز وارتقاء اور ان کی فطری نوعیت کے تعلق سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ ان کے اندر مستقل طور پر تین خصوصیات موجود تھیں۔ (1) انتخاب و تطہیر (2) تجرباتی واختراعاتی کاوش (3) تشہیر وتوسیع۔ یہ صرف اموی فنون کی خصوصیات نہیں ہیں بلکہ اس کی شناخت بھی شمار کی جاتی ہیں۔ یہ اموی فن کا کمال تھا کہ اس نے کلاسیکی روایت کو اسلامی فن میں ضم کیا اور جس نے مسجدوں اور محلوں کی چند ایسی بنیادی قسمیں وضع کیں، جنھیں بعد کے ادوار میں مستقل دہرایا گیا۔ ساتھ ہی اقلیدسی، مشجر اور کتابتی تزئین کاری کا ایک آرائشی نمونہ رائج کیا، جسے اسلامی یا عربی فن آرائش وزیبائش کا نام دیا گیا اور آخر کار یہ ثابت کیا کہ مختلف قسم کے عناصر واجزائے ترکیبی سے ایک منفرد طرز کی بنیاد ڈالی جا سکتی ہے۔

13.1 فرہنگ

فن خطاطی : لکھنے اور کتابت کا فن فن پارچہ بافی : کپڑا بننے کا فن

فن کوزہ گری : مٹی کے برتن بنانے کا فن کندہ کاری : پتھروں پر کھدائی کر کچھ لکھنا یا نقش ونگار بنانا

گچ کاری: دیواروں، چھتوں یا فرش پر چونے، سیمنٹ، یا جپسم (گچ) کا پلستر کرنا۔ سفیدی اور ریت کے آمیزے سے دیواروں کو ہموار، مضبوط اور خوبصورت بنایا جاتا ہے۔

پچی کاری: (Mosaic/Inlay work) شیشے، روغنی مٹی، یا قیمتی پتھروں کے چھوٹے چھوٹے رنگ برنگے ٹکڑوں کو جوڑ کر دیواروں، فرشوں یا دیگر اشیاء پر نقش ونگار، تصاویر یا بیل بوٹے بنائے جاتے ہیں۔

13.3 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے درج ذیل نکات سیکھے:

- فنون لطیفہ کے شعبے میں اموی حکمرانوں نے بہت ہی اہم اور یادگار نمونے چھوڑے ہیں۔اس عہد میں تیار ہونے والے فنون لطیفہ کے نمونے یعنی فن خطاطی، موسیقی، مصوری اور صنعتی فنون اپنی منصوبہ سازی اور فنی تفصیلات و جزئیات کے اعتبار سے دل کش، اور جامع تھیں،اسی لیے ان کے اثرات دیرپا ثابت ہوئے۔
- اموی فنون لطیفہ کے بنیادی اجزاء بازنطینی اور ساسانی تہذیبوں سے اخذ کیے گئے تھے اور اسے اسلامی فکر کا جامہ عطا کیا گیا تھا۔اموی حکمرانوں نے ان تمام اجزاء سے ایک ایسا مرکب تیار کیا، جو بعد میں مسلم یا عرب فنون لطیفہ کے نام سے جانا گیا۔اس فنون لطیفہ میں مختلف علاقائی نمونوں کے ساتھ ساتھ فکر اسلامی کی وحدت بھی شامل تھی اور اسی فکر نے ان تمام اجزاء کو خالص بنا کر ایک لڑی میں پرو دیا تھا۔
- اموی عہد کے حکمرانوں نے فنون لطیفہ کے فروغ میں بڑے پیمانے پر حصہ لیا۔ان کی اس دلچسپی کے نتیجے میں اسلامی فنون لطیفہ کی نہ صرف بنیاد پڑی، بلکہ انہوں نے اپنے دیرپا اثرات بھی مرتب کیے، جن کی مثالیں ہمیں دنیا کے مختلف علاقوں میں ملتی ہیں، خاص طور پر مختلف میوزیم میں محفوظ یہ فنی نمونے اپنے فن کاروں کی صناعی کا آئینہ دار ہیں۔
- فنون لطیفہ کے فروغ کے حوالے سے عبدالملک، ولید اول، سلیمان، ہشام، یزید دوم اور ولید دوم کے عہد کو خصوصیت کے ساتھ یاد کیا جاتا ہے، کیوں کہ اموی عہد کے زیادہ تر فنی نمونے اور یادگاریں انہی ادوار سے متعلق ہیں۔

13.4 نمونہ امتحانی سوالات

13.5.1 معروضی جوابات کے متقاضی سوالات

1. عربی خطاطی کے کس خط کو سب سے پہلے ترقی ملی؟

(a).خط دیوانی (b).خط ثلث (c).خط نسخ (d).خط کوفی

2. خلافت بنوامیہ میں عربی زبان اور خط کی سب سے اہم اور مثالی خدمت کس نے انجام دی؟

(a).امیر معاویہؓ (b)عبدالملک (c).ولید (d).عمر بن عبدالعزیز

3. اموی عہد کا پہلا اہم موسیقار کون ہے؟

(a).ابن مسجَح (b).ابن سُرَیج (c).ابن مُحرِز (d).الغریذ

4. اموی عہد میں عربی موسیقی کے لیے سب سے پہلے فارسی عود کا استعمال کس موسیقار نے کیا؟

(a).ابن مُحرِز (b).ابن مسجَح (c).ابن سُرَیج (d).الغریذ

5. عربی طرز آرائش وزیبائش کا ابتدائی استعمال کہاں ہوا؟

(a). خربۃ المفجر (b). قصیر عمرہ (c). جامع دمشق (d). قبۃ الصخرہ

6. خربۃ المفجر کا دوسرا نام کیا ہے؟

(a). قصر ہشام (b). قصر مروان (c). قصر امیہ (d). قصر عمر

7. اموی عہد کے مٹی کے برتنوں کی قلعی کے لیے عام طور پر کس چیز کا استعمال کیا جاتا تھا؟

(a). سیسہ (b). سرخ رنگ (c). چاندی (d). پیتل

8. اموی عہد میں مجسمہ سازی کے نمونے عام طور پر کس چیز سے تیار کیے جاتے تھے؟

(a). لکڑی (b). سرخ پتھر (c). سنگ مرمر (d). گچ کاری

9. ابتدائی طور پر قبۃ الصخرہ کا گنبد کس چیز سے بنایا گیا؟

(a). سنگ مرمر (b). لوہا (c). لکڑی (d). سرخ پتھر

10. اموی عہد میں عربی سکے سب سے پہلے کس خلیفہ کے عہد میں ڈھالے گئے؟

(a). امیر معاویہؓ (b). عبدالملک (c). ولید (d). سلیمان

13.4.1 مختصر جوابات کے متقاضی سوالات

1. محلوں میں فن مصوری کے حوالے سے اموی عہد کی خدمات کو بیان کیجیے۔
2. اموی عہد کی فن موسیقی کی خصوصیات کی وضاحت کیجیے۔
3. اموی حکمرانوں نے فن پارچہ بافی کے فروغ کے لیے کیا کوششیں کیں؟ وضاحت کیجیے۔
4. فن کوزہ گری میں اموی عہد کے کارناموں کو تحریر کیجیے۔
5. فن سکہ سازی میں اموی حکمرانوں کے کردار کی وضاحت کیجیے۔

13.4.2 طویل جوابات کے متقاضی سوالات

1. مسلم تاریخ میں فن خطاطی کی ترقی اور اس کے استعمال کے اعتبار سے اموی عہد کی اہمیت کو اجاگر کیجیے۔
2. اموی عہد میں فن موسیقی کے فروغ کی وضاحت کیجیے۔
3. 'اموی عہد مسلم تاریخ میں صنعتی فنون کی ابتدائی ترقیات کے لیے جانا جاتا ہے۔' وضاحت کیجیے۔

13.5 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1. اردو دائرہ معارف اسلامیہ، جلد 15، دانش گاہ پنجاب، لاہور، طبع اول، 1964ء متعلقہ ابواب
2. ارنسٹ کوہنل: اسلامی آرٹ اور فن تعمیر، اردو ترجمہ: غلام طیب، فیروز سنز پرائیویٹ لمیٹڈ، لاہور
3. سید محمد سلیم: تاریخ خط و خطاطین، مرتب: سید عزیز الرحمان، زوّار اکیڈمی پبلی کیشنز، کراچی، 2001
4. Robert Hillenbrand: Islamic Art and Architecture, Thames and Hudson Ltd, London,1999
5. Henry George Farmer: A history of Arabian Music to the 13th century, Luzac & Co., London, 1929

معروضی سوالات کے جوابات

1. B	2. A	3. A	4. B	5. B
6. A	7. A	8. D	9. C	10. B

اکائی 14: علوم کا ارتقا نقلی علوم

اکائی کے اجزا:

14.0 تمہید

14.1 مقاصد

14.2 اموی حکومت سے پہلے علم کی روایت

14.3 اموی حکومت میں اسلامی علوم کا فروغ

14.3.1 علم قرأت

14.3.2 علم تفسیر

14.3.3 حدیث

14.3.4 علم فقہ

14.3.5 سیرت وتاریخ

14.4 علمی مراکز

14.5 فرہنگ

14.6 اکتسابی نتائج

14.7 نمونہ امتحانی سوالات

14.7.1 معروضی جوابات کے متقاضی سوالات

14.7.2 مختصر جوابات کے متقاضی سوالات

14.7.3 طویل جوابات کے متقاضی سوالات

14.8 تجویز کردہ اکتسابی مواد

14.0 تمہید

اموی حکومت خلافت راشدہ کے فوراً بعد قائم ہوئی۔ اس لیے جن علوم و فنون کی بنیاد خلافت راشدہ میں رکھی گئی، اموی حکومت میں ان علوم کا مزید ارتقاء ہوا۔ اور دیگر علوم جو خلافت راشدہ میں موجود نہیں تھے، اموی دور حکومت میں ان کا آغاز ہوا، جیسے علم رجال اور علم کتابت و انشاء وغیرہ۔ ایسے بھی بہت سارے علوم تھے جو عربوں میں قدیم زمانے سے موجود تھے اور بہت سی وجوہات کی بناء پر خلافت راشدہ میں ان کی رفتار کچھ سست ہو گئی تھی، لیکن خلافت امویہ میں وہ علوم دوبارہ اپنی بلندی کو پہنچ گئے، جیسے علم شاعری اور علم خطابت۔ اس لیے مسلمانوں کی علمی تاریخ کا مطالعہ کرتے ہوئے اموی دور حکومت کا مطالعہ کرنا ناگزیر ہے۔

14.1 مقاصد

اس اکائی کا مقصد ہے کہ آپ:

- اموی حکومت کے دور میں علوم کے ارتقاء سے واقف ہو سکیں
- ہمیں زمانۂ جاہلیت سے اموی حکومت تک عرب میں پائے جانے والے علوم کا تسلسل کا جائزہ لے سکیں
- علم قرأت، علم تفسیر، علم حدیث، علم فقہ اور دیگر علوم نقلیہ کے اساطین کے بارے میں گفتگو کر سکیں
- اس دور میں مرتب کی گئیں کتب پر اظہار خیال کر سکیں

14.2 اموی حکومت سے پہلے علم کی روایت

مؤرخین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مسلمانوں کی اصلی علمی تاریخ عباسی عہد سے شروع ہوتی ہے۔ اسی زمانہ میں علوم کی کتابی تدوین ہوئی اور مسلمانوں نے دوسری قوموں کے علوم کی جانب توجہ کی، لیکن اس کا مطلب ہر گز یہ نہیں ہے کہ اموی عہد علم و فن سے دور تھا۔ سچ تو یہ ہے کہ دینی علوم کی بنیاد اس سے بھی پہلے عہد رسالت ہی میں پڑ گئی تھی اور اس کے بعد خلافت راشدہ میں بھی جاری رہی۔ پھر اموی دور میں علم و فن کی یہ امانت تابعین اور تبع تابعین میں منتقل ہوئی، جنھوں نے اس کو ساری دنیا میں پھیلا دیا۔ اس بات کو اچھی طرح سمجھنے کے لیے ہمیں زمانۂ جاہلیت سے لے کر خلفائے راشدین کے زمانے تک کی علمی حالت پر ایک نظر ڈال لینی چاہیے، تاکہ اموی دور کی علمی ترقی کا صحیح اندازہ ہو سکے۔

عرب مجموعی حیثیت سے علم و فن سے بیگانہ نہ تھے، وہ بعض فطری اور کسبی علوم سے خوب واقفیت رکھتے تھے۔ ان کا اصل فن شاعری تھا۔ دنیا کی کوئی قوم ان کی ہمسری نہیں کر سکتی تھی اور وہ اپنی زبان آوری کے مقابلے میں ساری دنیا کو اپنے سے کمتر سمجھتے تھے۔ اس دور کی شاعری تصنع، تکلف اور آورد سے پاک فطری اور سادگی کے باوجود نہایت پر جوش تھی۔ زبان خالص اور بے آمیز تھی، لیکن ان محاسن کے ساتھ وہ کسی ضابطۂ اخلاق کی پابندی نہیں کرتے تھے۔ عربوں میں شاعری کی طرح فصاحت و بلاغت اور زبان آوری بھی فطری تھی۔ وہ اپنے

بچوں کو بھی اس کی تعلیم بھی دیتے تھے۔اسی طرح عربوں میں نسب کی حفاظت کا بڑاا ہتمام ہوتا تھا، حتی کہ وہ اپنے گھوڑوں اور اونٹوں کے نسب نامے بھی محفوظ رکھتے تھے۔اس لیے علم الانساب ایک مستقل علم کی حیثیت رکھتا تھا۔ ہر قبیلہ میں نسّاب ہوتے تھے، جو مختلف قبائل اور ان کی شاخوں کے نسبوں کے عالم ہوتے تھے۔ نسب کی تحقیق میں ان ہی کی جانب رجوع کیا جاتا تھا۔ نسابی کا فن اسلام کے بعد بھی قائم رہا اور اس پر مستقل کتابیں لکھی گئیں۔اس کے علاوہ عرب قدیم تاریخی داستانوں کو حافظے میں محفوظ رکھتے تھے اور ان کو مجمعوں میں سناتے بھی تھے۔

اسی طرح طب کا فن بھی عربوں میں قدیم زمانے سے موجود تھا۔اس کو انہوں نے مختلف قوموں سے سیکھا تھا اور اس میں اپنے تجربات کا بھی اضافہ کیا تھا۔ان کے یہاں دولت کا ایک بڑا ذریعہ مویشی پالنا بھی تھا، اس لیے وہ علاج الحیوان سے بھی واقف تھے اور اس کا مستقل فن ان کے ہاں رائج تھا۔ فن نجوم میں بھی عربوں کو بڑا درک تھا۔ابن قتیبہ کے مطابق ستاروں کے علم میں عرب سب سے آگے تھے۔اسی طرح قیافہ شناسی میں بھی عربوں کو بڑا ملکہ حاصل تھا۔ وہ قدموں کے نشان دیکھ کر عورت، مرد، جوان اور بوڑھے کی تمیز کر لیتے تھے۔ ہاتھوں اور ماتھے کی لکیروں، جسم کے اعضاء کی بناوٹ دیکھ کر بہت کچھ معلوم کر لیا کرتے تھے۔ یوں تو بہترے علوم وفنون عربوں میں رائج تھے، لیکن ان کے ہاں لکھنے پڑھنے کا رواج برائے نام تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام کی آمد کے وقت وہاں صرف سترہ لوگ لکھنے پڑھنے پر قادر تھے۔

اسلام آیا تو یہ حالت بدل گئی۔ کیوں کہ اسلام علم و عمل کا مجموعہ ہے اور علم کے بغیر اس کی تکمیل نہیں ہو سکتی۔ اللہ کے آخری نبی حضرت محمد مصطفی ﷺ نے بھی حصول علم کو فرض قرار دیا ہے۔اس لیے ظہور اسلام کے وقت سے ہی تعلیم و تعلّم کا سلسلہ شروع ہو گیا۔اور مدینہ آنے کے بعد تو تعلیم کا پورا نظام قائم ہو گیا تھا۔اصحاب صفہ ان کی مستقل درس گاہ تھی، جس میں دین کی تعلیم ہوتی تھی اور کبھی آنحضرت ﷺ بھی اس میں شرکت فرماتے تھے۔ باہر کے نو مسلم اشخاص اور قبائل مدینہ آکر تعلیم حاصل کرتے تھے اور ضروری تعلیم کے بعد اپنے وطن لوٹ جاتے تھے۔ حدیث و سیر کی کتابوں میں وفود کے ذکر میں اس کی تفصیل موجود ہے۔ بیرونی اشخاص و قبائل کی درخواست پر ان کی تعلیم کے لیے مدینہ سے بھی معلّمین بھیجے جاتے تھے۔ کتابت، وحی، صلح اور جنگ کے معاہدوں، دعوت اسلام کے خطوط اور دوسرے معاملات واحکام کی کتابت کے لیے تحریر ناگزیر تھی اس لئے تعلیم کے ساتھ ساتھ کتابت اور تحریر کو بھی ترقی ہوئی۔ اسی کے ساتھ عہد جاہلیت کے ان فنون کو جو اسلام کے منافی نہ تھے، قائم رکھا اور جو اس کے منافی تھے، ان کی ممانعت کر دی اور جن کی اصلاح ممکن تھی ان کی اصلاح کی۔

خلافت راشدہ کے زمانے میں ان فنون اور تعلیم کا دائرہ اور وسیع ہوا۔ خلفائے راشدین خصوصاً حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما شعر و سخن کے بڑے نقاد تھے اور اس میں بڑا بلند پایہ رکھتے تھے۔اس دور میں کلام مجید کے بعض الفاظ کی تحقیق کے لیے بھی کلام عرب کی جانب توجہ کی گئی۔ ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے تھے کہ جب کلام اللہ میں کوئی لفظ سمجھ میں نہ آئے تو اس کو اشعار عرب میں تلاش کرو۔اس لیے شاعری کا مذاق اس عہد میں بھی قائم رہا، البتہ اس کے مفاسد کی اصلاح ہو گئی۔ عہد رسالت اور خلفائے راشدین کے زمانے میں تبلیغ اسلام، اجتماعی معاملات اور جنگ و صلح کے سلسلے میں خطابت کو بہت ترقی ہوئی اور اس کا درجہ شاعری سے بڑھ گیا۔

حضرت عمرؓ نے دینی علوم کی اشاعت و تعلیم کا بھی بڑا وسیع نظام قائم کیا تھا۔ تمام ممالک محروسہ میں قرآن مجید کا درس جاری کیا اور

ان کے لیے تنخواہ دار معلّم مقرر کیے۔ اکابر صحابہؓ کو قرآن کی تعلیم کے لیے مختلف ملکوں میں بھیجا۔ ہر مسلمان کے لیے علم سیکھنا ضروری قرار دیا۔ بدوؤں کے لیے قرآن مجید کی ابتدائی تعلیم جبری قرار دی اور ایک شخص ابو سفیان کو چند آدمیوں کے ساتھ مقرر کیا کہ وہ قبائل میں دورہ کر کے ہر شخص کا امتحان لیں اور جس کو قرآن مجید کا کوئی حصہ بھی یاد نہ ہو اس کو سزا دیں۔ قرآن مجید کے طلبہ کے وظائف مقرر کیے۔ قرآن مجید کی صحیح قرأت اور اعراب کی غلطیوں سے بچنے کے لیے ادب اور عربیت کی تعلیم بھی لازمی کر دی اور عام حکم جاری کر دیا کہ جو شخص لغت کا عالم نہ ہو وہ قرآن نہ پڑھائے۔

14.3 اموی حکومت میں اسلامی علوم کا فروغ

عہدِ نبوی سے اسلامی علوم و فنون کا جو ارتقاء شروع ہوا تھا، وہ خلافتِ راشدہ کے اولین دور میں تیز رفتار ہوا، مگر تیس سالہ دورِ خلافت میں اسلامی علوم جیسے تفسیر، حدیث، فقہ، سیرت و تاریخ وغیرہ کے ابتدائی آثار ہی قائم ہو سکے۔ کیوں کہ اول تو یہ دور بہت مختصر تھا اور دوم صحابۂ کرام اور دوسرے اولین مسلمان اس زمانے میں اسلامی ریاست و اسلامی تہذیب بنا رہے تھے۔ لہٰذا اموی دور میں ان علوم میں زیادہ وسعت و ترقی ہوئی۔ علمائے تابعین جنھوں نے دینی علوم کو پھیلایا اسی عہد میں تھے۔ ان کے مستقل حلقۂ درس قائم تھے، جن سے بڑے بڑے ائمہ پیدا ہوئے۔ اسی دور میں دینی علوم کی تدوین کا آغاز ہوا۔ بعض نئے علوم پیدا ہوئے اور غیر قوموں کے بعض علوم سے بھی مسلمان روشناس ہوئے۔ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ اموی خلافت کے دور میں تمام اسلامی علوم و فنون کو بنیادی فروغ ملا۔ بلکہ اس زمانے میں زبانی روایات، کتابوں اور صحیفوں دونوں کی صورت میں اسلامی علوم و فنون کی جو شکل و صورت متعین ہوئی، اسی کی بنیاد پر بعد کے ادوار میں کتابوں کی تدوین ہوئی۔ ذیل میں علوم کے اسی ارتقاء کا مختصر حال پیش کیا جا رہا ہے۔

14.3.1 علم قرأت

قرآن مجید کے متن کی کتابت اور کتابی شکل یعنی مصحف میں اس کی اولین تدوین حضرت ابو بکر صدیقؓ کے عہد میں ہو چکی تھی۔ خلافت عثمانی میں مصاحفِ قرآنی کی اشاعت عمل آئی۔ کسی حد تک تفسیری روایات بھی جمع کی گئیں۔ خاص کر مرفوع روایات جو احادیث کی روایات کے ضمن میں کتاب التفسیر میں بیان ہوتی تھیں اور انہیں کے لحاظ سے ان کی کتابی تدوین بھی کسی حد تک ہوئی۔ لیکن اموی دور میں قرآن، قرآنی علوم اور تفسیر کی اصلی اور بنیادی خدمات انجام دی گئیں۔ قرآن مجید کی کتابت میں نقطوں اور اعراب لگانے کا اہم کام والی عراق حجاج بن یوسف ثقفی نے انجام دیا۔ اسی طرح بعض رسم الخط وغیرہ بھی اسی دور میں اپنائے گئے۔

کلام مجید کی قرأت بھی ایک علم ہے۔ ہر زبان کی طرح کلام مجید کے بعض لفظوں کا تلفظ مختلف طریقوں سے کیا جاتا تھا، جس سے معنی پر کوئی اثر نہ پڑتا تھا۔ بعض الفاظ ایک ہی قبیلہ میں دو طرح بولے جاتے یا مختلف قبیلوں میں ان کا تلفظ جدا تھا۔ جیسے مالک یا ملک، یا استحیت اور اسحیت یا مستہزؤن ومستہزیون۔ ان قرأتوں کے واقف کار قراء کہلاتے تھے۔ قرآن مجید کے مشہور قرائے سبعہ یعنی سات قاری بنی امیہ ہی کے دور میں تھے۔

یوں تو قرآن مجید کی متعدد قرأتیں مشہور تھیں، لیکن ان میں سے سات مقبول عام ہوئیں اور انہیں پر علماء اسلام کا اتفاق ہوا۔ قرآن مجید کے ساتوں قاری جو عام طور سے قرائے سبعہ کہلاتے ہیں زیادہ تر اموی دور میں ہی مختلف علاقوں میں پروان چڑھے۔ ان کے اسمائے گرامی ہیں:

1. عبداللہ بن عامر بن یزیدی حصبی دمشقی
2. عبداللہ بن کثیر بن المطلب الداری المکی
3. عاصم بن ابی النجود بہدلہ کوفی
4. ابو عمر بن العلاء البصری
5. حمزہ بن حبیب تمیمی کوفی
6. نافع بن عبدالرحمن اللیثی مدنی
7. حفص بن سلیمان اسدی کوفی

14.3.2 علم تفسیر

تفسیر قرآن کی ابتدا نزول قرآن کے ساتھ ہو گئی تھی۔ پھر اس میں برابر وسعت ہوتی گئی اور اموی دور میں اس کے بڑے بڑے ائمہ پیدا ہوئے، جن کے ذریعے بڑا تفسیری ذخیرہ جمع ہو گیا۔

یہ بات وثوق کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ ایک فن کے طور پر تفسیر قرآن کی بنیاد اسی زمانے میں پڑی۔ اگرچہ اکابر صحابہ کرام بھی مفسرین میں شامل ہوتے ہیں لیکن اس فن کے عظیم ترین امام حضرت عبداللہ ابن عباسؓ (68ھ/687ء) سمجھے جاتے ہیں۔ ان کے مکتب فکر اور ان کے تمام شاگردوں نے اسی اموی عہد میں تفسیری خدمات انجام دیں۔ ان کے شاگروں میں عکرمہؒ، قتادہ بن دعامہ سدوسیؒ، مجاہد بن جبیر مکی سعید بن جبیر، حسن بصری، ضحاک بن مزاحم ہلالی خراسانی، عطیہ بن سعد کوفی، عطاء بن ابی رباح مکی، محمد بن کعب القرظی مدنی، اسماعیل بن عبدالرحمن السدی، عطاء بن ابی مسلم خراسانی وغیرہ سب سے عظیم مفسر قرآن سمجھے جاتے ہیں۔ ان میں سے مجاہد، حسن بصری، سعید بن جبیر، ابو حمزہ اور محمد بن علی ہاشمی (امام باقر) نے بھی اپنی تفسیریں لکھیں۔ آج یہ تفسیریں ناپید ہیں۔ اس لیے ان کی تفسیری حیثیت کے متعلق کچھ نہیں کہا جاسکتا، لیکن قیاس یہ ہے کہ یہ آج کل کی تفسیروں کی طرح پورے قرآن کی مرتب تفسیریں نہ رہی ہوں گی، بلکہ ان میں متفرق آیات کی تفسیری روایتیں یکجا کر دی گئی ہوں گی۔

مختصر یہ کہ بعد کی صدیوں میں جو تفسیری کتب لکھی گئیں، ان کا مدار انہیں اموی دور کے مفسرین اور ان کی تفسیری روایات اور کتابوں پر ہے۔ یہ دراصل تفسیری ارتقاء کا اصلی زمانہ ہے، کیوں کہ اس دور میں نہ صرف تفسیری روایات جمع کی گئیں، بلکہ انہیں پر مبنی کتابیں لکھی گئیں۔ عباسی دور اور دوسرے متاخر ادوار کی تمام تفاسیر ماثورہ انہیں اموی روایات و کتب پر مبنی ہیں۔

14.3.3 حدیث

پہلی صدی کے اختتام تک قرآن مجید کی اس قدر اشاعت ہو چکی تھی کہ اب قرآن و حدیث کے التباس واشتباہ کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا تھا۔ ساتھ ہی بکثرت لوگ اسلام میں داخل ہو رہے تھے۔ نئے مسائل اور نئے حالات سے مسلمانوں کا سابقہ تھا۔ اس وقت فوری ضرورت تھی کہ حدیث وسنت کے سرمایہ کو جو صحابہؓ وتابعین سے منتقل ہوتا چلا آرہا تھا مدون کیا جائے اور وہ علم جو محدثین کے سینوں اور منتشر سفینوں میں تھا، اس کو محفوظ کیا جائے۔ ادھر وہ متبرک نفوس جنھوں نے براہ راست زبان نبوت سے احادیث سنی تھیں اور آپ ﷺ کی زندگی کے ہر خدوخال کو محفوظ کیے ہوئے تھے یعنی صحابہ کرامؓ ان کے وجود سے بزم عالم خالی ہو رہی تھی۔ لہٰذا جب عظیم اموی خلیفہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ صفر 99ھ میں منصب خلافت پر فائز ہوئے، تو انہوں نے دیکھا کہ نئے نئے فرقے سر اٹھا رہے ہیں، اس لیے انہوں نے محسوس کیا کہ حدیث وسنت کے باقاعدہ تدوین کی ضرورت ہے۔

قاضی ابو بکر بن حزم خزرجی انصاری المتوفی 120ھ جو بڑے پایہ کے عالم تھے، امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ مدینہ میں جس قدر قضا کا ان کو علم تھا اور کسی کو نہیں تھا، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے زمانے میں مدینہ کے قاضی آپ ہی تھے، اس لیے ان کو حدیث کی تدوین کی طرف توجہ دلائی اور لکھا: انظر ما كان من حديث رسول الله صلى الله عليه وسلم فاكتبه لي فاني خفت دروس العلم وذهابالعلماء۔ آں حضرت محمد ﷺ کی جو کچھ حدیثیں تم کو ملیں، ان کو تحریری شکل میں لے آؤ، اس لیے کہ مجھے اندیشہ ہے کہ علم مٹ جائے گا اور علمار خصت ہو جائیں گے۔

خاص طور سے تعین کے ساتھ عمرہ بنت عبدالرحمن انصاریہ اور قاسم بن محمد کے ذخیرہ روایات کی طرف توجہ دلائی کہ جلد اس کو قلم بند کیا جائے۔ خلیفہ عمر بن عبدالعزیزؒ نے جو فرمان بھیجا تھا امام محمدؒ نے اپنی مؤطا میں زیادہ تفصیل سے نقل کیا ہے: ان عمر بن عبدالعزيز كتب إلى أبي بكر بن عمرو بن حزم ان انظر ما كان من حديث رسول الله صلى الله عليه وسلم أو سنته أو حديث عمرؓ اور نحو هذا فاكتبه لي فاني خشيت دروس العلم وذهابالعلماء۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے ابو بکر بن عمرو بن حزم کو لکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث اور سنت نیز حضرت عمرؓ کی حدیثیں اور اسی قسم کی جو روایات مل سکیں ان سب کو تلاش کر کے مجھے لکھو، کیوں کہ مجھے علم کے مٹنے اور علماء کے فنا ہونے کا اندیشہ ہے۔

اس روایت سے یہ بھی معلوم ہو رہا ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے حدیث وسنت کے ساتھ حضرت عمر اور دیگر صحابہؓ کے آثار کو بھی جمع کرنے کا حکم دیا تھا، مگر افسوس کہ قاضی صاحب کے کام کی ابھی تکمیل نہ ہو سکی تھی کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز 25ر رجب 101ھ میں رحلت فرما گئے۔ آپ کی مدتِ خلافت 2ر سال 5ر ماہ تھی۔ حافظ ابن عبدالبر مالکی التمہید میں امام مالکؒ کی زبانی نقل کرتے ہیں کہ ابن حزم نے متعدد کتابیں لکھیں قبل اس کے کہ وہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کی خدمت میں بھیجتے، خلیفہ راشد وفات پا چکے تھے۔

خلیفہ عمر بن عبدالعزیز نے عمال سلطنت اور مشاہیر علماء کو بالخصوص اس ضرورت کی طرف متوجہ کیا اور گشتی فرمان جاری کیا کہ: انظر إلى حديث رسول الله صلى الله عليه وسلم فاجمعوه۔ رسول ﷺ کی احادیث ڈھونڈ ڈھونڈ کر جمع کرو۔

خلیفہ کا یہ فرمان تو تمام ذمے داروں کے نام تھا مگر خصوصیت سے ابو بکر بن حزمؒ کے علاوہ امام محمد بن شہاب الزہریؒ المتوفی 125ھ کو بھی اس خدمت پر مامور کیا تھا۔ امام زہریؒ کا حال ان کے رفیق درس صالح بن کیسان کہتے ہیں کہ ہم اور زہری دونوں طلبِ علم میں ساتھ تھے، زہری نے کہا کہ آؤ ہم سنتیں لکھیں، چنانچہ ہم نے لکھا جو کچھ کہ آں حضور ﷺ سے منقول ہے اور زہری نے آثارِ صحابہ کو بھی لکھا وہ کامیاب ہوئے اور ہم ضائع۔ یہ امام موصوف کے دورِ طالب علمی کا حال تھا۔ خود عمر بن عبدالعزیز شہادت دیتے ہیں کہ :لم يبقأحد أعلم بسنةماضية من الزهري۔ گزشتہ سنت کا زہری سے بڑھ کر کوئی عالم باقی نہیں رہا۔

حافظ ابن عبدالبر جامع بیان العلم میں امام زہری کا بیان نقل کرتے ہیں:أمرنا عمر بن عبدالعزيز بجمع السنن فكتبناها دفترا دفترا فبعث إلى كل أرض لهعليها سلطان دفترا۔ ہم کو عمر بن عبدالعزیز نے سنن کے جمع کرنے کا حکم دیا، ہم نے دفتر کے دفتر لکھ ڈالے، اور پھر انہوں نے ہر اس زمین پر کہ جہاں ان کی حکومت تھی ایک دفتر بھیج دیا۔

لہٰذا حضرت عمر بن عبدالعزیز کے دور میں تدوین حدیث کا کام پورے زور شور سے شروع ہوا۔ اس زمانہ میں اس کا عام ذوق پیدا ہو گیا تھا۔ دنیائے اسلام کے گوشے گوشے میں درس حدیث کے حلقے قائم تھے۔ شائقین ایک ایک حدیث کے سماع کے لیے دور دراز کا سفر کرتے اور ہر خرمن سے خوشہ چینی کرتے تھے۔ اس کا سب سے بڑا مرکز مدینہ تھا۔ امام ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ احادیث کی تلاش میں مدینہ کی گلی گلی کا چکر لگاتے تھے اور یہاں کے مردوں، عورتوں اور بوڑھوں اور جوانوں ہر فرد سے استفادہ کرتے تھے۔ حضرت ابو قلابہ حرمی ایک ایک حدیث کے سننے کے لیے کئی کئی دن تک مدینہ میں مقیم رہتے۔ حضرت مکحول نے حدیث کی تلاش میں ساری دنیائے اسلام کی خاک چھانی تھی۔ تابعین میں بکثرت ایسے بزرگ ہیں جنہوں نے دنیائے اسلام کے مختلف گوشوں سے محدثین سے استفادہ کیا تھا۔ جس کی تفصیل طبقات ورجال کی کتابوں میں موجود ہے۔

تدوین حدیث کا یہ کام اتنی احتیاط کے ساتھ انجام دیا گیا کہ عقل حیران رہ جاتی ہے۔ اعلیٰ درجے کی تحقیق اور چھان بین کے بغیر حدیث قبول نہیں کی جاتی تھی۔ حضرت عامر بن شرحبیل فرماتے تھے کہ حدیث اسی سے حاصل کرنا چاہیے، جو عقل ودانش اور دین وتقویٰ دونوں کا جامع ہو۔ دونوں میں سے ایک وصف رکھنے والا علم کی حقیقت کو نہیں پاسکتا۔ حضرت محمد بن سیرین فرماتے تھے کہ علم حدیث دین ہے۔ اس لیے اس کو حاصل کرنے سے پہلے اس شخص کو خوب پرکھ لینا چاہیے، جس سے حاصل کرنا ہے۔ حضرت ابوالعالیہ ریاحی جب تک اصل راوی سے تصدیق نہ کرتے تھے، اس وقت تک اعتماد نہ کرتے تھے، چنانچہ جو حدیثیں وہ بصرہ میں سنتے تھے، مدینہ جاکر خود راوی اوّل کی زبان سے اس کی تصدیق کرتے تھے۔ اس عزم واحتیاط اور تلاش وجستجو سے ان بزرگوں نے احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا عظیم الشان ذخیرہ جمع کیا اور اس کو پچھلوں تک پہنچایا، اگر ان کی کوششیں نہ ہوتیں تو حدیث نبوی کا بڑا ذخیرہ برباد ہو جاتا۔ یوں تو ہر تابعی اپنے علم واستعداد کے بقدر علم حدیث میں دخل رکھتا تھا، لیکن اس میں حضرت سعید بن جبیر، حضرت سعید بن مسیب، حضرت سالم بن عبداللہ بن عمر، حضرت طاؤس بن کیسان، حضرت امام شعبی، حضرت عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ، حضرت عطا بن ابی رباح، حضرت عکرمہ، حضرت نافع، حضرت علقمہ ابن قیس، حضرت قتادہ، حضرت مجاہد، حضرت جبیر بن مطعم، حضرت محمد بن سیرین، حضرت محمد بن مسلم، حضرت محمد بن منکدر اور حضرت مکحول

بڑے محدث تھے۔ان بزرگوں کی روایات پر کتب احادیث کا مدار ہے۔ان بزرگوں نے جس احتیاط سے احادیث کو حاصل کیا،اسی احتیاط سے دوسروں تک پہنچایا۔امام شعبی رحمۃاللہ علیہ ایک زمانہ میں اشاعت حدیث کے خیال سے بے تکلف روایت کرتے تھے، لیکن پھر زمانہ کا رنگ دیکھ کر کہناپڑا کہ گزشتہ صلحاء کثرت روایت کو برا سمجھتے تھے، جو حقیقت مجھ پر بعد میں کھلی، اگر پہلے منکشف ہوئی ہوتی تو میں صرف متفقہ حدیثیں بیان کرتا۔ عبداللہ بن عدی رحمۃاللہ علیہ روایت کرنے سے اس قدر گھبراتے تھے کہ اس کے خوف سے گھر سے نکلنا چھوڑ دیا تھا۔ ابراہیم نخعی رحمۃاللہ علیہ روایت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب نسبت نہ کرتے تھے۔ایک شخص نے پوچھا، کیاآپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی حدیث نہیں پہنچی ہے؟ جواب دیا کیوں نہیں؟ لیکن عمر، عبداللہ، علقمہ اور اسود رضی اللہ عنہم سے روایت کرنا میرے لیے زیادہ آسان ہے۔ مسعر بن کدام جو بڑے پایہ کے محدث تھے۔ روایت حدیث کی ذمہ داری سے گھبرا کر کہا کرتے تھے: ''کاش حدیثیں میرے سر پر شیشہ کا بار ہوتیں کہ گر کر چور ہو جاتیں، یعنی حافظہ سے محو ہو جاتیں۔''علقمہ رحمۃاللہ علیہ آخری زمانے میں روایت کرنے میں اتنے محتاط ہو گئے تھے کہ ایک شخص نے آپ سے سنت کی تعلیم کی خواہش کی توآپ نے جواب دیا کہ تم چاہتے ہو کہ میری پیٹھ روندی جائے۔ لیکن اگراس احتیاط کی بناپر روایت اور تعلیم حدیث کادروازہ بالکل بند کر دیاجاتا، تواحادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم جن پر دین کا مدار ہے اور جن کی تبلیغ کا حکم ہے، ضائع ہو جاتیں۔اس لیے تابعین نے پوری حزم واحتیاط کے ساتھ ان کی حفاظت واشاعت کا بھی انتظام کیا۔

تدوین وکتابت کے علاوہ احادیث کو درس وتعلیم کے ذریعے بھی پھیلایا گیا۔ بہت سے لوگوں نے درس وروایت کے ساتھ انہیں قلم بند بھی کیااور اس کے مجموعے مرتب کیے، جن کا ذکر جابجا حدیث ورجال کی کتابوں میں ملتا ہے۔ بعض جامعین حدیث کے نام یہ ہیں: حضرت خالد بن معدان، ان کے پاس حدیثوں کا ایک صحیفہ تھا۔ حضرت عطاء بن ابی رباح نے تمام سنی ہوئی حدیثیں قلم بند کر رکھی تھیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پڑپوتے حضرت عبدالرحمن کے پاس ان کی احادیث کا صحیفہ تھا۔ حضرت سلیمان بن قیس یشکری نے حضرت جابر صحابی رضی اللہ عنہ کا صحیفہ نقل کیا تھا۔ حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کے پاس حدیثوں کا ایک مجموعہ تھا۔ وہب بن منبہ کے پاس حدیث کی بیاضیں تھیں۔ خلیفہ ہشام بن عبدالملک نے امام زہری رحمۃاللہ سے چار سو حدیثوں کا ایک مجموعہ مرتب کرایا تھا۔ان کے علاوہ اور بہت سے محدثین نے حدیثوں کے مجموعے مرتب کیے تھے، جن کا ذکر رجال وطبقات کی کتابوں میں ملتا ہے۔

جدید تحقیقات کے مطابق صحابہ کرام میں سے کم ازکم پچاس حضرات نے اپنے اپنے صحیفے لکھے تھے، جو مختصر یا متوسط درجے کے تھے۔ان میں سے زیادہ تر صحیفے اسی اموی دور میں لکھے گئے۔ بعد کے مسلم طبقۂ تابعین میں سے ڈیڑھ سو سے زائد حضرات نے حدیث نبوی پر مشتمل اپنے صحیفے مرتب کیے۔ان کی اکثریت اسی اموی دور میں سامنے آئی۔

اس دور کے اواخر میں امام مالک بن انس نے حدیث کی عظیم ترین کتاب موطا مرتب کی اور اسلامی ریاست کے گوشے گوشے سے آنے والے طلبہ کواس کی تعلیم دی۔ کتاب تواموی دور میں مرتب ومشہور ہو چکی تھی، اگرچہ اس کی روایت اور کتابت کا زیادہ بڑے پیمانے پر کام عباسی دور میں ہوا۔ موطاامام مالک کے علاوہ صحیفۂ ہمام بن منبہ، صحیفۂ حمید الطویل بصری اور صحیفۂ خراش بن عبداللہ اموی دور کی اہم کتب حدیث میں شامل ہیں۔

تدوین حدیث کا عظیم الشان کارنامہ اموی حکومت کی پیشانی کا جھومر ہے۔ یہ ایک ایسا علمی کارنامہ ہے جس پر اموی تاریخ جتنا بھی فخر کرے کم ہے۔ اس فخر و سعادت میں کوئی اس کا شریک و سہیم نہیں۔

14.3.4 علم فقہ

فقہ اسلامی کی بنیاد قرآن و حدیث پر ہے اور اس کا آغاز عہد نبوی اور خلافت راشدہ کے اولین دور سے ہو چکا تھا۔ تاہم بطور ایک ممتاز اور مکمل فن کے فقہ کا بنیادی ارتقاء اموی خلافت میں ہوا۔ تمام اکابر صحابہ بیک وقت مفسر و محدث اور فقیہ ہوتے تھے، تابعین کے دور میں بھی یہی صورت حال رہی لیکن رفتہ رفتہ فن میں تخصص اور امتیاز و ترجیح کے لحاظ سے فقہاء کی جماعت اور فقہ کا علم کامل اور ممتاز ہونے لگا۔

اس زمانے میں بیشتر ایک ہی ذات مختلف علوم کی جامع ہوتی تھی۔ مثلاً اکثر فضلائے صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین بیک وقت مفسر بھی تھے، محدث بھی اور فقیہ بھی۔ یہی انداز تابعین کے زمانے میں تھا۔ اس لیے عموماً جو بزرگ محدث تھے اور جنہوں نے حدیث کی خدمت انجام دی وہی فقیہ بھی تھے اور انہی کے ذریعے فقہ کی خدمت انجام پائی۔ تاہم ان میں سے جو لوگ حدیث کے مقابلے میں فقہ کا زیادہ ذوق رکھتے، یا ان میں ان کا زیادہ ملکہ ہوتا وہ فقیہ کہلاتے تھے۔ مثلاً عبید اللہ بن عبد اللہ بن مسعود، عروہ بن زبیر بن عوام، قاسم بن محمد بن ابی بکر، سعید بن مسیب، سلیمان بن یسار، ابو بکر بن عبد الرحمن اور خارجہ بن زید، گویا ان بزرگوں کو حدیث میں درک تھا، لیکن فقہ کی استعداد اور اس کا ملکہ زیادہ رکھتے تھے اور فقہ میں ان کی ذات مرجع تھی۔ اسی سے وہ فقہائے سبعہ کے لقب سے مشہور تھے اور زیادہ تر انہی بزرگوں کے ذریعہ فقہ کی اشاعت ہوئی۔ ان کے علاوہ ربیعہ بن فروخ رائی، ابراہیم نخعی، امام شعبی، امام جعفر صادق، عبد الرحمن بن ابی سلمیٰ اور قاضی شریح وغیرہ بھی اس دور کے نامور فقیہ تھے، جن سے فقہ کا سلسلہ پھیلا۔ ان میں سے بعض نے فقہ پر کتابیں بھی لکھیں، چنانچہ عروہ بن زبیر نے کئی کتابیں لکھی تھیں۔ پھر احتیاط کی بنا پر جلا ڈالیں۔ جن کا ان کو ہمیشہ افسوس رہا۔ مکحول نے دو کتابیں کتاب السنن اور کتاب المسائل لکھی تھیں۔ اوّل الذکر غالباً حدیث میں تھی اور دوسری فقہ میں۔ امام زہری کے فتاویٰ تین ضخیم جلدوں میں جمع کیے گئے تھے۔

مدینہ منورہ کے سات مشہور فقہاء اسی اموی دور میں سامنے آئے۔ انہیں علمی دنیا میں فقہائے سبعہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ انہوں نے اپنی تعلیم و تدوین اور تربیت و تشریح کے حلقوں کے ذریعے اس فن عظیم کو جلالت بخشی۔ ان کے اسماء گرامی ہیں: (1) عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود ہذلی (2) عروہ بن زبیر بن عوام اسدی، (3) قاسم بن محمد بن ابی بکر تمیمی، (4) سعید بن مسیب، (5) سلیمان بن یسار، (6) ابو بکر محمد بن عبد الرحمن مخزومی، (7) خارجہ بن زید۔ یہ فقہائے سبعہ تابعی ہونے کے علاوہ اکابر صحابہ کی اولاد بھی تھے۔

ان فقہائے سبعہ کے علاوہ مدینہ منورہ اور کوفہ، بصرہ، دمشق وغیرہ میں اور بھی بہت سے فقہاء ہوئے، جنھوں نے اس فن کو بہت ترقی دی۔ ان میں ربیعہ بن فروخ الرائی ابراہیم نخعی کوفہ امام شعبی (بصرہ)، قاضی شریح (کوفہ)، حسن بصری، امام مکحول دمشقی، قبیصہ بن ذؤیب خزاعی مدنی، حماد اشعری وغیرہ بہت اہم تھے۔ خود خلیفہ عبد الملک بن مروان کا شمار بڑے فقہاء میں ہوتا تھا اور حضرت اعمش نے ان کو فقیہ عظیم بتایا تھا۔ حضرت ابن عباس جیسا صاحبِ علم حضرت معاویہ کے فقیہ ہونے کی گواہی دیتا ہے۔ ان میں سے امام زہری، امام عروہ بن زبیر اور امام مکحول وغیرہ نے فقہ میں کتابیں بھی مرتب کی تھیں۔ امام مالک کی مؤطا بھی فقہی ترتیب رکھتی ہے۔ اموی دور کے اواخر میں فقہی

مکاتب فکر کی داغ بیل پڑی۔ان میں سے تین باقاعدہ فقہی مسلک اسی دور کی پیداوار ہیں،ایک امام اوزاعی (عبدالرحمن بن عمرو کا فقہی مسلک تھا، جس کے پیرو تمام اموی خلفاءاور بیشتر کارکن اور شامی لوگ تھے۔دوسرے کوفہ کے امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت کا مذہب فقہ تھا، جس کی زیادہ تر ترتیب و تنظیم اموی دور میں ہوئی اور تیسرا امام مالک کا مدنی مذہب فقہ تھا، جس کی اصل بنیاد و تنظیم اموی دور میں ہوئی۔امام اوزاعی کا مسلک بعد میں دوسرے مذاہب میں ضم ہو گیا۔باقی دونوں فقہی مسالک نے عباسی خلافت میں ترقی کی۔

14.3.5 سیرت وتاریخ

اسی دور میں تاریخ کا آغاز ہوا اور اس کی ابتدا مغازی اور سیرت سے ہوئی۔سیرت و مغازی کا فن دراصل حدیثِ نبوی سے نکلا اور ترقی پذیر ہوا۔پہلے دور میں مغازی حدیث نبوی کی ایک شاخ شمار ہوتا رہا، لیکن اموی دور میں رفتہ رفتہ اس نے اپنی ایک الگ شناخت بنائی اور ایک جداگانہ علم کے طور پر تسلیم کیا گیا۔اس دور کے زیادہ تر محدثین کرام حدیث کے ساتھ ساتھ سیرت و معازی کے بھی عالم و مصنف تھے۔ان میں سے حضرت عروہ بن زبیر، امام زہری (124-56ھ) وغیرہ نے حدیث کے علاوہ اپنی اپنی کتاب المغازی بھی لکھی تھی، جو سیرت نبوی کی باقاعدہ اولین کتابیں تھیں۔

ان محدثین کرام کے علاوہ بہت سے دوسرے حضرات نے خاص فنِ سیرت و معازی نگار ہوئے۔ان میں زیادہ تر تابعی علمائے سیرت تھے: جیسے 1۔ابان بن عثمان (714-640ء) 2۔عاصم بن عمر بن قتادہ انصاری (م 119ھ/737ء) 3۔عبداللہ بن ابی بکر بن عمرو بن حزم انصاری (م 120ھ/738ء)، 4۔موسیٰ بن عقبہ (114ھ/732ء)، 5۔معمر بن راشد (154/770ء)، 6۔وہب بن منبہ (110م)، 7۔شرحبیل بن حسنہ (م 123ھ) 8۔محمد بن اسحاق (150/767ء)۔

تابعین میں حضرت عروہ بن زبیر، حضرت شرحبیل بن سعد، حضرت وہب بن منبہ، حضرت عکرمہ مولی ابن عباس، حضرت عاصم بن عمر بن قتادہ انصاری، امام زہری، موسیٰ بن عقبہ اور معمر بن راشد اس فن کے ائمہ تھے۔کتب مغازی کا مآخذ انہی کی روایات ہیں۔کشف الظنون کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ مغازی اور سیرت پر سب سے پہلی کتاب عروہ بن زبیر نے لکھی تھی۔لیکن امام سہیلی کے بیان کے مطابق اس فن پر پہلی تصنیف امام زہری کی ہے۔

اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ جس شخص نے اس فن کو سب سے زیادہ ترقی دی، وہ محمد بن اسحاق ہیں۔وہ مدینہ کے عالمِ حدیث اور سیرت نگار تھے۔اموی دور میں پیدا ہوئے اور پروان چڑھے۔اپنی کتاب اس دور کے اواخر میں مدینہ میں مکمل کی اور بہت سے طلبہ کو پڑھائی۔ان کی کتاب سیرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس فن کی اولین جامع کتاب ہے جو ہم تک پہنچی ہے۔انہوں نے اگرچہ بنی عباس کے ابتدائی دور 151ھ میں وفات پائی، لیکن ان کا نشو و نما اموی دور میں ہوا۔خطیب کا بیان ہے کہ انہوں نے اس فن کو اتنی ترقی دی کہ پھر اس پر کوئی اضافہ نہ کر سکا۔انہوں نے سلاطین اور امرا کی توجہ قصوں اور حکایتوں سے ہٹا کر تاریخ کی جانب پھیر دی۔اگر اس فضیلت کے علاوہ ابن اسحاق کی کوئی اور فضیلت نہ ہوتی کہ انہوں نے سلاطین کا مذاق بدل دیا اور ان کی توجہ بے نتیجہ کتابوں سے ہٹا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مغازی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور آغاز عالم کی تاریخ کی جانب پھیر دی، تو تنہا یہی کارنامہ اور اولیت کا یہ فخر ان کی فضیلت کے لیے

کافی تھا۔ان کے بعد بہت سے لوگوں نے اس فن پر کتابیں لکھیں، لیکن کوئی ان کے درجہ کو نہ پہنچ سکا۔انہوں نے تاریخ وسیرت اور مغازی پر کتاب السیرۃ والمبتداء والمغازی اور کتاب الخلفاء لکھیں۔ لیکن یہ سب کتابیں ناپید ہو گئیں۔البتہ سیرت میں ابن ہشام کی سیرت کی شکل میں جو زیادہ تر ابن اسحاق ہی کی روایات پر مشتمل ہے، اب تک موجود ہے اور چھپ کر شائع ہو چکی ہے اور سیرت کا نہایت معتبر اور قدیم ماخذ ہے۔

اسی دور کے ایک اور عالم معمر بن راشد المتوفی 153ھ نے کتاب المغازی لکھی۔ وہب بن منبہ المتوفی 110ھ نے جو مغازی اور سیرت کے ساتھ، عرب کی تاریخ کے بھی عالم تھے، سلاطین حمیر کے حالات میں ایک کتاب لکھی تھی۔امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو تاریخ سے خاص ذوق تھا۔ وہ روزانہ عرب کی لڑائیوں، ان کی قدیم تاریخ سلاطین عجم کے حالات اور ان کے طرز حکمرانی، ان کی لڑائیوں، رعایا کے ساتھ ان کی سیاست اور مختلف قدیم اقوام کے عروج وزوال کے حالات سنا کرتے تھے۔اس زمانے کے ایک مشہور یمنی عالم عبید بن شریہ نے جو ان کو سلاطین عرب وعجم کے حالات، زبانوں کی پیدائش اور مختلف ملکوں میں آبادی کی تاریخ سنایا کرتے تھے، ان کے حکم سے کتاب الامثال اور کتاب الملوک واخبار الماضیین تالیف کیں۔اسی دور کے ایک اور مؤرخ عوانہ بن حکم کلبی المتوفی 147ھ نے کتاب التاریخ اور سیرت معاویہؓ لکھی۔ ہشام کو علوم وفنون سے دلچسپی تھی۔اس نے فارسی کی ایک اہم کتاب جو ایرانیوں کے مختلف علوم، ان کے فرماں رواؤں کے حالات وسیاسی واقعات پر مشتمل تھی ترجمہ کرایا تھا۔ یہ کتاب باتصویر تھی اور مسعودی کی نظر سے گزری تھی۔انہوں نے التنبیہ والاشراف میں اس کا ذکر کیا ہے۔اسی دور میں ایک اور مشہور شیعی عالم ابو مخنف المتوفی 157ھ تاریخ کے بڑے حافظ تھے اور انہوں نے تاریخ کی بہت سی کتابیں لکھیں۔ان کی روایتیں طبری نے بھی تاریخ میں نقل کی ہیں، لیکن ان کی بیشتر تصانیف ابتدائی عباسی دور کی ہیں۔ان کے علاوہ اب امام عروہ بن زبیر کی کتاب بھی دستیاب ہو کر شائع ہو چکی ہے لیکن وہ ناقص ہے۔

14.4 علمی مراکز

تدریسی حلقے: اسلام کی تاریخ میں اگرچہ موجودہ اصطلاحی معنوں میں ایک عرصہ تک مدارس نہیں تھے، اور اس کی ابتدا سلجوقیوں کے دور میں ہوئی، لیکن ابتدائی مکاتب اور حلقہ ہائے درس شروع ہی میں قائم ہو گئے تھے۔ مکاتب میں معلّمین بچوں کو ابتدائی تعلیم دیتے تھے، جن کا تذکرہ جابجا تراجم کی کتابوں میں ملتا ہے۔ چنانچہ حضرت عائشہؓ کے ایک خادم علقمہ ایک مکتب میں عربی زبان کی تعلیم دیتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے اپنے دور میں قرآن کے مکاتب قائم کیے، جس کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے۔ابن خلکان نے ابو مسلم خراسانی کے حالات میں لکھا ہے کہ جب وہ سن شعور کو پہنچا تو مکتب میں داخل کر دیا گیا۔

اس زمانے میں مدارس کے بجائے علما کے بڑے بڑے حلقہ ہائے درس تھے۔ دنیائے اسلام کے جن جن حصوں میں اصحاب علم صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین موجود تھے، وہاں ان کے حلقہ ہائے درس قائم تھے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا حلقہ درس نہایت وسیع تھا، جس میں ہر فن کی تعلیم ہوتی تھی۔

ابو صالح تابعی کا بیان ہے کہ اگر سارا قریش ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حلقۂ درس پر فخر کرے تو بجا نہ ہوگا۔ اس میں اتنا اژدہام ہوتا تھا کہ آمد و رفت مشکل ہو جاتی تھی اور اس میں قرآن و حدیث، حلال و حرام، فقہ و فرائض، عربی زبان، شاعری اور ادب و انشاء جملہ علوم کی تعلیم ہوتی تھی اور ان سے متعلق جملہ سوالات کے جوابات دیے جاتے تھے۔ مستدرک حاکم میں اس کی بڑی طویل تفصیل ہے۔ یہ درس و اضافہ کسی ایک فرد کے ساتھ مخصوص نہ تھا، بلکہ ہر صحابی، تابعی کے علم و استعداد کے بقدر اس کے حلقۂ درس بھی تھے اور تمام بڑے بڑے مرکزی شہروں میں ان کا فیض جاری تھا، جس میں اس دور کے تمام علوم کی تعلیم ہوتی تھی۔ مدینۃ العلم مدینہ طیبہ میں کئی حلقۂ درس تھے۔ ان میں ربیعہ رائی کا حلقہ درس نہایت وسیع تھا۔ اس میں طلبہ کا ہجوم رہتا تھا اور مدینہ کے علما اور عمائد و اشراف سب اس میں شریک ہوتے تھے۔ امام مالک اور امام اوزاعی، یحییٰ بن سعید انصاری اور شعبہ وغیرہ جیسے علما اسی حلقۂ درس کے فیض یافتہ تھے۔ حضرت عمرؓ کے غلام اسلم کا حلقہ نہایت وسیع تھا۔ ایک وقت میں چالیس چالیس فقہاء اس میں شریک ہوتے تھے۔ ان میں امام زین العابدین رحمۃ اللہ جیسے بزرگ بھی تھے۔ ایک مرتبہ نافع بن جبیر نے ان پر اعتراض کیا۔ آپ اپنی خاندانی مجلس چھوڑ کر ابن خطاب کے غلام کے حلقۂ درس میں شریک ہوتے ہیں؟ آپ نے جواب دیا: انسان وہیں جاتا ہے جہاں اس کو فائدہ پہنچتا ہے۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ بنی ہاشم کا کوئی مستقل حلقہ بھی تھا۔

عبداللہ بن ذکوان کا حلقہ درس اپنی شان و شوکت میں بادشاہوں کے درباروں کو شرماتا تھا۔ اس میں مختلف قسم کے علوم و فنون کے سیکڑوں طلبہ شریک ہوتے تھے۔ عبد بن ربہ کا بیان ہے کہ میں نے ابوالزناد کو اس شان سے مسجد نبوی میں دیکھا ہے کہ ان کے ساتھ اتنا ہجوم تھا کہ بادشاہوں کو بھی نصیب نہیں۔ اس میں فرائض، حساب و شعر، حدیث اور مختلف علوم و مشکل مسائل کے طلبہ اور سائلین ہوتے تھے۔ لیث بن سعد کا بیان ہے کہ ابوالزناد کے پیچھے بیک وقت مختلف علوم کے تین تین سو طالب علم ہوتے تھے۔ محمد بن عجلان کا حلقۂ درس مسجد نبوی میں تھا، جس میں بڑے بڑے تابعین شریک ہوتے تھے۔ قاسم بن محمد ابی بکر کا الگ ایک حلقہ تھا۔ جہاں وہ طلوع آفتاب کے بعد بیٹھتے تھے۔

حجاز کے بعد دوسرا مرکز عراق، خصوصاً کوفہ تھا۔ یہاں بڑے بڑے علما اور ان کے متعدد حلقۂ درس تھے۔ عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ کا حلقۂ درس نہایت ممتاز تھا۔ اس میں صحابہؓ تک شریک ہوتے تھے اور سماع حدیث کرتے تھے۔ امام شعبی کا حلقۂ درس بھی صحابہ رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں قائم ہو گیا تھا۔ مسعر بن کدام کا بھی حلقہ تھا، جس میں وہ صبح کے معمولات عبادت کے بعد بیٹھتے تھے اور شائقین حلقہ باندھ کر ان سے استفادہ کرتے تھے۔ سرزمین شام میں حمص میں خالد بن معدان کا حلقۂ درس نہایت وسیع تھا۔

یہ چند حلقہ ہائے درس مثالاً لکھے گئے، ورنہ اس قسم کے حلقے دنیائے اسلام کے گوشے گوشے میں تھے، جس سرزمین میں کسی صاحب علم کا قدم پہنچ گیا تھا، وہاں اس کا چشمہ فیض جاری ہو گیا تھا، جس سے دنیائے اسلام کا کوئی گوشہ خالی نہ تھا۔ طبقات و رجال کی کتابوں اور علمائے محدثین کے تراجم میں جابجا ان کا ذکر موجود ہے۔ اس لیے گو اس زمانے میں کوئی مرتب نظام تعلیم اور اصلاحی درس گاہیں نہ تھیں، لیکن ہر صاحب علم بجائے خود ایک مستقل درس گاہ تھا، جس سے شائقین علم فیض یاب ہوتے تھے۔ اسی طرح تعلیم کا سلسلہ نہایت وسیع ہو گیا تھا اور ساری دنیائے اسلام میں علمی لہر رواں دواں تھیں۔

کتب خانے: اسی طریقے سے اگرچہ بنی امیہ کے زمانے میں باضابطہ کتب خانے نہ تھے، لیکن کتابوں کے کافی ذخیرے مہیا ہو گئے تھے۔ البتہ اموی خلفاء کا ایک سرکاری کتب خانہ تھا، جس کی بنیاد حضرت معاویہؓ نے ڈالی تھی۔ بعد میں اس میں مروان، عبدالملک، ولید، عمر بن عبدالعزیز اور ہشام وغیرہ خلفاء نے کتابوں کا کافی اضافہ کیا اور اس کو ترقی دی۔

اسی طرح حضرت حسن بصریؒ کے پاس کتابوں کا ایک ذخیرہ تھا، جس کو انہوں نے بعض وجہات کی بناء پر اپنی وفات کے وقت آگ میں جلوادیا تھا۔ ابو قلابہ جرمی کے پاس ایک لائبریری تھی، جس کو انہوں نے اپنے مرض الموت میں ایک صاحب علم تابعی ابوایوب سختیانی کو دے دینے کی وصیت کی تھی۔ امام ابن شہاب کے پاس کتابوں کا بڑا ذخیرہ تھا۔ ان کا علمی شغف وانہماک اتنا بڑھا ہوا تھا کہ جب وہ گھر میں بیٹھتے تھے تو ان کے گرد کتابیں ڈھیر رہتی تھیں اور وہ ان کے مطالعے میں دنیا ومافیہا سے بے خبر ہو جاتے تھے۔ ان کی بیوی کہا کرتی تھیں کہ یہ کتابیں تین سوکنوں سے زیادہ سخت ہیں۔ بنی امیہ کے شاہی خزانۃ الکتب کا ذکر بھی جابجا ملتا ہے۔ ہشام بن عبدالملک نے امام زہری سے حدیثوں کا جو مجموعہ مرتب کرایا تھا اس کو اپنے خزانۃ الکتب میں داخل کر دیا تھا۔ اسی طریقے سے وہ قرابادین جو عمر بن عبدالعزیز نے شائع کی تھی، ایک روایت کے مطابق مروان کے زمانے سے خزانۃ الکتب میں محفوظ چلی آتی تھی۔

14.5 فرہنگ

بزم عالم: دنیا

قرابادین: طب کی کتاب

چشمہ فیض: کثرت سے نفع پہنچانے والی جگہ

14.6 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے درج ذیل نکات سیکھے:

- عہدِ نبوی سے اسلامی علوم وفنون کا جو ارتقاء شروع ہوا تھا، وہ خلافتِ راشدہ کے اولین دور میں تیز رفتار ہوا، تیس سالہ دورِ خلافت میں اسلامی علوم جیسے تفسیر، حدیث، فقہ، سیرت وتاریخ وغیرہ کے ابتدائی آقائم ہوئے اور اموی دور میں ان علوم میں زیادہ وسعت وترقی ہوئی۔
- اموی خلافت میں زبانی روایات، کتابوں اور صحیفوں دونوں کی صورت میں اسلامی علوم وفنون کی جو شکل وصورت متعین ہوئی، اسی کی بنیاد پر بعد کے ادوار میں کتابوں کی تدوین ہوئی۔
- قرآن مجید کی کتابت اور قرأت کے عظیم الشان فن کا بھی اموی دور میں ارتقاء اور عروج ہوا۔ قرآن مجید کے ساتوں قاری جو عام طور سے قرائے سبعہ کہلاتے ہیں زیادہ تر اموی دور میں ہی مختلف علاقوں میں پروان چڑھے۔
- اموی دور تفسیر قرآن میں اس کے بڑے بڑے ائمہ پیدا ہوئے، جن کے ذریعے بڑا تفسیری ذخیرہ جمع ہو گیا۔ ایک فن کے طور پر تفسیر

قرآن کی بنیاد اسی زمانے میں پڑی۔

- تدوین حدیث کا عظیم الشان کام اموی خلیفہ حضرت عمر ابن عبدالعزیز کے دور میں پوری آب وتاب کے ساتھ شروع ہوا۔ یہ کارنامہ اموی حکومت کی پیشانی کا جھومر ہے۔ یہ ایک ایسا علمی کارنامہ ہے جس پر اموی تاریخ جتنا بھی فخر کرے کم ہے۔
- فقہ اسلامی کی بنیاد قرآن وحدیث پر ہے اور اس کا آغاز عہد نبوی اور خلافت راشدہ کے اولین دور سے ہو چکا تھا۔ لیکن ایک مکمل فن کی حیثیت سے فقہ کا بنیادی ارتقاء اموی خلافت میں ہوا۔ مدینہ منورہ کے فقہائے سبعہ اسی دور میں سامنے آئے۔
- اموی دور میں ہی علم تاریخ کا آغاز ہوا اور اس کی ابتدا مغازی اور سیرت سے ہوئی۔ ابن اسحاق جیسا بابائے سیرت بھی اسی دور سے وابستہ ہیں اور اموی دورِ خلافت میں عربی ادب کی دونوں شاخوں نثر اور نظم دونوں کا ارتقاء ہوا۔
- اموی دور میں علمی مراکز جیسے لائبریریوں اور تدریسی حلقوں کو بھی بڑے پیمانے پر ترقی ملی۔

14.7 نمونہ امتحانی سوالات

14.7.1 معروضی جوابات کے متقاضی سوالات

1. کس اموی خلیفہ نے تدوین حدیث کا کارنامہ انجام دیا؟

(a). عبدالملک (b). عمر بن عبدالعزیز (c). عبدالعزیز (d). امیر معاویہؓ

2. ان میں سے کون سا عظیم عربی شاعر اموی دور حکومت میں موجود تھا؟

(a). شاہ ولی اللہ دہلوی (b). حسان بن ثابت (c). عمر ابن ربیعہ (d). امرؤالقیس

3. کس حکمراں نے عربی کو سرکاری زبان قرار دیا؟

(a). امیر معاویہؓ (b). ہارون رشید (c). ہشام (d). عبدالملک

4. علم سیرت ومغازی کا امام کون تھا، جس کا تعلق بنوامیہ کے دور سے رہا؟

(a). ابن اسحاق (b). ابن شہاب (c). قاضی عیاض (d). واقدی

5. ان میں سے کون سا فاتح ہے جس نے ایک بڑے علاقے کو فتح کرتے وقت یادگار خطبہ دیا؟

(a). محمد بن قاسم (b). طارق بن زیاد (c). ہشام بن عبدالملک (d). یزید ثانی

14.7.2 مختصر جوابات کے متقاضی سوالات

1. علوم کے ارتقاء میں اموی حکومت نے بنیادی طور پر کیا کارنامہ انجام دیا؟
2. علم خطابت کے فروغ میں اموی دور کی خدمات بیان کیجیے۔

3. قرائے سبعہ اور فقہائے سبعہ کے نام لکھیے۔
4. علم لغت میں اموی حکومت کا کردار واضح کیجیے۔
5. علم نحو وصرف اور علم انساب کے فروغ میں اموی خلافت کے کردار پر پانچ پانچ سطریں لکھیے۔

14.7.3 طویل جوابات کے متقاضی سوالات

1. تدوین حدیث کی تاریخ پر جامع نوٹ قلمبند کیجیے۔
2. شاعری کے فروغ میں اموی حکومت کا کیا کردار ہے؟ تفصیل سے لکھیے۔
3. اموی عہد میں علمی مراکز کی صورت حال بیان کیجیے۔

14.8 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1. تاریخ افکار وعلوم اسلامی : راغب الطباخ
2. تاریخ دعوت وعزیمت (اوّل) : مولانا سید ابوالحسن علی ندوی
3. تاریخ تہذیب اسلامی (دوم) : پروفیسر محمد یاسین مظہر صدیقی ندوی
4. تاریخ عرب : فلپ کے ہٹی
5. تاریخ فکر اسلامی : پروفیسر سید محمد اجتباء ندوی
6. مختصر تاریخ ثقافت اسلامی : مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی
7. تاریخ اسلام (دوم) : شاہ معین الدین ندوی

معروضی سوالات کے جوابات

1. C	2. C	3. D	4. A	5. B

اکائی 15: علوم کا ارتقا عقلی علوم

اکائی کے اجزا:

15.0 تمہید

15.1 مقاصد

15.2 سماجی علوم کا ارتقاء

15.3 سائنسی علوم کا ارتقاء

15.3.1 اموی دور میں علم طب

15.3.2 اموی دور کے اطباء

15.3.3 خالد بن یزید اور علم کیمیا

15.3.4 اموی دور میں علم فلکیات

15.3.5 اموی دور میں جہاز سازی اور جہاز رانی

15.3.6 اموی دور میں جہاز سازی کی صنعت

15.3.7 عمر بن عبدالعزیز کی عقلی علوم کی طرف توجہ

15.3.8 اموی دور میں عقلی علوم کے مراکز

15.4 فرہنگ

15.5 اکتسابی نتائج

15.6 نمونہ امتحانی سوالات

15.6.1 معروضی جوابات کے متقاضی سوالات

15.6.2 مختصر جوابات کے متقاضی سوالات

15.6.3 طویل جوابات کے متقاضی سوالات

15.7 تجویز کردہ اکتسابی مواد

15.0 تمہید

مؤرخین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مسلمانوں کی اصلی علمی تاریخ عباسی عہد سے شروع ہوتی ہے۔ اسی زمانہ میں علوم کی کتابی تدوین ہوئی اور مسلمانوں نے دوسری قوموں کے علوم کی جانب توجہ کی، لیکن اس کا مطلب ہر گز یہ نہیں ہے کہ اموی عہد علم و فن سے دور تھا۔ سچ تو یہ ہے کہ دینی علوم کی بنیاد اس سے بھی پہلے عہد رسالت ہی میں پڑ گئی تھی اور اس کے بعد خلافت راشدہ میں بھی جاری رہی۔ پھر اموی دور میں علم و فن کی یہ امانت تابعین اور تبع تابعین میں منتقل ہوئی، جنہوں نے اس کو ساری دنیا میں پھیلا دیا۔ اس بات کو اچھی طرح سمجھنے کے لیے ہمیں زمانۂ جاہلیت سے لے کر خلفائے راشدین کے زمانے تک کی علمی حالت کا بغور مطالعہ کرنا چاہیے، تاکہ اموی دور کی علمی ترقی کا صحیح جائزہ لیا جا سکے۔

اسلامی تاریخ کا ابتدائی دور یعنی خلافتِ راشدہ اور خلافتِ اُمویہ کا زمانہ علمی ترقی کی بنیادوں کا زمانہ تھا۔ اگرچہ بنی اُمیہ کو عموماً سیاسی حکمرانی کے حوالے سے یاد کیا جاتا ہے، لیکن ان کے دور میں علومِ عقلیہ (Philosophical & Rational Sciences) کی نشو و نما کے ابتدائی نقوش بھی ملتے ہیں۔ یہ دور فکری، سیاسی اور دینی لحاظ سے اہم تبدیلیوں کا حامل تھا، جس نے آنے والے عباسی عہد میں علمی انقلاب کی بنیاد رکھی۔

اموی دور کی فتوحات کی کثرت کی وجہ سے کئی قومیں اسلامی نظام کی ماتحتی میں داخل ہوئیں، ان قوموں کے افراد نے بڑی تعداد میں اسلام قبول کیا۔ مختلف تہذیبوں کے ساتھ مسلمانوں کا میل ملاپ ہوا، جن میں ایرانی، رومی، سریانی، قبطی، نبطی اور ہندی تہذیبیں شامل ہیں۔ جس کے نتیجہ میں نئے نئے علوم اور افکار سے واسطہ پیش آیا۔ اس میل ملاپ کے نتیجہ میں غیر مذہبی علوم کو بھی فروغ حاصل ہوا۔ یہ دور خلافت راشدہ کے فوراً بعد شروع ہوا تھا۔ اس دور میں متعدد صحابہ اور بڑی تعداد میں تابعین موجود تھے۔ جو مذہب اسلام کے اصول و آداب سے بخوبی واقف تھے، اور ان کی رائے کو فقہی اعتبار سے اہمیت حاصل تھی۔ اس لئے اس دور میں ہونے والے علمی ارتقاء کا جائزہ لینا اسلامی تاریخی مطالعات کا ایک اہم حصہ ہے۔

عقلی علوم سے دو طرح کے علوم مراد ہیں، سماجی علوم، اور سائنسی علوم۔ سماجی علوم کے حوالہ سے ہم مختصراً فن تاریخ کے ارتقاء پر گفتگو کریں گے کیوں کہ اس دور میں علم تاریخ کی طرف توجہ دی گئی۔ اس موضوع پر کتابیں تیار کرائی گئیں۔ سائنسی علوم کے حوالہ سے بھی اموی دور میں جو کام ہوا ہے خاص طور پر علم طب کو اس دور میں فروغ حاصل ہوا۔ متعدد ماہر اطباء کے نام ملتے ہیں، جنہوں نے علاج معالجہ کی خدمات انجام دیں اور باقاعدہ بیمارستان کے شواہد بھی نظر آتے ہیں۔ اس اکائی میں ہم ان اطباء کے بارے میں معلومات حاصل کریں گے، ہم یہ بھی دیکھیں گے کہ طب کے علاوہ کیمیا اور فلکیات میں کیا کام ہوا ہے۔ اس دور کی سیاسی مطالعہ سے اس بات کا بھی ثبوت ملتا ہے کہ مسلم مملکت میں جہاز سازی اور جہاز رانی کے فن نے بھی خاطر خواہ ترقی کی، یہاں ہم اس کو بھی شامل گفتگو کریں گے۔

اس اکائی میں ہم اموی دور میں عقلی علوم کے مراکز کا بھی جائزہ لیں گے، اور دیکھیں گے کہ عقلی علوم کی ترقی کے لئے سازگار فضا مہیا

ہونے کے کیااسباب تھے۔ ہم اس بات کا بھی مطالعہ کریں گے کہ اموی خلفاء نے سائنسی علوم کی ترقی میں کیا حصہ داری نبھائی تھی۔

15.1 مقاصد

اس اکائی کا مقصد ہے کہ آپ:

- اموی دور میں علوم کے ارتقاء اور اس کے پس منظر کا جائزہ لے سکیں۔
- اموی دور میں عقلی علوم کی بناء میں سرکردہ شخصیات کا تعارف حاصل کر سکیں۔
- یہ رائے قائم کر سکیں کہ آیا اموی دور عقلی علوم کے لیے تمہیدی مرحلہ تھا یا باقاعدہ ترقی کا دور تھا۔
- اموی دور کے عقلی علوم کے مراکز اور ان کی سرگرمیوں اور مسلمانوں سے ان کے اشتراک اور اس کے اثرات پر گفتگو کر سکیں۔
- عقلی علوم کی ارتقائی ترتیب پر ٹائم لائن بنا سکیں۔

15.2 سماجی علوم کا ارتقاء

حضرت امیر معاویہؓ (دور خلافت: 661ء-680ء) پہلے اموی خلیفہ تھے۔ جنہوں نے سماجی علوم کی طرف توجہ کی۔ ان کو علم تاریخ اور علم سیاسیات میں دلچسپی تھی۔ انہوں اپنے محل میں ایک کتب خانہ قائم کیا تھا، جس میں بادشاہوں کے حالات پر بھی کتابیں جمع کی تھیں، اور جنگوں اور سیاسی تدبیروں پر بھی کتابیں فراہم کی تھیں۔ ان کتابوں کی دیکھ ریکھ کے لئے مستقل ملازمین رکھے ہوئے تھے۔ ایک وقت مقرر تھا، جس میں کتابیں لائی جاتیں، اور انہیں پڑھ کر سنایا جاتا۔ انہوں نے علماء کی سرپرستی کی، اور سیرت و مغازی کے موضوع سے ہٹ کر عمومی تاریخ پر کتابیں بھی تصنیف کرائی تھیں۔

15.2.1 علم تاریخ

عبید بن شریہ نامی ایک مؤرخ تھے، جن کا تعلق یمن سے تھا۔ امیر معاویہ نے ان سے خواہش کر کے علم تاریخ پر ایک کتاب تصنیف کرائی۔ عبید بن شریہ کی درج ذیل دو کتابوں کا تذکرہ ملتا ہے:

1. 'کتاب الامثال' 2. 'کتاب الملوک'

ولید بن عبد الملک (دور خلافت: 705ء تا 715ء) اور ہشام بن عبد الملک (دور خلافت: 724 تا 743ء) کو بھی سماجی علوم میں دلچسپی تھی۔ ہشام کے دور میں ایران کی تاریخ پر ایک کتاب کا فارسی سے عربی میں ترجمہ کیا گیا تھا۔ اس کتاب میں تصویریں بھی شامل تھیں، اس میں فارسی علوم و فنون اور ایرانی بادشاہوں کی سیاسی اور سماجی تاریخ درج تھی۔

15.3 سائنسی علوم کا ارتقاء

عہدِ اموی میں سائنس اور ٹیکنالوجی کے ابتدائی آثار اور بنیادیں دکھائی دیتی ہیں۔ حضرت معاویہؓ کے زمانے میں جہاز سازی کا آغاز ہوا اور خلافتِ راشدہ کے دور میں جو بحری فوج قائم کی گئی تھی، اسے حضرت معاویہؓ نے مزید مضبوط کیا۔ اسی دور میں پانی کی ترسیل (آب رسانی) کا باقاعدہ نظام بھی قائم کیا گیا۔ علمِ ریاضی کو بھی اس دور میں فروغ ملا، خاص طور پر علمِ فرائض (وراثت کے حساب) کی وجہ سے ریاضی کی اہمیت میں اضافہ ہوا، اور حساب کے موضوع پر کتابیں لکھی گئیں، اگرچہ آج وہ کتابیں دستیاب نہیں ہیں۔

حضرت معاویہؓ کے پوتے خالد بن یزید علم و حکمت کے بہت شوقین تھے، خصوصاً کیمیا (کیمسٹری) کے علم میں گہری دلچسپی رکھتے تھے۔ اس علم کو حاصل کرنے کے لیے انہوں نے اسکندریہ (Alexandria) سے ماہرین کو بلایا اور ان سے خود تعلیم حاصل کی۔ ان کی دلچسپی صرف کیمیا تک محدود نہ تھی، بلکہ فلسفہ، ریاضی (ہندسہ) اور فلکیات جیسے علوم میں بھی وہ دلچسپی رکھتے تھے۔

پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقیؒ کے مطابق، خالد بن یزید نے ان موضوعات پر کتابیں بھی تصنیف کی تھیں جن کا ذکر مشہور اسلامی مؤرخ ابنِ ندیم نے اپنی کتاب "الفہرست" میں کیا ہے۔

اموی دور میں سائنس کے دیگر شعبوں کے مقابلہ علم طب کو سب سے زیادہ فروغ حاصل ہوا۔ علم کیمیا کی طرف بھی توجہ ہوئی، طب اور کیمیا دونوں علوم میں کتابوں کے ترجمے کئے گئے اور نئی کتابیں تصنیف کی گئیں۔ علم فلکیات میں بھی ایک کتاب کے ترجمہ کا ذکر ملتا ہے۔ فلسفہ کی تدریس ہوتی تھی، اور فلسفہ کو جاننے والے علماء موجود تھے، جو عموماً غیر مسلم تھے۔ لیکن عربی زبان میں فلسفہ کی کسی ترجمہ یا تصنیف کا ذکر نہیں ملتا ہے۔

15.3.1 اموی دور میں علم طب

اموی دور کے آغاز میں ملک شام کے علاقہ میں سریانی قوم بستی تھی، جو عموماً مسیحی مذہب کو ماننے والی تھی۔ ان کے علماء کے درمیان یونانی علوم پائے جاتے تھے۔ جن میں علم طب بھی شامل تھا۔ ہمیں تاریخی مآخذ میں دو نام ملتے ہیں، جو اموی دور کے تھے، اور انہوں نے طبّی علوم کی خدمت کی۔ ان میں ایک نام اہران بن اعین کا ہے۔ یہ ایک سریانی طبیب تھے، مذہباً مسیحی تھے۔ انہوں نے ایک کتاب تصنیف کی تھی، جو دراصل ان کی طبّی بیاض تھی۔ اس میں تیس مقالات تھے۔ یہ کتاب سریانی زبان میں تھی۔ اموی دور میں ایک اور مشہور طبیب تھے، جن کا نام ماسرجویہ تھا۔ مذہباً یہودی تھے۔ بصرہ میں بود و باش تھی۔ انہوں نے دو اہم کام کئے۔ ایک یہ کہ اہران نامی عیسائی پادری کی کتاب کا سریانی سے عربی میں ترجمہ کیا۔ اور اس ترجمہ میں دو مقالات کا اضافہ کیا۔ دوسرے یہ کہ علم طب میں دو کتابیں تصنیف کیں، ایک کتاب کا نام "کتاب قوی الاطعمة ومنافعها ومضارها" اور دوسری کتاب کا نام "کتاب قوی العقاقیر ومنافعها و مضارها" ہے۔

15.3.2 اموی دور کے اطباء

اموی دور میں درج ذیل اطباء کا تذکرہ ملتا ہے۔

1. یحیی نحوی 2.ابن اثال 3.ابن ابجر 4. ابوالحکم دمشقی
5. ان کے فرزند حکم دمشقی 6. عیسی بن حکم دمشقی 7. تیاذوق

یحیی نحوی: پہلی صدی ہجری میں ایک فلسفی اور طبیب کی حیثیت سے یحیی نحوی کا نام امتیاز کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے۔ یہ فارس میں رہتے تھے، خلافت راشدہ کا زمانہ پایا تھا۔ انہوں نے حضرت علی بن ابی طالب سے شکایت کی تھی کہ ان کے مقرر کردہ عامل ان کا گرجا منہدم کرنا چاہتے ہیں۔ حضرت علیؓ نے فریاد رسی کرتے ہوئے ایک امان نامہ لکھوایا، جو آپ کے فرزند محمد بن الحنفیہ نے لکھ کر دیا۔ یحیی نحوی نے اموی خلافت کا زمانہ پایا تھا۔ وہ یونانی زبان جانتے تھے، آرامی مادری زبان تھی۔ عربی ماحول میں رہتے تھے، اور عربی میں ان علوم کو سکھانے پر قدرت رکھتے تھے۔ مسلمان علماء سے ان کے مباحثہ ہوتے تھے۔ خالد بن یزید بن معاویہ نے ان سے علم طب حاصل کیا تھا۔

ابن اثال: ایک عیسائی طبیب تھے، دمشق میں رہتے تھے۔ شہر کے ممتاز اطباء میں شمار تھا۔ پہلے اموی خلیفہ حضرت امیر معاویہ کے طبیب خاص تھے۔ وہ امیر معاویہ کے ساتھ کافی وقت گذارتے اور علمی مذاکرے کرتے تھے۔ ابن اثال کو مفرد اور مرکب دواؤں اور ان کے خواص کی وسیع واقفیت تھی۔

ابن ابجر: پورا نام عبدالملک بن ابجر الکنانی تھا۔ یہ عمر بن عبدالعزیز کے دوست تھے، اور آپ کے طبیب خاص تھے۔ عمر بن عبدالعزیز ان پر پورا اعتماد کرتے تھے۔ پہلے نصرانی تھے، پھر عمر بن عبدالعزیز کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا تھا۔

ابوالحکم دمشقی: نصرانی طبیب تھے، علاج معالجہ کے مختلف طریقوں سے واقف تھے، اور دواؤں کا بھی علم رکھتے تھے۔ حضرت امیر معاویہ ان سے بھی علاج کرواتے تھے۔

حکم دمشقی: ابوالحکم کے فرزند حکم دمشقی بھی طبیب تھے۔ لمبی عمر پائی تھی۔ علاج معالجہ بھی کرتے تھے۔

عیسی بن حکم: حکم بن ابی الحکم کے فرزند تھے۔ انہوں نے ایک طبّی بیاض لکھی تھی، جو کافی مفصل تھی۔ ان کی ایک اور کتاب کا تذکرہ ملتا ہے، جس کا نام ''کتاب منافع الحیوان'' تھا۔

تیاذوق: عراق میں مشہور اموی گورنر حجاج بن یوسف کے دربار سے ایک طبیب وابستہ تھے ان کا نام۔ 'تیاذوق' تھا۔ انہوں نے علم طب پر ایک اہم کتاب تصنیف کی تھی، جس کا نام 'کتاب ابدال الادویۃ' تھا۔ تیاذوق نے حجاج کو نصیحت کی تھی کہ: جب تک بھوک نہ لگے تب تک کھانا نہ کھاؤ، اور پیشاب روک کر مت رکھو۔ اور پیٹ بھرا ہونے کی حالت میں غسل مت کرو۔ بیماری نہ ہو تو دوا استعمال مت کرو۔ اور غذا اچھی طرح چباؤ، اور رات میں کھانا کھاؤ تو چہل قدمی کئے بغیر بستر پر نہ جاؤ۔ تیاذوق کے شاگردوں میں فرات بن شحنا تا کا نام آتا ہے، جو عباسی دور تک زندہ رہے، اور عباسی خلفاء کی خدمت کی۔

اسلامی ہسپتالوں کی تاریخ میں سب سے پہلا باقاعدہ اسپتال ولید بن عبدالملک نے نے دمشق میں 706 میں قائم کیا تھا۔ اس میں عام بیماروں کے علاج کے ساتھ دائمی امراض میں مبتلا لوگوں کے لیے بھی رہنے کا انتظام ہوتا تھا۔ خاص طور پر جذام کے مریضوں کے لئے علاحدہ عمارت تھی۔ جہاں ان کے دوا رہنے اور کھانے کا مفت انتظام ہوتا تھا۔ یہاں متعدد اطباء برسر کار تھے۔ یہ ہسپتال بعد میں اسلامی دنیا میں قائم

ہونے والے ہسپتالوں کیلئے نمونہ بنا۔

15.3.3 خالد بن یزید اور علم کیمیا

امیر خالد بن یزید بن معاویہ کو حکیم آل مروان کے لقب سے جانا جاتا ہے۔ یہ امیر معاویہ کے پوتے تھے۔ حالات نے خلافت کو ان کے خاندان سے نکال کر بنو امیہ کی ایک دوسری شاخ بنو مروان میں پہنچا دیا تھا۔ جس کی وجہ سے خلیفہ تو نہ بن سکے۔ لیکن سائنسی علوم کی سرپرستی کر کے اپنا نام تاریخ میں درج کرایا۔

خالد بن یزید دو حیثیتوں سے مشہور ہوئے ہیں۔ اول یہ کہ عقلی علوم کی سرپرستی اور دوسرے سائنسی علوم میں تصنیف۔

مسلمان مؤرخین ان کے بارے میں لکھتے ہیں کہ وہ عقلی علوم کو دوسری زبانوں سے عربی منتقل کروانے والے پہلے شخص ہیں۔ اس ترجمہ کا سبب یہ لکھا ہے کہ وہ کیمیا گری سیکھنا چاہتے تھے، جس میں کم قیمت دھاتوں کو بیش قیمت دھاتوں میں تبدیل کیا جاتا ہے۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے مصر سے چند مترجمین کو دمشق طلب کیا تھا، ان میں سے ایک کا نام 'اصطفن' کا تھا، جن کو 'القدیم' یا 'اصطیفن اسکندرانی' کے لقب سے جانا جاتا تھا۔ ان مترجمین نے عربی سیکھی تھی، خالد نے ان کو یونانی اور قبطی زبان سے سائنسی کتابوں کے ترجمہ کا حکم دیا تھا۔

معلوم ہوتا ہے کہ کیمیا کے شغف نے خالد کو دوسرے سائنسی علوم کی طرف بھی متوجہ کیا تھا، کیوں کہ انہوں نے علم طب اور علم نجوم پر بھی کتابوں کا ترجمہ کروایا تھا۔ یہ بتانا مشکل ہے کہ ان موضوعات پر کن کتابوں کا ترجمہ کیا گیا۔ خالد خود بھی عالم فاضل شخص تھے۔ عقلی علوم کے شوق میں سفر بھی کئے۔ ان کے دو اساتذہ کا ذکر تاریخ میں ملتا ہے، ایک یحیی نحوی، جن کا تذکرہ پہلے گذر چکا ہے۔ اور دوسرے مریانس راہب۔ مریانس راہب سے ہی انہوں نے کیمیا سیکھی تھی۔ اور اس موضوع پر خود بھی کتابیں تصنیف کی تھیں۔ ان میں تین کتابوں کے نام ہیں: 1. کتاب الحرارات 2. کتاب الصحیفۃ الکبیر 3. کتاب الصحیفۃ الصغیر

خالد بن یزید شاعر بھی تھے۔ ان کا دیوان موجود ہے۔ اس حوالہ سے ایک اہم بات یہ بھی مذکور ہے کہ انہوں نے کیمیا اور طب کے موضوع پر اشعار بھی کہے تھے۔

علم کیمیا کے حوالہ سے خالد کی دلچسپی صرف ترجمہ اور تصنیف تک محدود نہیں تھی، بلکہ وہ اس کا عملی تجربہ بھی کرتے تھے، اور چاہتے تھے کہ کیمیا کے ذریعہ کم قیمت دھاتوں کو قیمتی دھاتوں میں تبدیل کر سکیں۔ مصادر یہ نہیں بتاتے کہ وہ اس عمل میں کس قدر کامیاب ہوئے۔ البتہ اتنا ضرور ہے کہ انھوں نے کیمیا گری کی عملی مشق کی تھی۔ خالد بن یزید کو کتابیں جمع کرنے کا شوق تھا۔ ان کے پاس ایک کتب خانہ بھی تھا۔ جس میں وہ کتابیں جمع کرتے تھے، اس میں وہ کتابیں بھی موجود تھیں، جو اس کے آباء واجداد سے اسے ورثہ میں ملی تھیں۔ خالد بن یزید بن معاویہ کا سنہ 90ھ مطابق 708ء میں دمشق میں انتقال ہوا۔

15.3.4 اموی دور میں علم فلکیات

زمانہ جاہلیت میں عربوں کی انواء یعنی نچھتروں (Constellations) کی طرف توجہ رہا کرتی تھی، اور بادیہ نشین اور خانہ بدوش

عرب ان سے بارش کے سلسلہ میں معلومات حاصل کیا کرتے تھے۔ قرآن مجید میں خدا تعالی کی نشانیوں کے طور پر اجرام سماوی کا ذکر ہے، چاند، سورج، ستاروں کو مسخر کرنے اور ان سے استفادہ کرنے کی تعلیم دی گئی ہے۔ صحابہ اور تابعین سے ان کی تفسیر میں مختلف اقوال نقل کئے گئے ہیں۔ اموی دور میں فلکیات کا استعمال مذہبی ضروریات کے لیے کیا گیا جیسے کہ نماز کے اوقات، اسلامی مہینوں کی تعین، اور قبلہ کی سمت کا تعین وغیرہ۔ ان کی بنیاد پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ علم فلکیات کے ارتقاء کا پہلا مرحلہ تھا۔

اوپر گذر چکا ہے کہ خالد بن یزید نے جن علوم کا ترجمہ کرایا، ان میں علم نجوم بھی شامل تھا۔ لیکن اس موضوع پر ترجمہ کی گئی یا لکھی گئی کسی کتاب کا تذکرہ نہیں ملتا۔ نہ ہی اموی دور میں کسی ایسے شخص کا ذکر ملتا ہے، جو ماہر فلکیات رہا ہو۔ اس بات کا احتمال موجود ہے کہ خالد کی ترجمہ کی ہوئی کتاب کا موضوع علم احکام النجوم یعنی جوتش رہا ہو۔ بہر حال اموی دور میں فلکیات کی کم از کم ایک کتاب کا پتہ چلا ہے، جس کا یونانی سے عربی میں ترجمہ کیا گیا، اس کتاب کا نام 'عرض مفتاح النجوم' ہے۔ اس کے مصنف کا نام ہرمس الحکیم بتایا جاتا ہے۔ اس کتاب کا مخطوطہ اٹلی کے ایک کتب خانہ میں موجود ہے۔

15.3.5 اموی دور میں جہاز سازی اور جہاز رانی

عربوں میں سمندری اسفار اور سمندری تجارت کا رواج اسلام سے پہلے سے تھا۔ عہد اسلامی میں اس میں مزید اضافہ ہوا۔ اموی دور میں مختلف وجوہات کی بنیاد پر سمندری جنگیں ہونے لگیں، بحر متوسط میں رومی بحری بیڑوں نے شام کے ساحل پر حملے شروع کئے، جس کا جواب دینے کے لئے مسلمانوں نے بحری بیڑے کو ترقی دی، اور جہاز سازی کی صنعت کو فروغ دیا۔ بحری بیڑے کو ترقی دیکر حضرت معاویہ کے دور میں بحر متوسط کے متعدد جزیروں پر قبضہ کیا گیا۔ اموی دور میں سمندری تجارت کو فروغ دینے کے لئے شہروں میں مصنوعی نہریں بنائی گئی تھیں، اور اس سلسلہ میں عراق کے شہر بصرہ کو خاص مقام حاصل تھا، یہاں دریائے دجلہ سے نکال کر بے شمار نہریں شہر کے اندر تک پہونچائی گئی تھیں۔ بڑے جہاز دجلہ میں آتے تھے، اور وہاں سے چھوٹی کشتیوں سے سامان شہر کے اندر پہونچایا جاتا تھا۔

جہاز رانی کے لئے درج ذیل علوم میں مہارت ضروری تھی:

1. خشکی کا جغرافیہ، مختلف ملکوں اور ان کے ساحلوں کی جانکاری۔
2. سمندروں کا جغرافیہ، سمندر میں موجود پہاڑوں، تنگ راستوں اور خطرناک مقامات کا علم۔
3. فلکیاتی آلات مثلاً اسطرلاب اور قطب نما کا استعمال۔
4. غیر ملکی زبانوں کی جانکاری۔
5. موسم کی جانکاری، منزل تک پہونچنے والے راستوں کی آب وہوا سے واقفیت۔
6. ہواؤں کے رخ کی جانکاری۔
7. علم الہیئۃ اور اور علم النجوم سے واقفیت۔

ان علوم میں مہارت کے بغیر سمندروں کو جولان گاہ بنانا اپنی جان جوکھم میں ڈالنا تھا۔ اور تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ عربوں نے اموی دور میں تجارتی اور جنگی مہمیں کامیابی سے سر کیں۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ ان علوم میں یا ان میں سے اکثر میں مہارت رکھتے تھے۔

15.3.6 اموی دور میں جہاز سازی کی صنعت

حضرت امیر معاویہ کے دور میں جہاز سازی کی صنعت کو فروغ ہوا، جہاز سازی کے کارخانے پہلے مصر میں تھے۔ حضرت امیر معاویہ نے اس صنعت کو دار الخلافہ کے قریب ملک شام کے ساحلوں پر منتقل کیا۔ یہاں اردن کے ساحلی شہر 'عکا' میں جہاز آکر رکتے تھے۔ یہیں پر کاریگروں اور بڑھئیوں (Carpenters) کو مقرر کیا گیا، اور کارخانہ لگایا گیا۔

خلیفہ عبد الملک بن مروان کے دور میں اس صنعت کو مزید فروغ ملا، خلیفہ کی جانب سے حسان بن نعمان افریقہ، مغرب اور اندلس کے گورنر تھے، عبد الملک نے ان کو حکم دیا کہ شمالی افریقہ کے مرکزی شہر تونس میں ایک کارخانہ بنائیں، جس میں سمندری جہازوں کے آلات تیار کئے جائیں، چنانچہ انہوں نے ان کے احکام کی پیروی کی۔ ہشام بن عبد الملک کے دور میں جہاز سازی کے کارخانے بلاد شام کے ایک اور ساحلی شہر صور میں منتقل کئے گئے۔

حجاج بن یوسف اموی خلفاء کی جانب سے ممالک عراق کا گورنر تھے، اس نے اپنے تخلیقی ذہن کو استعمال کرتے ہوئے جہازوں کی بناوٹ میں تبدیلیاں کیں، اس وقت تک دو قسم کے جہاز مسلمانوں کے زیر استعمال تھے، جو جہاز بحر ہند اور خلیج فارس میں چلتے تھے، اس کے تختوں کو ڈوریوں سے سلائی کر کے جوڑا جاتا تھا، جب کہ بحر متوسط کے جہاز کو بنانے کے لئے تختوں میں لوہے کی کیلیں استعمال کی جاتی تھیں، حجاج بن یوسف نے ڈوری سے سلائی کے بجائے کیلیں استعمال کرنے کے طریقہ کو ترجیح دی، اور اس کے حکم سے بحر ہند کے جہاز کے تختوں کو کیلوں سے جوڑ کر کے بھی بنایا جانے لگا۔ حجاج نے ایک اور کام یہ کیا کہ جہاز میں پانی کے نفوذ کو روکنے کے لئے تارکول کا استعمال شروع کیا، جب کہ اس سے پہلے تختوں پر روغن ملا جاتا تھا۔ نیز اس نے نوک والی کشتیوں کی جگہ مسطح کشتیوں کو فروغ دیا۔

15.3.7 عمر بن عبد العزیز کی عقلی علوم کی طرف توجہ

عمر بن عبد العزیز (دور خلافت: 717ء تا 720ء) کے دور میں دو اہم کام ہوئے، پہلا کام یہ ہوا کہ انہوں نے مصر کے شہر اسکندریہ سے سائنسی علوم کی تدریس کو انطاکیہ کے علاقہ میں منتقل کیا۔ اسلام سے پہلے مصر طبّی اور فلسفیانہ علوم کا اہم مرکز رہ چکا تھا۔ وہاں ان علوم کی تدریس کے مدارس قائم تھے۔ عمر بن عبد العزیز ایک عرصہ تک مصر میں رہ چکے تھے۔ وہاں کے مسیحی اطباء سے ان کے عمدہ تعلقات تھے۔ ابن ابجر ایک مسیحی طبیب تھے، جنہوں نے عمر بن عبد العزیز کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا تھا۔ یہ ان کی سائنسی بصیرت تھی کہ انہوں نے ختم ہوتے ہوئے سائنسی علوم کے مراکز کو اموی دار الخلافہ دمشق کے قریب کے علاقہ میں منتقل کر کے ان کو ایک نئی حیات بخش دی۔ اور آگے چل کر یہ علوم اسلامی شہروں میں پھیل گئے۔

عمر بن عبد العزیز کا ایک اور اہم کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے طبّی علوم کو عوام الناس میں عام کیا۔ آپ پڑھ چکے ہیں کہ مروان بن عبد

الملک کے دور میں ماسرجویہ نے طبّی مقالات کا عربی میں ترجمہ کیا تھا۔ان کو یہ مقالات قصر خلافت کے کتب خانہ میں ملے تھے۔انہوں نے ان کی اشاعت کے لئے استخارہ کیا،اور مذہبی نقطہ نظر سے مفید جان کر ان کی اشاعت کی۔

15.3.8 اموی دور میں عقلی علوم کے مراکز

عہد نبویؐ اور خلافت راشدہ میں دار الخلافہ مدینہ منورہ تھا، خلافت راشدہ میں عراق میں دو نئے شہر آباد ہوئے، بصرہ اور کوفہ۔ حضرت علی کے دور میں خلافت کا مرکز مدینہ سے کوفہ منتقل ہو گیا تھا۔اگرچہ یہ دونوں شہر مسلم فوجوں کے قیام اور مسلمانوں کی نوآبادی کے لئے قائم کئے گئے تھے۔لیکن جلد ہی یہ علم و ثقافت کا گہوارہ بن گئے، خصوصاً زبان وادب کے معاملہ میں ان کو مرکزیت حاصل ہو گئی۔یہاں علمی ماحول پروان چڑھتا گیا۔ساتویں صدی عیسوی میں عالم اسلام کا کوئی شہر ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔یہیں پر عقیدہ اور فقہ کا ارتقاء ہوا۔کوفہ اور بصرہ نحو اور لغت کے دو اہم مکتب فکر قرار پائے، جن میں آپس میں علمی نوک جھوک ہوتی رہتی تھی۔

یہ دونوں شہر مختلف ثقافتوں اور قوموں کی آماجگاہ بن گئے تھے۔یہاں عربی، ایرانی، نصرانی، مسلمان، یہودی اور مجوسی ثقافتوں کا ملاپ ہوا۔ان شہروں میں تجارت اور صنعت کو بھی ترقی ہوئی۔ان وجوہات کی بنا پر یہاں کی ثقافتی زندگی صرف عربی ادب تک محدود نہیں رہی، بلکہ اس نے قریبی مراکز علم سے استفادہ کرتے ہوئے فلسفہ اور عقلیت کی طرف بھی توجہ کی۔شہر بصرہ میں سریانی تہذیب کے واضح اثرات پڑنے شروع ہوئے۔بصرہ اور کوفہ میں مرتب ہونے والے یونانی اور سریانی ثقافتی اثرات کا ایک منبع حیرہ کا شہر تھا۔یہاں سے قریب عراق کا ایک قدیمی شہر جندی شاپور بھی تھا۔جہاں ایرانی نژاد سریانی قوم کا ایک قدیم مدرسہ قائم تھا، جہاں طب اور فلسفہ کی تعلیم دی جاتی تھی،اور ایک عظیم بیمارستان یعنی اسپتال بھی قائم تھا۔جہاں طب کی عملی تربیت دی جاتی تھی۔

بصرہ شہر نے اموی دور میں عقلی علوم میں کئی شخصیات کو جنم دیا۔ماسرجویہ، جن کا تذکرہ پہلے گذر چکا ہے،اسی شہر کے رہنے والے تھے۔ایک اور اہم شخصیت عبداللہ بن المقفع کی ہے۔انہوں نے دمشق منتقل ہونے کے بجائے بصرہ میں ہی رہنے کو ترجیح دی،اور عہد عباسی میں دربار خلافت عباسیہ سے وابستہ ہوئے۔ابن المقفع کی پرورش تو اموی دور کی ہے، لیکن ان کے علمی کام عہد عباسی کے حساب میں شمار ہوتے ہیں۔حالاں کہ انہوں نے عہد عباسی میں اپنی عمر کے صرف دس سال گذارے۔عباسی دور کا آغاز 750ء میں ہوا تھا،اور ابن المقفع کی وفات 759ء میں ہوئی تھی۔اور ان دس سالوں میں انہوں نے وزارت اور کتابت جیسے اہم اور مصروف ترین عہدوں پر کام کیا تھا۔اس لئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ ابن المقفع اموی دور کی پیداوار تھے، جن کے جوہر عباسی دور میں کھلے۔عبداللہ بن المقفع کے درج ذیل علمی کارنامے ہیں:

1. کلیلہ ودمنہ پہلوی سے عربی میں حکیمانہ قصے واقوال کا ترجمہ۔
2. آئین نامہ، یہ قانون کی کتاب تھی، جیسا کہ نام سے ظاہر ہے۔
3. کتاب التاج فی سیرۃ نوشیروان: اس میں نوشیروان عادل کے حالات زندگی تھی۔

ان کے علاوہ انہوں نے ارسطو کی تین کتابوں کا فارسی سے عربی میں ترجمہ کیا تھا،ان کے کتابوں کے نام تھے: قاطیغوریاس۔ باری

ارمینیاس اور انالوطیقا۔ انہوں نے بعد میں یہ کتابیں ابو جعفر منصور کو پیش کی تھیں۔

عہد اموی میں عقلی علوم کا مرکز دار الخلافہ دمشق بھی تھا، یہ شہر مسلمانوں کے ہاتھوں فتح ہونے سے قبل یونانی اور رومی ثقافتوں کا آئینہ دار تھا۔ عبد الملک بن مروان (دور خلافت: 685ء تا 705ء) سے پہلے مالیاتی اور انتظامی اداروں میں علاقائی زبان استعمال کی جاتی تھی، جس کو عبد الملک نے عربی میں منتقل کیا۔ عبد الملک پہلا خلیفہ تھا، جس نے ٹکسال قائم کی، اور اسلامی درہم و دینار ڈھلوائے۔

مصر بھی عقلی علوم کا ایک مرکز تھا، یہاں اسلام سے پہلے یونانی اور رومی تہذیب رائج تھی۔ فسطاط سے پہلے اسکندریہ مصر کی راجدھانی تھی، یہاں صدیوں سے کتب خانے اور مدارس قائم تھے۔ جن میں سے کچھ اسلام کی آمد تک باقی تھے۔

ان شہروں کے علاوہ ایران اور شام میں عقلی علوم کے چند مراکز پہلے سے قائم تھے، ان میں نصیبین، رُھا، مدائن اور جندی شاپور ایران میں تھے۔ اور انطاکیہ اور امیڈا شام میں تھے۔ ان شہروں کے مسیحی گرجوں کے ساتھ اسکول قائم تھے۔ جہاں اصلاً دینی علوم کی تعلیم دی جاتی تھی، لیکن ساتھ میں دنیاوی علوم بھی پڑھائے جاتے تھے، جن میں نحو، بلاغت، فلسفہ، طب، موسیقی، ریاضی اور فلکیات شامل تھے۔ ارسطو، بقراط اور جالینوس کی کتابیں درس میں داخل تھیں۔ تعلیم دینے والے عام طور سے مذہبی پیشوا ہوا کرتے تھے۔ اموی دور میں یہاں جو علماء ہوئے، ان میں یعقوب رُھاوی کی شخصیت ممتاز تھی۔ جن کا انتقال تقریباً 708ء میں ہوا۔ یہ یونانی زبان جانتے تھے، انہوں نے یونانی الٰہیات کی کتابوں کا سریانی زبان میں ترجمہ کیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ انہوں نے اپنے ہم مذہبوں کو یہ فتوی دیا تھا کہ وہ مسلمان بچوں کو اعلی تعلیم دے سکتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں نے عقلی علوم کی طرف توجہ دینی شروع کی تو مسیحیوں کو انہیں تعلیم دینے میں تامل تھا۔

عہد اموی کی ایک اہم خصوصیت یہ تھی کہ روم و ایران کے فتح ہونے کے باوجود مسلمان فاتحین نے یہاں کی علمی زندگی میں مداخلت نہیں کی۔ بلکہ سیریا اور فارس میں قائم قدیم مسیحی مدارس اور عقلی علوم کے مراکز اپنے انداز میں آگے بڑھتے رہے۔ آگے چل کر عباسی دور میں جب ترجمہ و تصنیف کی تحریک اپنے شباب کو پہونچی تو ان علاقوں سے عباسیوں کو افراد بھی مہیا ہوئے، اور کتابیں بھی فراہم ہوئیں۔

15.4 فرہنگ

انواء "نچھتروں" (جس کا واحد "نچھتر" ہے) کو انگریزی میں Lunar Mansions، Constellations، یا Stars کہا جاتا ہے۔ برصغیر میں علمِ نجوم میں چاند کے 27 یا 28 راستوں یا گھروں کو نچھتر کہا جاتا ہے۔

ارسطو: Aristotle بقراط: (Hippocrates) جالینوس: Galen

خانہ بدوش: Nomads ایک ایسا شخص یا قبیلہ جس کا کوئی مستقل گھر نہ ہو اور وہ چارے، خوراک یا روزگار کی تلاش میں ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتا رہے۔

بادیہ نشین: Bedouin، دیہاتی یا بدو زندگی گزارنے والا شخص، یہ خاص طور پر عرب کے صحرا نشینوں یا بدوؤں کے لیے استعمال ہوتا ہے جو صحرائی علاقوں میں رہتے ہیں۔

علم الہیئۃ:Cosmology　　علم فلکیات:Astronomy　　علم نجوم:Astrology

15.5 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے درج ذیل نکات سیکھے:

- اموی دور میں سماجی علوم کے حوالہ سے علم تاریخ کا ارتقاء ہوا تھا۔ امیر معاویہ کو تاریخ اور سیاسیات میں دلچسپی تھی۔ عبید بن شریہ اس دور کے ایک مؤرخ تھے، جنہوں نے علم تاریخ پر کتابیں تصنیف کی تھیں۔
- اموی دور کے آغاز ہی سے کتب خانے قائم کی کرنے کی طرف توجہ کی گئی۔ حضرت امیر معاویہ نے قصر خلافت میں ایک کتب خانہ قائم کیا تھا۔ جہاں عقلی علوم کی کتابیں تھیں۔
- اموی دور میں سائنسی علوم کی طرف بھی توجہ دی گئی۔ اور علم طب کا ارتقاء ہوا۔ اہرن بن اعین اور ماسرجویہ نے اموی دور کے آغاز میں طب کے موضوع پر ترجمہ اور تصنیف کا کام کیا۔ اس دور کے مشہور اطباء میں یحیی نحوی، ابن اثال، ابن ابجر، ابو الحکم دمشقی، ان کے فرزند حکم دمشقی، عیسی بن حکم دمشقی اور تیاذوق وغیرہ کا نام ملتا ہے۔ ان میں سے بعض دربار خلافت سے وابستہ تھے۔
- اس دور میں علم کیمیا کا بھی ارتقاء ہوا، اس علم کو ترقی دینے میں شہزادہ خالد بن یزید بن معاویہ کا اہم کردار رہا ہے۔ خالد بن یزید ایک عالم فاضل شخص تھے، اسلام میں سب سے پہلے ایک زبان سے دوسری زبان میں ترجمہ کرانے کا سہرا ان کے سر جاتا ہے۔ انہوں نے علم کیمیا، علم طب اور علم نجوم پر عربی میں کتابیں ترجمہ کروائیں۔ ان کے مترجمین میں اصطفن شامل تھے، جو مصر کے باشندہ تھے۔ اور خالد کے بلاوے پر دمشق آئے تھے۔
- خالد بن یزید خود بھی مصنف تھے، انہوں نے علم کیمیا پر چند رسائل تصنیف کئے تھے، جن میں کتاب الحرارات، کتاب الصحفیہ الکبیر اور کتاب الصحیفۃ الصغیر شامل ہیں۔
- اموی دور میں علم فلکیات پر زیادہ کام نہیں ہوا، صرف ایک کتاب کا پتہ چلتا ہے، جس کا عربی میں ترجمہ کیا گیا تھا، اس کتاب کا نام 'عرض مفتاح النجوم' تھا، جس کے مصنف ہرمس الحکیم تھے۔
- اموی دور کی سائنسی ترقی کے لئے حضرت عمر بن عبد العزیز نے بھی اہم اقدامات کئے تھے، انہوں نے طب میں ماسرجویہ کی ترجمہ کی گئی کتاب کو لوگوں میں اشاعت کی۔ نیز ایک اہم اقدام یہ کیا کہ اسکندریہ سے عقلی علوم کی تدریس کو انطاکیہ منتقل کیا۔ جس کی وجہ سے دار الخلافہ کے قریب کے اسلامی علاقوں میں سائنسی علوم کا چرچا ہوا۔
- اموی دور میں عقلی علوم کے متعدد مراکز تھے، بصرہ، کوفہ، دمشق اور اسکندریہ میں مختلف اسباب کی بناء پر عقلی علوم کے ارتقاء کے لئے ساز گار ماحول مہیا ہوا۔ فارس اور شام کے علاقوں مثلا رہا، نصیبین، جندی شاپور اور قنسیرن وغیرہ میں قائم مدارس اپنی تدریسی سر گرمیاں جاری رکھے ہوئے تھے، اموی خلفاء نے اس میں کسی قسم کی مداخلت سے گریز کیا، جس کے نتیجہ میں یہاں سے عہد عباسی

میں متعدد علماءاور مترجمین بغداد کو مہیا ہوئے۔

15.6 نمونہ امتحانی سوالات

15.6.1 معروضی جوابات کے متقاضی سوالات

1. عبید بن شریہ کون تھے؟

(a).مؤرخ (b).متکلم (c).صوفی (d).طبیب

2. کتاب الامثال کس کی تصنیف ہے؟

(a).امیر معاویہ (b).عمرو بن العاص (c).عبید بن شریہ (d).ابن فرناس

3. کتاب الحرارات کا موضوع کیا تھا؟

(a). فلکیات (b).کیمیا (c).طب (d).حدیث

4. عبداللہ بن مقفع کا تعلق کس شہر سے تھا؟

(a) .مکہ (b).مدینہ (c).بصرہ (d).کوفہ

5. عہد اموی میں کس قوم نے عقلی علوم کے میدان میں اہم خدمات انجام دیں؟

(a).بربری (b).زطی (c).سریانی (d).ہندی

6. یعقوب رھاوی نے کس زبان کی کتابوں کا ترجمہ کیا تھا؟

(a) .سنسکرت (b)فارسی (c).قبطی (d).یونانی

7. فلکیات کی کس کتاب کا عہد اموی میں ترجمہ کیا گیا؟

(a).عرض مفتاح النجوم (b)کتاب الصحیفۃ الصغیر (c).آئین نامہ (d).علم النجوم

8. عمر بن عبدالعزیز کے طبیب کا کیا نام تھا؟

(a).ابن اثال (b)تیاذوق (c).ابن ابجر کنانی (d).فرات بن شحنا تا

9. کس اموی خلیفہ کے دور میں تاریخ ایران پر باتصویر کتاب کا ترجمہ کیا گیا؟

(a) یزید بن معاویہ (b)مروان الحمار (c)معاویہ ثانی (d)ہشام بن عبدالملک

10. 'کتاب قوی الاطعمة ومنافعها ومضارها' اموی دور کے کس طبیب کی تصنیف ہے؟

(a) اہرن بن اعین (b)ماسرجویہ (c)یعقوب رھاوی (d)ابوالحکم دمشقی

15.6.2 مختصر جوابات کے متقاضی سوالات

1. اموی دور میں علم تاریخ کے ارتقاء پر ایک نوٹ لکھیے۔
2. سائنسی علوم کی ترقی کے لئے عمر بن عبدالعزیز نے کیا اقدامات کئے؟ بیان کیجیے۔
3. عہد بنوامیہ کی فلکیاتی خدمات پر روشنی ڈالیے۔
4. خالد بن یزید بن معاویہ کا تعارف کراتے ہوئے علم کیمیا میں اس کی حصہ داری کو بیان کیجیے۔
5. اموی دور میں بصرہ اور کوفہ کی علمی زندگی کا جائزہ لیجیے۔

15.6.3 طویل جوابات کے متقاضی سوالات

1. اموی دور میں عقلی علوم کے مراکز پر مفصل مضمون تحریر کیجیے۔
2. اموی دور میں علم طب کے ارتقاء پر تفصیل سے روشنی ڈالیے۔
3. اموی دور کے اطباء اور ان کی تصانیف کا تعارف کرائیے۔

15.7 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1. فجر الاسلام : احمد امین
2. ضحی الاسلام : احمد امین
3. السریان والحضارۃ الاسلامیۃ : شحات سید زغلول
4. تاریخ الادب السریانی من نشآتہ الی العصر الحاضر : مراد کامل وآخرون
5. مختصر تاریخ الدول : ابوالفرج ابن العبری

معروضی سوالات کے جوابات

1.A	2.C	3.B	4.C	5.C
6. D	7.A	8.A	9.D	10.B

اکائی16: علوم کا ارتقا سماجی و ادبی علوم

اکائی کے اجزا:

16.0 تمہید

16.1 مقاصد

16.2 عہد اموی میں دیگر علوم کی ابتداء اور ارتقاء

16.3 عہد اموی میں فن سیرت نبوی کا ارتقاء

16.3.1 عہد اموی میں سیرت نبوی کا تحریری سرمایہ

16.3.2 دیگر مؤلفین سیرت نبوی

16.3.3 دیگر ماہرین سیرت

16.4 عہد اموی میں سماجی علوم کا ارتقاء

16.4.1 عہد اموی کے مؤرخین

16.5 علم نسب

16.6 ادبی علوم

16.6.1 شاعری

16.6.2 نثر

16.6.3 خطابت

16.7 رسائل نگاری/ فن انشاء پردازی

16.8 تاریخی قصص و واقعات

16.9 علم نحو

16.10 علم لغت

16.11 ترجمہ نگاری
16.12 فرہنگ
16.13 اکتسابی نتائج
16.14 نمونہ امتحانی سوالات
16.14.1 معروضی جوابات کے متقاضی سوالات
16.14.2 مختصر جوابات کے متقاضی سوالات
16.14.3 طویل جوابات کے متقاضی سوالات
16.15 تجویز کردہ اکتسابی مواد

16.0 تمہید

اموی حکومت خلافت راشدہ کے فوراً بعد قائم ہوئی۔ اس لیے جن علوم و فنون کی بنیاد خلافت راشدہ میں رکھی گئی، اموی حکومت میں ان علوم کا مزید ارتقاء ہوا۔ اور دیگر علوم جو خلافت راشدہ میں موجود نہیں تھے، اموی دور حکومت میں ان کا آغاز ہوا، جیسے علم رجال اور علم کتابت و انشاء وغیرہ۔ ایسے بھی بہت سارے علوم تھے جو عربوں میں قدیم زمانے سے موجود تھے اور بہت سی وجوہات کی بناء پر خلافت راشدہ میں ان کی رفتار کچھ سست ہو گئی تھی، لیکن خلافت امویہ میں وہ علوم دوبارہ اپنی بلندی کو پہنچ گئے، جیسے علم شاعری اور علم خطابت۔

16.1 مقاصد

اس اکائی کا مقصد ہے کہ آپ:

- اموی دور کی ان علمی سرگرمیوں سے واقف ہوں جن کا تعلق سماج سے ہے۔ جیسے فن سیرت نگاری، سماجی علوم جیسے فن تاریخ، ادبی علوم جیسے شاعری اور نثر نگاری اور فن ترجمہ وغیرہ۔
- اس بات کا جائزہ لے سکیں کہ عہد اموی میں ان علوم کی ابتداء کیسے ہوئی تھی اور کیونکر وہ پروان چڑھے تھے۔
- اس عہد کے اہم سیرت نگاران، مؤرخین، شعراء و ادباء، ماہرین نحو اور ان کی علمی خدمات کے بارے میں گفتگو کر سکیں گے۔

16.2 عہد اموی میں دیگر علوم کی ابتداء اور ارتقاء

عہد اموی میں اسلامی قلمرو کا رقبہ کافی وسیع ہو چکا تھا۔ اس وسعت کے نتیجہ میں بہت سی اقوام و ملل اپنی اپنی تہذیب و ثقافت کے

ساتھ اسلام کے جھنڈے تلے جمع ہو گئیں تھیں اور ان کے معاشرتی تعلقات آپس میں قائم ہو چکے تھے جس نے اس عہد کی تہذیب و تمدن کو فروغ دینے ساتھ ساتھ علوم وفنون کے ارتقاء کے اسباب بھی فراہم کیے تھے۔ یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ تمام اہم اور بنیادی اسلامی علوم وفنون کے ساتھ ساتھ دیگر علوم وفنون کی بنیاد عہد اموی میں ہی رکھی گئی تھی۔ عہد اموی کی انہیں علمی بنیادوں سے استفادہ کرتے ہوئے عہد عباسی میں علوم وفنون کی ایسی ترقی ہوئی کہ دنیا انگشت بدنداں رہ گئی اور چہار سو مسلمانوں کے علم و فضل کا بول بالا گیا۔

اموی دور سے ماقبل کا علمی سرمایہ سینوں میں محفوظ تھا جسے اس عہد میں سفینوں میں منتقل کرنے کا آغاز ہوا تاہم ان پر اصل برگ و بار خلافت عباسی کے دور اول میں آئے تھے اور وہ تمام علوم وفنون اپنے ارتقائی مراحل کو طے کرتے ہوئے بام عروج کو پہنچ گئے تھے۔ ان علوم وفنون کے ارتقاء کا بنیادی سبب بقول ثروت صولت خود اسلام اور اس کی تعلیمات ہیں جس نے مسلمانوں کو اس میدان کا شہسوار بنانے میں اہم کردار کیا ہے۔ قرآن وحدیث میں حصول علم کی تاکید کے ساتھ ساتھ خود اس کی تعلیمات اس بات کی متقاضی تھیں کہ ان کو مکمل طور پر سمجھنے کے لیے مختلف علوم وفنون سے واقف ہوا جائے مثلاً صرف ونحو اور علم لغت کی بنیاد صرف اس بنا پر پڑی کہ ان کے بغیر قرآن کو کما حقہ نہیں سمجھا جا سکتا تھا۔

جناب ثروت صولت صاحب نے اموی دور کی علمی سرگرمیوں کو حسب ذیل ادوار میں تقسیم کیا ہے:

پہلا دور: اس دور میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مسند تدریس پر براجمان تھے اور اپنے علم و فضل کا دریا بہا رہے تھے اور ان کے سامنے تابعین عظام شاگرد کی حیثیت سے تشریف فرما تھے اور اپنے دامن کو علم کے موتیوں سے بھر رہے تھے۔

دوسرا دور: اس دور میں تابعین عظام ''معلم'' کے فرائض انجام دے رہے تھے اور انہوں نے جو کچھ صحابہ کرام سے حاصل کیا تھا اسے اگلی نسل تک پہنچانے کا انتظام کر رہے تھے اور تبع تابعین ان کے حلقۂ دروس میں شامل ہو کر اپنی علمی پیاس بجھا رہے تھے۔

پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقیؒ نے اموی دور میں علوم وفنون کے ارتقاء کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے: ''اموی خلافت کے دور میں تمام اسلامی علوم وفنون کو بنیادی فروغ ملا بلکہ اس زمانہ میں زبانی روایات کتابوں اور صحیفوں دونوں کی صورت میں اسلامی علوم وفنون کی جو شکل وصورت متعین ہوئی اس کی بنیاد پر بعد کے دور خلافت 'عباسی عہد' میں کتابوں کی تدوین ہوئی''۔

قبل اس کے کہ عہد اموی میں مختلف علوم وفنون کے ارتقاء پر روشنی ڈالی جائے اس بات کی وضاحت مناسب معلوم ہوتی ہے کہ عہد اموی کے تابعین و تبع تابعین علماء کی اکثریت مختلف الجہات شخصیت کی حامل ہوتی تھی یعنی وہ بیک وقت مفسر، محدث، فقیہ، سیرت نگار اور مؤرخ وغیرہ ہوتے تھے لیکن وہ اپنی شخصیت کے کسی نمایاں پہلو کی وجہ سے صرف اسی علم و فن سے منسوب کر دیے جاتے ہیں جیسے امام ابن شہاب زہری کی عمومی شہرت ایک محدث کی ہے لیکن انہیں فن سیرت میں کمال حاصل تھا اور ان کی کتاب ''کتاب المغازی'' کا شمار سیرت کی اہم اور بنیادی کتابوں میں ہوتا ہے۔ اصل کتاب تو ضائع ہو چکی ہے لیکن اس کے بکھرے ہوئے مواد کو مختلف مصادر و مراجع سے اکٹھا کر کے شائع کیا گیا ہے۔ اسی طرح امام مغازی محمد بن اسحاق ایک سیرت نگار کی حیثیت سے زیادہ مشہور ہیں حالانکہ وہ مؤرخ بھی تھے اور انہوں نے تاریخ کے موضوع پر ''تاریخ الخلفاء'' نامی کتاب بھی لکھی تھی جو ناپید ہو چکی ہے۔ اسی طرح دیگر اشخاص وافراد بھی ہیں جنہیں

مختلف علوم وفنون میں کمال حاصل تھا لہذا ان کا ذکر ان تمام علوم وفنون میں کیا جاتا ہے۔

16.3 عہد اموی میں فن سیرت نبوی کا ارتقاء

عہد اموی میں سیرت نبوی پر کتب مرتب کرنے کا آغاز ہوا تھا۔اس عہد سے پہلے آپ ﷺ کی سیرت طیبہ کو احادیث نبویہ کے ضمن میں بیان کیا جاتا تھا لیکن آگے چل کر اس نے ایک مستقل بالذات فن کی شکل اختیار کر لی تھی بقول پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی ''اکابر صحابہ کرام کے زمانے میں ہی تابعین کا ایک طبقہ ایسا وجود میں آیا جس نے حدیث کے ساتھ ساتھ سیرت پر خاص توجہ دی اور رفتہ رفتہ انہوں نے سیرت کو حدیث سے ایک الگ ممتاز مقام بخش دیا جس کے نتیجہ میں سیرت، حدیث سے الگ ایک موضوع بن گیا...اور ایسا محدثین کرام کے اولین طبقۂ تابعین کے مبارک ہاتھوں سے ہوا جس کے سبب اس نئے موضوع سیرت کا بھرم بھی قائم ہوا اور کسی کو اعتراض یا نکتہ چینی کی مہلت نہ ملی''۔

سیرت نبوی کو ایک فن کی شکل دینے میں اموی خلیفہ عمر بن عبدالعزیز (61-101ھ) نے بنیادی کردار ادا کیا ہے۔انہوں نے جس طرح اپنے عہد خلافت میں احادیث کو اکٹھا کرنے کے لیے سرکاری فرامین جاری کیے تھے اسی طرح سیرت ومغازی کے خصوصی حلقۂ دروس قائم کرنے کے احکامات بھی جاری کیے تھے۔بقول مقالہ نگار اردو دائرۃ المعارف الاسلامیہ انہوں نے عاصم بن عمر بن قتادہ (م121ھ) کو جامع مسجد دمشق میں سیرت ومغازی کا درس دینے کا فرمان جاری کیا تھا۔

اس موضوع پر باقاعدہ پہلی کتاب عروہ بن زبیر (م93ھ) نے مرتب کی تھی جس کا کچھ حصہ شائع ہو چکا ہے اور اس کا اردو ترجمہ بھی ہو چکا ہے۔دیگر اسلامی فنون کی طرح اس فن کا مرکز بھی مدینہ منورہ ہی تھا۔مولانا قاضی اطہر مبارک پوریؒ نے تدوین سیر ومغازی کے مختلف اسباب وعوامل میں ایک ممکنہ سبب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا کتاب الملوک واخبار الماضیین (مؤلف عبید بن شریہ جرہمی) کا لکھوانا بھی بتایا ہے۔تاریخ تہذیب اسلامی کے مصنف نے اس عہد میں سیرت کے ارتقاء کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ عہد عباسی میں لکھی جانے والی کتب سیرت کے بنیادی مصادر ومراجع عہد اموی میں لکھی جانے والی کتب سیرت ہی ہیں کہ 'سیرت ومغازی کی اصل اور بنیادی روایات اسی دور میں جمع کی گئیں تھیں۔

16.3.1 عہد اموی میں سیرت نبوی کا تحریری سرمایہ

عہد اموی میں سیرت نبوی پر بنیادی کتب مرتب کی گئیں تھیں جن میں سے زیادہ تر امتداد زمانہ کی وجہ سے ناپید ہو گئی ہیں اور ہم تک اپنی اصلی شکل میں نہیں پہنچ سکی ہیں تاہم ان کتب سیرت کے اقتباسات بعد میں لکھی جانے والی تالیفات سیرت کے علاوہ دیگر اسلامی علوم وفنون پر لکھی جانے والی کتب خاص طور سے تفسیر، حدیث اور تاریخ کی کتابوں میں محفوظ رہ گئے ہیں جن سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ عہد اموی میں اس فن نے کس قدر ترقی کر لی تھی اور اس زمانہ کے سیرت نگاران کا کیا مقام ومرتبہ تھا۔مختلف کتب میں بکھرے ہوئے ان اقتباسات سے عہد اموی میں لکھی جانے والی حسب ذیل کتابوں کا سراغ ملتا ہے:

1. کتاب المغازی از عروہ بن زبیر اسدی (23-94ھ)

اب تک کی معلومات کے مطابق اس کتاب کو سیرت کی اولین کتاب ہونے کا شرف حاصل ہے۔ یہ کتاب واقعہ حرہ میں نذر آتش ہو گئی تھی تاہم ان کے ایک شاگرد ابوالاسود یتیم عروہ نے آخری عمر میں مصر جا کر روایت کی تھی۔ ان ہی بیان کردہ مرویات سیرت کو ڈاکٹر محمد مصطفی اعظمیؒ نے اکٹھا کر کے "مغازی رسول اللہ" کے نام سے شائع کیا ہے۔ اس کتاب کا اردو ترجمہ از محمد سعید الرحمن علوی، ادارۂ ثقافت اسلامیہ، لاہور سے 1990ھ میں شائع ہو چکا ہے۔

2. کتاب المغازی از محمد بن شہاب زہری (م124ھ)

عہد اموی کے سیرت نگاران میں سب سے نمایاں نام امام زہری کا ہے جن کی کوششوں سے فن سیرت کو بہت زیادہ فروغ ملا تھا۔ انہیں فن سیرت نگاری کا باوا آدم کہا جاتا ہے کہ ان کے کئی ایک شاگردوں نے اس موضوع پر اہم اور بنیادی کتابیں لکھی تھی جن میں موسی بن عقبہ اور محمد بن اسحاق جیسے سیرت نگاران بھی شامل ہیں۔ بقول مقالہ نگار اردو دائرۃ المعارف الاسلامیہ انہوں نے اپنی "کتاب المغازی" حضرت عمر بن عبدالعزیز کی ہدایت کے مطابق لکھی تھی۔ یہ کتاب بھی اپنی اصل شکل میں محفوظ نہ رہ سکی لیکن شاید ہی کوئی ایسی کتاب سیرت ہو جس میں اس کی مرویات نہ پائی جاتی ہوں۔ یہ کتاب "المغازی النبویۃ" کے نام سے 1981ء میں دارالفکر بیروت سے شائع ہو چکی ہے۔ ابن شہاب زہری کی مرویات سیرت کو مرتب کرنے کا کارنامہ دمشق کے ایک فاضل نے انجام دیا ہے۔

3. کتاب المغازی از موسی بن عقبہ (م141ھ)

اس کتاب کا شمار سیرت کی بنیادی کتابوں میں ہوتا ہے۔ سوئے اتفاق سے یہ کتاب ہم تک مکمل شکل میں نہیں پہنچ سکی ہے تاہم اس کی مرویات دسویں صدی ہجری تک لکھی جانے والی کتب سیرت میں ملتی ہیں۔ اس کتاب کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ امام مالک فرماتے تھے کہ مغازی کا فن موسیٰ بن عقبہ سے حاصل کرو۔ اس کتاب کی اہم خصوصیت اس کا صحیح ترین روایات پر مشتمل ہونا ہے۔ اس کتاب کی مرویات کو مختلف مصادر سے اکٹھا کر کے شائع کیا جا چکا ہے۔ موسی بن عقبہ کی منتشر روایات سیرت کو سب سے پہلے محمد باقشیش اور ان کے بعد حسین مرادی نصب نے جمع کر کے شائع کیا ہے۔ ان کے علاوہ ولید قیسہ اور راقم السطور نے بھی ایم فل کی ڈگری حاصل کرنے کے لیے مغازی موسی بن عقبہ کی مرویات کو مختلف مصادر سے اکٹھا کر کے ان کا تحلیل و تجزیہ کیا ہے۔ یہ دونوں مقالات منظر عام پر نہیں آسکے ہیں۔

4. کتاب المبتداء والمبعث والمغازی از محمد بن اسحاق (85-151ھ)

کتب سیرت نبوی میں اس کتاب کو جتنی شہرت ملی ہے اس کا عشر عشیر بھی کسی سیرت کی کتاب کو نہیں مل سکا ہے۔ اس کتاب نے عوام میں سیرت نبوی کے ذوق کو بہت زیادہ عام کر دیا تھا۔ اس کتاب کو فن سیرت کی پہلی مکمل اور جامع کتاب قرار دیا جاتا ہے۔ یہ کتاب بھی سیرت کے مفقودہ مصادر میں ہوتا ہے۔ مفقودہ کتب سیرت نبویہ کے مؤلفین میں ابن اسحاق کو اس لحاظ سے ممتاز قرار دیا جاتا ہے کہ انہیں ابن ہشام جیسا بہترین شاگرد اور راوی ملا تھا جس نے ان کی کتاب کو کم و بیش محفوظ کر دیا تھا۔ ابن ہشام کی کتاب "السیرۃ النبویۃ" کو سیرت ابن اسحاق کا بدل قرار دیا جاتا ہے۔ ان کے علاوہ بھی اس کتاب کے دیگر رواۃ پائے جاتے ہیں جنہوں نے اس کتاب کو شہرت بام پر پہنچا دیا ہے۔

سیرت ابن اسحاق کے دو ناقص نسخوں کو ڈاکٹر حمید اللہ صاحب مرحوم نے تلاش کر کے اور انہیں ایڈٹ کرنے کے بعد شائع کر دیا ہے۔ان میں سے ایک یونس بن بکیر (م199ھ) کی روایت سے اور دوسرا محمد بن سلمہ (م191ھ) کی روایت سے مروی ہے۔ان کے اس محقق شدہ ایڈیشن کا اردو ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے۔

16.3.2 دیگر مؤلفین سیرت نبوی

= **کتاب المغازی** از ابان بن عثمان (20-105ھ)۔یہ کتاب خلیفہ عبدالملک بن مروان کے حکم سے ضائع کر دی گئی تھی۔

= **کتاب المغازی** از وہب بن منبہ (م110ھ)۔

= **کتاب المغازی** از عاصم بن عمر بن قتادہ (م120ھ)۔حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے مؤلف کتاب، دمشق کی جامع مسجد میں سیرت نبوی درس دیا کرتے تھے جس کا سلسلہ مدینہ لوٹنے کے بعد بھی جاری رہا۔ان کے اس طرز عمل نے عوام میں سیرت نبوی کا مذاق پیدا کر دیا تھا۔

= **کتاب المغازی** از عبداللہ بن ابو بکر بن حزم انصاری مدنی (م135ھ)۔

= **کتاب المغازی** از ابوالاسود یتیم عروہ بن زبیر (م137ھ)۔

= **کتاب المغازی** از معمر بن راشد (96-150ھ)۔

= **کتاب الغزوۃ** از جعفر بن محمود انصاری مدنی۔

16.3.3 دیگر ماہرین سیرت

یہاں اس بات کی طرف اشارہ کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ بالا مؤلفین سیرت نبوی کے علاوہ متعدد اصحاب علم و فضل نے اس فن کو پروان چڑھانے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔انہوں نے غالباً اس موضوع پر کوئی تحریری سرمایہ نہیں چھوڑا ہے تاہم انہوں نے اپنے اپنے حلقہ دروس میں سیرت نبوی کے موضوع پر درس دینے کا اہتمام کیا تھا جیسے محمد بن سعد بن ابی وقاص (م82ھ)، امام زین العابدین علی بن حسین (م94ھ)، عبیداللہ بن کعب بن مالک انصاری (م۹۷ھ) عکرمہ مولی ابن عباس (م105ھ)، شرحبیل بن سعد انصاری (م123ھ) اور معمر بن راشد (م154ھ) وغیرہ۔

16.4 عہد اموی میں سماجی علوم کا ارتقاء

فن تاریخ کا ارتقاء

فن تاریخ کی ابتداء عہد اموی میں ہوئی تھی۔اس فن کو بطور فن متعارف کرانے کا سہرا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے سر بندھتا ہے کہ انہیں اقوام سابقہ کے حالات جاننے کا کافی شوق تھا۔روایات کے مطابق وہ ہر روز ماہرین تاریخ کے ساتھ اچھا خاصا وقت گذارتے تھے

جوان کے سامنے سابق حکمرانوں کے واقعات پیش کرتے تھے۔اسی طرح روزانہیں اقوام عالم کی تاریخ کو پڑھ کر سنایا جاتا تھاتاکہ ان کی روشنی میں وہ امور خلافت و حکومت کو آسانی کے ساتھ حل کر سکیں اور جنگ کے مسائل اور اس کی باریکیوں کو سمجھ سکیں۔

ایک قول کے مطابق ان کے سامنے جو کتابیں پڑھی جاتی تھیں وہ عربی کی بجائے دیگر زبانوں جیسے یونانی اور لاطینی زبان میں لکھی ہوئی ہوتی تھیں۔ان کتابوں کو پڑھنے والے پڑھنے کے ساتھ ساتھ اس کا عربی میں ترجمہ بھی کرتے جاتے تھے تاکہ ان کا مفہوم و مطلب خلیفۂ وقت بھی سمجھ سکیں۔ گویا اس عمل کو ترجمہ نگاری کی ابتداء بھی قرار دیا جاسکتا ہے۔

عہد اموی میں تاریخ نگاری کا آغاز تاریخی واقعات کو قصہ گوئی کے انداز میں بیان کرنے سے ہوا تھا۔ان روایات میں سچ کے ساتھ ساتھ جھوٹ کی آمیزش اور مبالغہ آرائی بھی شامل ہوگئی تھی اور بہت سی من گھڑت باتیں بھی ان روایات کا حصہ ہوا کرتی تھیں جن کی زبانی ترسیل ہوتی رہی۔دوسرے مرحلہ میں ان تاریخی روایات کو بیان کرنے والے راوی منظر عام پر آتے ہیں جنہوں نے بغیر کسی چھان پھٹک کے ان کو اکٹھا اور جمع کرنے کا کام انجام دیا لہذا ان تاریخی روایات پر آنکھ بند کر کے اعتماد نہیں کیا جاسکتا ہے۔تاریخ تہذیب اسلامی کے مصنف نے ان روایات کی قدر و قیمت کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ چونکہ انہیں کسی چھان پھٹک کے اکٹھا کر دیا گیا ہے جس کی وجہ سے سچی روایات کے ساتھ ساتھ جھوٹی روایات بھی تاریخ کا حصہ بن گئی ہیں لہذا انہیں نقد و تبصرہ کے بغیر قبول نہیں کیا جاسکتا ہے۔

یہ راویان عام طور پر کسی ایک واقعہ سے متعلق تمام روایات کو صحیفہ کی شکل میں جمع کر دیتے تھے۔ان صحائف کو "حولیات"(ایک واقعہ کے ارد گرد گھومنے والی کتب وروایات) کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔عہد اموی میں سیف بن عمر تیمی(م154ھ)،ابو مخنف لوط بن یحییٰ ازدی(157ھ)اور عوانہ بن حکم کلبی(م147ھ)کا شمار ماہرین حولیات میں ہوتا تھا۔

16.4.1 عہد اموی کے مؤرخین

1. عبید بن شریّہ

عہد اموی کے سب سے بڑے مؤرخ میں عبید بن شریّہ ہیں۔ان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ عربوں میں انہوں نے سب سے پہلے کتاب لکھی تھی۔وہ عہد جاہلیت کے حکمرانوں کی تاریخ کے ماہر تھے،انہیں حضرت معاویہؓ نے صنعاء سے دمشق بلا لیا تھا اور ان سے درخواست کی تھی کہ وہ انہیں قدیم حکمرانوں کے حالات سے باخبر کرائیں۔انہوں نے حضرت معاویہؓ کی فرمائش پر "کتاب الملوک واخبار الماضیین" لکھی تھی۔اس کتاب میں عرب و غیر عرب سلاطین اور ان کے عہد حکومت کی تاریخ کو زیر تحریر لایا گیا ہے۔اس کتاب کو عہد اموی میں تاریخ نویسی کی پہلی کتاب قرار دیا جاتا ہے۔یہ کتاب دائرۃ المعارف،حیدرآباد سے شائع ہو چکی ہے۔

2. وہب بن منبہ

وہب بن منبہ کا شمار بھی اس عہد کے اہم مؤرخین میں ہوتا ہے۔انہیں قدیم کتابوں کا ماہر قرار دیا جاتا ہے۔ساتھ ہی ساتھ وہ اساطیری قصوں اور کہانیوں خاص طور سے اسرائیلیات کے ماہر تھے۔کتب تفسیر میں اسرائیلیات کا خاص حصہ انہیں کے حوالہ سے پایا جاتا ہے۔انہوں

نے سلاطین حمیر کے حالات کو "كتاب التيجان في ملوك حمير" کے نام سے قلم بند کیا تھا۔ غالباً اسی کتاب کا ذکر زرکلی نے الأعلام میں "ذكر الملوك المتوجة من حمير وأخبارهم وقصصهم وقبورهم وأشعارهم" کے نام سے کیا ہے۔ یہ کتاب پہلی مرتبہ دائرۃ المعارف، حیدرآباد سے شائع ہوئی تھی۔ اس کتاب کے علاوہ "كشف الظنون في أسامي الكتب" نامی کتاب میں ان کی مزید دو کتابوں "قصص الأنبياء اورقصص الأخيار" کا ذکر ملتا ہے۔

3. ابو مخنف لوط بن یحییٰ ازدی

ابو مخنف لوط بن یحییٰ ازدی (57-157ھ) عہد اموی کے زود نویس مؤرخ ہیں۔ وہ علم انساب کے بھی ماہر تھے۔ ابن ندیم اور ابن شاکر جیسے اصحاب علم و فضل نے تاریخ کے موضوع پر ان کی 33 س کتابوں کا ذکر کیا ہے جب کہ ابو مخنف خود اپنی کتابوں کی تعداد 50 بتاتے ہیں۔ ان کتابوں میں کتاب الردة، کتاب فتوح الشام، کتاب فتوح العراق، کتاب مقتل علی بن أبي طالب اور کتاب تاريخ الائمة جیسی کتابیں شامل ہیں۔

ابو مخنف ازدی ایک شیعہ اور حکومت مخالف مؤرخ تھے لہذا انہوں نے اپنی روایات میں حکومت مخالف بہت سی من گھڑت باتوں کو بھی شامل کر دیا تھا لہذا ان پر آنکھ بند کر کے اعتماد نہیں کیا جا سکتا ہے۔ ابو مخنف ازدی کی مرویات تاریخ کو مشہور محقق کامل سلیمان جبوری نے "نصوص من تاريخ أبي مخنف" کے نام سے شائع کیا ہے۔

4. عوانہ بن حکم کلبی

ابو الحکم عوانہ بن حکم کلبی (م 147ھ) کا شمار عہد اموی کے معتدل مؤرخین میں ہوتا ہے۔ انہوں نے اعتدال کے ساتھ اموی خلافت و حکومت کی تاریخ اپنی ایک کتاب میں بیان کی ہے اور حضرت معاویہؓ کی سیرت پر ایک کتاب لکھی تھی۔ ان پر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ انہوں نے بنو امیہ کے لیے جھوٹی خبریں گھڑتے تھے۔ فن تاریخ کے ساتھ ساتھ وہ علم انساب اور عرب شاعری کے بھی ماہر تھے۔

عہد اموی کے دیگر ماہرین فن تاریخ

عہد اموی میں مؤرخین کی ایک تعداد ایسی بھی پائی جاتی ہے جن کا شمار کسی اور فن کے ماہرین میں کیا جاتا ہے۔ ان مؤرخین میں فن سیرت نبوی کے ماہرین بھی شامل ہیں جیسے ابن اسحاق نے تاریخ کے موضوع پر "تاريخ الخلفا" نامی کتاب بھی لکھی تھی جو ناپید ہو چکی ہے۔ عروہ بن زبیر، ابن شہاب زہری، وہب بن منبہ، معمر بن راشد وغیرہ نے اسلامی تاریخ کے بہت سے گوشوں کو محفوظ کر دیا تھا اور اسلامی تاریخ نگاری کو فروغ میں اہم کردار ادا کیا تھا کہ ان کی مرویات، بعد میں لکھی جانے والی کتب تاریخ کا حصہ بن گئیں۔ بقول پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی "انہوں نے اموی خلافت ہی کی تاریخ نہیں بیان کی یا لکھی بلکہ اس قبل کے دور کی روایات بھی جمع کیں اور بیان کیں"۔ ان ثقہ راویان تاریخ کے ساتھ ساتھ سیف بن عمر تیمی (م 154ھ) جیسے غیر ثقہ راویان تاریخ بھی اس عہد میں موجود تھے۔

16.5 علم نسب

عربوں کی نظر میں حسب ونسب کو بہت زیادہ اہمیت حاصل تھی لہذاانہوں نے اپنے سلسلہ نسب کو محفوظ کرنے کے لیے خاصا مضبوط اور محفوظ طریقہ چناتھا۔انہیں اپنے حسب ونسب سے کتنالگاؤ تھااس کااندازہ اس روایت سے لگایا جاسکتاہے کہ انہوں نے اپنے گھوڑوں تک کے حسب ونسب کو محفوظ کرر کھاتھا۔

سیاسی وسماجی مقاصد کے حصول کے لیے عہد اموی میں قبائل عصبیت کوایک مرتبہ پھر سے ہوادے دی گئی تھی لہذااس عہد میں اس فن کو کافی فروغ ملا۔اس عہد کے ماہرین انساب میں دغفل بن حنظلہ نسابہ، نخار بن اوس عذری، زید بن کیس نمری، شہاب بن مذعور سعید بن مسیب، محمد بن سیرین، محمد بن سائب کلبی، ہشام بن محمد کلبی کا شمار کیا جاتاہے۔ان ہی کی روایات پر عہد عباسی میں اس فن کی کتابیں مرتب کی گئیں تھیں۔

16.6 ادبی علوم

عہد اموی میں شرعی ودینی علوم وفنون کے ساتھ ادبی علوم کو بھی کافی فروغ حاصل ہوا تھا۔خاص طور سے عربی شاعری میں نت نئے تجربے کیے گئے اور نقائض اور غزل جیسی اصناف سخن کا اضافہ ہوااور سیاسی شاعری کافروغ ہوا۔اس عہد میں نثر نگاری کا بھی کافی فروغ ہوا۔ خطابت کی ترقی کے ساتھ ساتھ رسائل نگاری جیسے فن کی داغ بیل بھی اسی عہد میں پڑی تھی۔نحو ولغت جیسے ادبی علوم وفنون کا ارتقاء ہوا اور تنقید کے ابتدائی نقوش سامنے آئے۔کمیت وکیفیت دونوں کے لحاظ سے اس عہد کی نثر کو عمدہ اور فائق قرار دیا جاتاہے۔عہد اموی میں ان ادبی علوم کو پروان چڑھانے میں خلفاء اور اہالیان حکومت کے ساتھ عوام نے بھی بھرپور دلچسپی دکھائی تھی۔

16.6.1 شاعری

عہد اموی کی شاعری کی اپنی خصوصیات اور امتیازات ہیں جو اس سے پہلے اور اس کے بعد کے ادوار میں نہیں پائی جاتی ہیں۔اس عہد کی شاعری کو زمانہ جاہلیت کی شاعری کے ہم پلہ قرار دیا جاتاہے کہ جس طرح جاہلی شاعری سے استشہاد کیا جاتاہے اسی طرح اموی عہد کی شاعری سے بھی استشہاد کیا جاتاہے۔اس عہد کے بعد کی شاعری کو ماہرین فن نے قابل استشہاد نہیں سمجھاہے۔

اس عہد کی شاعری میں مروجہ اصناف مدح، فخر، وصف ومنظر نگاری، مرثیہ اور ہجو وغیرہ کے ساتھ ساتھ کچھ نئے اصناف سخن نقائض، غزل اور سیاسی شاعری کا اضافہ ہوتاہے۔ان نئے اصناف سخن کے حوالہ سے یہ بات قابل ذکر ہے وہ اسی عہد میں منظر عام پر آئے اور اس عہد کے خاتمہ کے ساتھ ساتھ وہ بھی دم توڑ دیتے ہیں۔اس عہد میں شاعری کی تمام اصناف سخن کو بہت زیادہ ترقی حاصل ہوئی اور شعراء نے اپنی شاعرانہ صلاحیتوں کا بھرپور استعمال کرتے ہوئے عربی زبان وادب کے دامن کو انمول موتیوں سے بھر دیا تھا۔

اموی عہد میں شاعری کے ترقی کے سماجی، سیاسی اور ثقافتی اسباب تھے۔ارباب حکومت کی ہمت افزائی اور ان کی قدر دانی نے بھی اس فن کو فروغ دینے میں کافی اہم کردار ادا کیا تھا۔سیاسی مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے قبائلی عصبیت کو بڑھاوا دینے اور مختلف قسم کے سیاسی

جماعتوں کی موجودگی نے عربی شاعری میں نئے بال وپر پیدا کیے تھے کہ ہر سیاسی جماعت کا ایک شاعر ہوتا جو اپنی جماعت کے فضائل اور دوسری جماعتوں کے رذائل بیان کیا کرتے تھے۔

عہد اموی کے مشہور شعراء

عہد اموی کی شاعری کی مختلف جہات ہیں اور ہر جہت ایسی معلوم ہوتی ہے کہ وہی اس عہد کی سب سے نمایاں اور عمدہ جہت ہے۔اس دور میں شعر وشاعری کا مذاق عام ہو گیا تھا۔خواص کے ساتھ ساتھ عوام بھی اس فن کو فروغ دینے میں شامل تھے جس کی وجہ سے شعراء کی ایک معتدبہ جماعت منظر عام پر آئی تھی جو اپنے عمدہ اور بہترین اشعار سے سامعین کے دل ودماغ پر چھا جاتے تھے۔

اس عہد کے سب سے زیادہ نمایاں شعراء میں جریر، فرزدق اور اخطل کا شمار کیا جاتا ہے کہ ان کے ذکر کے بغیر عہد اموی کی عربی شاعری کی تاریخ مکمل نہیں ہو سکتی۔ان شعراء نے شاعری کی تقریباہر ایک صنف سخن میں طبع آزمائی کی ہے اور شعر وشاعری کے عمدہ اور لازوال نمونے پیش کیے ہیں۔ان کی شاعری کا ایک اہم باب نقائض ہیں جس کے نمونہ سے ماقبل اور مابعد کی شاعری کا دامن خالی ہے۔

ان کے علاوہ عمر بن ابی ربیعہ اور جمیل بثینہ نے غزل گوئی میں کمال حاصل کیا تھا اور عربی شاعری کو ایک نئی صنف سے روشناس کرایا تھا۔سیاسی شاعری کے نمائندہ شعراء میں کمیت بن زید، طرماح بن حکیم اور عمران بن حطان جیسے شعراء شامل ہیں جنہوں نے اپنے اشعار سے اس وقت کے سماج میں ایک آگ سی لگادی تھی۔یہاں سب شعراء کا مختصراتذکرہ بھی نہیں کیا جاسکتا ہے لہذا ہر صنف شاعری کے مشہور اور نمائندہ شعراء کے صرف ناموں کو درج کیا جاتا ہے۔قبل اس کے ان شعراء کے نام کو درج کیا جائے اس بات کی وضاحت مناسب معلوم ہوتی ہے عہد اموی کے کچھ شعراء ایسے ہیں جنہوں نے تقریباہر صنف سخن میں طبع آزمائی کی تھی لہذاان کا نام مختلف ذیلی عناوین کے تحت درج کیا گیا ہے۔

1. غزل: عمر بن ربیعہ، عبداللہ عرجی، ابن قیس رقیات، ولید بن یزید اور عبداللہ احوص انصاری وغیرہ (غزل اباحی کے نمائندے)، جمیل بثینہ، قیس بن ملوّح، قیس بن ذریح اور کثیر عزّہ وغیرہ (غزل عذری کے نمائندے)، جریر وفرزدق (روایتی غزل کے نمائندے)۔
2. سیاسی شاعری: کمیت بن زید (بنوہاشم/جماعت شیعہ کے نمائندہ شاعر)، عبیداللہ بن قیس رقیات (شاعر قریش)، طرماح بن حکیم، قطری بن فجاۃ اور عمران بن حطان (خوارج کے نمائندہ شعراء)، عبداللہ بن زبیر اسدی، عدی بن رقاع اور اعشی بن ربیعۃ (بنوامیہ کے نمائندہ شاعر)۔
3. نقائض: جریر، فرزدق اور اخطل۔
4. مدحیہ شاعری: نصیب بن رباح، قطامی تغلبی، کعب بن معدان اشقری اور زیاد اعجم۔
5. ہجویہ شاعری: حطیئہ، جریر، فرزدق اور اخطل۔
6. فخریہ شاعری: جریر، فرزدق اور اخطل۔

7. رجزیہ شاعری: اغلب عجلی، ابو نجم، عجاج اور رؤبہ بن عجاج۔
8. مراثی: جریر اور فرزدق۔
9. وصف اور منظر نگاری: جریر، فرزدق اور اخطل۔
10. شعراء فطرت اور بدوی تہذیب کے نمائندہ شعراء: راعی الابل نمیری، ذوالرمہ اور یزید بن طرثیہ۔
11. شراب وشباب کے رسیا شعراء: شمردل بن شریک، ولید بن یزید، ابوالہندی۔
12. درباری شعراء: جریر، فرزدق اور اخطل۔

16.6.2 نثر

عربی ادب کی تاریخ کا بنیادی حصہ اس کی شاعری پر مشتمل ہے۔ زمانۂ جاہلیت کی شاعری کے مقابلہ میں اس عہد کی نثر کے نمونہ بہت کم دستیاب ہو سکے ہیں۔ نثر کا جو حصہ دستیاب ہو سکا ہے وہ خطابت، سجع کاہن، وصایا، امثال اور کہاوتوں پر مشتمل ہے۔ عربی نثر کا ارتقاء قرآن کے نزول کے ساتھ شروع ہوتا ہے کہ وہی عربی نثر کا عمدہ ترین اور سب سے بہتر نمونہ ہے جس کی مثال آج تک نہیں پیش کی جاسکتی ہے۔ قرآن کریم کے ساتھ ساتھ احادیث نبویہ نے بھی عربی نثر کے ارتقاء میں بنیادی کردار ادا کیا ہے آپ ﷺ جوامع الکلم تھے اور آپ کی زبان مبارک سے نکلنے والی ہر بات 'وحی غیر متلو' کا درجہ رکھتی ہے۔

عہد جاہلیت کے مروجہ نثری اصناف سخن جیسے خطابت، وصایا اور امثال پر عہد اموی میں عربی نثر نگاری پر نئے بال وپر آئے تھے۔ خاص طور سے فن خطابت کو کافی فروغ حاصل تھا جس کے دینی، سیاسی اور سماجی اسباب تھے۔ اس عہد کی نثر نگاری میں ''فن انشاء پردازی یا رسائل نگاری'' کی شکل میں ایک نئے باب کا آغاز ہوتا ہے جسے عہد عباسی میں بہت زیادہ فروغ حاصل ہوا تھا۔

اس عہد کا سب سے اہم اور بنیادی نثری کارنامہ ابن مقفع کی مشہور کتاب کلیلہ ودمنہ کو قرار دیا جاسکتا ہے۔ بعض مؤرخین ابن مقفع کو عہد عباسی کا نثر نگار قرار دیتے ہیں جب کہ بعض انہیں عہد اموی کے مشاہیر میں شمار کرتے ہیں کہ ان کی زندگی کا بیشتر حصہ عہد اموی میں گذرا تھا۔ ان کے مقابلہ میں اول الذکر مؤرخین کی دلیل یہ ہے کہ ان کا انتقال عہد عباسی میں ہوا تھا لہذا انہیں عہد عباسی کا نثر نگار قرار دیا جائے گا۔

16.6.3 خطابت

عہد جاہلی کے ادبی سرمایہ میں فن خطابت کے نمونے ملتے ہیں۔ صدر اسلام میں حالات وضرورت کے تحت اس کو کافی فروغ حاصل ہوا تھا۔ آپ ﷺ اور خلفائے راشدین کی تقریریں اس کا منھ بولتا ثبوت ہیں۔ عہد اموی میں فن خطابت اپنے بام عروج پر نظر آتا ہے۔ اس عہد کے خطباء اپنے زور خطابت سے مجمع کے افکار وخیالات کو پلٹ کر رکھ دیا کرتے تھے۔ اس عہد میں کافی سیاسی اتھل پتھل مچی ہوئی تھی اور کئی ایک دینی فرقوں کا ظہور ہو چکا تھا اور ہر گروپ چاہے وہ سیاسی ہو یا دینی فن خطابت کے ذریعہ اپنے آپ کو صحیح ثابت کرنے کی کوشش کرتا تھا۔ ہر گروپ وجماعت کے کچھ خطیب ہوتے تھے جن کے ذریعہ وہ اپنے افکار وخیالات کو عوام کے ذہن میں اتارنے کی کوشش کرتے تھے۔ وہ اپنی

خطابت کی زور بیانی سے مجمع کے دل ودماغ کو پلٹ دیا کرتے تھے۔ذیل میں جماعت کے اعتبار سے مشہور خطباء(صرف نام)کا ذکر کیا جارہا ہے:

1. اموی حکومت کے خطباء: حضرت معاویہؓ، عبدالملک بن مروان، عمر بن عبدالعزیز، یزید ناقص، طارق بن زیاد، حجاج بن یوسف وغیرہ
2. خوارجی خطباء: حیان بن ظبیان سلمی، مستورد بن علفہ، نافع بن ازرق، زبیر بن علی، قطری بن فجاۃ اور ابو حمزہ خارجی وغیرہ۔
3. شیعی خطباء: سلیمان بن صرد، عبیداللہ بن عبداللہ، مختار ثقفی، زید بن علی اور ان کے بیٹے یحییٰ وغیرہ۔
4. زبیری خطباء: عبداللہ بن زبیر اور مصعب بن زبیر وغیرہ۔
5. باغی خطباء: عبداللہ بن حنظلہ، عمرو بن سعید بن عاص، عبدالرحمن بن محمد بن اشعث، قتیبہ بن مسلم باہلی اور یزید بن مہلب۔
6. درباری خطباء: سحبان وائل اور احنف بن قیس وغیرہ۔
7. دینی ومذہبی خطباء: حسن بصری، سعید بن جبیر، مسلم بن جندب، ذر بن عبداللہ، یزید بن ابان رقاشی اور ابراہیم تیمی کوفی وغیرہ۔
8. درباری خطباء: اس عہد کے مشہور درباری خطباء میں سحبان بن وائل (م ۵۴ھ)، وغیرہ تھے جن کا تعلق حکمراں جماعت سے تھا۔

16.7 رسائل نگاری/فن انشاءپردازی

اس فن کی ابتداء عہد اموی میں ہی ہوئی تھی اور وہ عصر عباسی میں اپنے عروج پر پہنچ گئی۔ سرکاری دفاتر کی ضروریات کو پورا کرنے کی خاطر اس فن کی ابتداء ہوئی تھی۔ کاروبار خلافت کے وسیع ہونے کی وجہ سے ایک ماہر انشاءپردازوں پر مشتمل عملہ کو فرامین واحکام جاری کرنے کے لیے متعین کیا گیا تھا۔ سرکاری فرامین اور سرکاری خط وکتابت کو ہی عام طور سے رسائل نگاری سے موسوم کیا جاتا ہے تاہم اس فن میں ذاتی رسائل کو بھی شامل کیا جاسکتا ہے جو مختلف مقاصد کے حصول کے لیے لکھے گئے تھے جیسے حضرت حسن بصری اور غیلان دمشقی وغیرہ کے واعظانہ رسائل وغیرہ۔اس فن کے ارتقاء میں ان غیر سرکاری رسائل کا حصہ بھی شامل ہے۔

رسائل نگاری کو فروغ دینے میں انشاپردازوں کے علاوہ خلفاء، والیان حکومت اور دیگر حضرات نے بھی حصہ لیا ہے۔اس فن کو فروغ دینے میں عبدالحمید کاتب کے ساتھ ساتھ عبداللہ بن عمر، حجاج بن یوسف ثقفی، عبیداللہ بن اوس غسانی، روح بن زنباع جذامی، صالح بن عبدالرحمن، حضرت حسن بصری، غیلان دمشقی، عقال بن شبہ اور عبداللہ بن معاویہ نے بھی حصہ لیا تھا۔

عبدالحمید کاتب

رسائل نگاری/فن انشاءپردازی کا موجد عبدالحمید کاتب (م 132ھ) کو قرار دیا جاتا ہے۔اس فن میں اس کی مہارت کو دیکھتے ہوئے 'الکاتب' کا لاحقہ ان کے نام کا جز بن کر رہ گیا ہے۔ عبدالحمید کاتب نے بقول احمد حسن زیات ''مخاطب کے حسب حال خطاب میں رعایتیں کیں، حالات کے مطابق مضمون میں طول واختصار کو مد نظر رکھا اور مضمون کی ابتداء وانتہاء میں موضوع کی مناسبت سے نیرنگی پیدا کی۔ رسائل کے شروع میں حمد وثنا کو طول دیا۔ مقبولیت کی بناپر تمام رسائل نگاروں نے اس کے اسلوب کی پیروی کی جس سے انشاءپردازی ایک

مرتب و منظم اور با قاعدہ و باصول فن بن گیا"۔

عبدالحمید کاتب کا تعلق غیر عربی النسل خاندان سے تھا۔ انہوں نے یہ فن سالم مولی ہشام بن عبدالملک سیکھا تھا اور اس میں کمال پیدا کر لیا تھا۔ انہیں مروان بن عبدالملک نے آرمینیا کی گورنری کے زمانہ میں اپنا سکریٹری منتخب تھا اور جب مروان بن عبدالملک مسند خلافت پر براجمان ہو گئے تب وہ انہیں اپنے ساتھ دارالخلافت لے گئے اور اپنی حکومت کا چیف سکریٹری بنا دیا۔ وہ اس عہدہ پر تاحیات فائز رہے حتی کہ عباسی خلافت کے برپا کیے جانے والے انقلابات کی بھینٹ چڑھ گئے اور عربی زبان و ادب اپنے ایک اہم نمائندہ سے محروم ہو گئی۔

عبدالحمید کاتب کا اسلوب نگارش اپنے اندر ایک جادو سی تاثیر رکھتا تھا جو مخاطب کے دل و دماغ کو اپنے قابو میں کر لیتا تھا۔ اس کا اسلوب کس قدر متاثر کن تھا اس کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ ابو مسلم خراسانی نے اس کا خط پڑھے بنا ضائع کر دیا تھا کہ کہیں وہ بھی مروان بن عبدالملک کا حامی و طرفدار نہ بن جائے اور عباسی انقلاب کے لیے کی جانے والی کوششیں برباد نہ ہو جائیں۔

16.8 تاریخی قصص و واقعات

اس عہد میں تاریخی قصص و واقعات کو بیان کرنے کے لیے قصہ گوئی کو بھی فروغ ملا۔ عہد خلافت فاروقی کے آخری دور ان تاریخی واقعات و قصص کو بیان کرنے کی ابتداء حضرت تمیم داریؓ (م 40ھ) نے اپنے وعظوں کے ذریعہ کی تھی جس کا سلسلہ عہد اموی میں بھی جاری رہا۔ عہد اموی کے قصہ گو حضرات میں سلیمان تجیبی اور وہب بن منبہ جیسے صاحب علم و فضل شامل ہیں۔

پروفیسر عبدالحلیم ندویؒ نے قصہ گوئی کو عوام و رخواص کے لیے بیان کیے جانے والے قصوں میں تقسیم کیا ہے۔ عوامی قصوں میں قصہ گو وعظ وارشاد کی شکل میں ان کے سامنے قصے بیان کیا کرتا تھا جب کہ خواص کے قصوں کو انہوں نے سرکاری قصہ گوئی قرار دیا ہے کہ عہد اموی میں باقاعدہ طور پر قصہ گو حضرات کا انتخاب کیا جاتا تھا جو ایک متعین وقت پر خلفاء اور دیگر اہالیان حکومت کے سامنے قصہ گوئی کیا کرتے تھے۔

بقول پروفیسر ندوی ان قصص کی کوئی ادبی اہمیت نہیں ہے لیکن اس کی وجہ سے بہت سی من گھڑت اسرائیلی اور مسیحی کہانیاں عربی زبان میں شامل ہو گئیں۔ یہ کہانیاں زیادہ تر آیات قرآنی کی تفسیر کے حوالہ سے عربی ادب کا حصہ بنی ہیں جنہیں "اسرائیلیات" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

16.9 علم نحو

عہد جاہلیت اور صدر اسلام کے عربی زبان و ادب کا دستیاب سرمایہ زبان و بیان کی تمام تر غلطیوں سے پاک و صاف ہے لیکن جوں جوں اسلامی خلافت کے رقبہ میں وسعت ہوتی گئی تو اس وقت عربی زبان و ادب میں مختلف تہذیبوں کے ملاپ کی وجہ سے غلطیاں ہونے لگیں۔ عہد اموی میں صورت حال میں مزید بگاڑ پیدا ہوا حتی کہ خلفاء اور خواص بھی زبان و بیان میں غلطیاں کرنے لگے اور خطرہ پیدا ہو گیا کہ کہیں ان غلطیوں کے نتیجہ میں قرآن کریم میں کسی قسم کی تحریف نہ ہو جائے لہذا آیات قرآنیہ پر نکات اور اعراب لگانے کے ساتھ ساتھ

نحو وصرف کے قواعد بھی مرتب کیے گئے تھے۔

قرآن کریم کو تمام تر تحریفات سے محفوظ رکھنے کی کوششوں کا آغاز عہد راشدہ سے ہی ہو چکا تھا۔ایک قول کے مطابق حضرت علیؓ نے اپنے عہد خلافت میں ہی ابوالاسود دؤلی (م69ھ) کو نحو کے قواعد مرتب کرنے کے لیے کہا تھا۔ فن نحو کی ابتداء اور آغاز کے حوالہ سے کئی ایک روایات بیان کی جاتی ہیں۔ان روایات میں جو بات مشترک ہے وہ ابوالاسود دؤلی کا اس فن کا بانی و موجد ہونا ہے۔انہوں نے اس فن کی بنا تو حضرت علیؓ کے زمانہ میں ہی رکھ دی تھی تاہم اس فن کو باقاعدہ طور پر عہد اموی میں مرتب کیا تھا۔انہوں نے نحو کے مختلف قواعد مرتب کیے تھے۔جب کوئی غلطی ان کے سامنے آتی تو وہ اس کے متعلق ایک قاعدہ بنا دیتے تھے جسے لوگ محفوظ کر لیتے تھے۔انہیں قواعد کی بنا پر آگے چل کوفہ و بصرہ کے نحوی اسکولوں کی بنیاد رکھی گئی تھی۔ عہد اموی میں اس فن کے ماہرین میں ابو عمرو بن علاء (65-152ھ)، یحییٰ بن یعمر، عتبہ بن معدان، میمون بن اقرع اور عیسی بن عمرو ثقفی (م147ھ) کا شمار ہوتا ہے۔ مؤخر الذکر نے اس فن میں دو کتابیں "کتاب الجامع اور کتاب المکمل" بطور یادگار چھوڑی ہیں۔

16.10 علم لغت

اس علم کا آغاز قرآن کے مفردات کو سمجھنے کی خاطر ہوا تھا تاہم اس کا دائرہ بڑھتا چلا گیا اور اس نے ایک مستقل علم کی حیثیت اختیار کر لی۔ اس فن کے آغاز کا سہرا بھی حضرت ابن عباسؓ کے سر بندھتا ہے کہ وہ دوران تفسیر قرآن کے مفرد الفاظ کی تشریح و توضیح بھی کرتے تھے۔ان کی جانب "غریب القرآن" نامی کتاب کو بھی منسوب کیا جاتا ہے۔ قرآن کی طرح وہ اپنے دروس احادیث میں فرمان نبوی کے مشکل مفرد الفاظ کی بھی تشریح کیا کرتے تھے۔اس فن میں عہد اموی کے جس شخص کو کمال حاصل تھا ان کا نام ابان بن تغلب (م141ھ) ہے۔ انہوں نے "غریب القرآن" نامی کتاب لکھی تھی جس میں عربی اشعار سے جابجا استشہاد کیا گیا ہے۔

اس عہد کے دیگر ماہرین لغت میں قتادہ بن امامہ سدوسی، ابو خیرہ اعرابی، الشرقی بن القطامی (م150ھ)۔ابو عمرو بن علاء بصری (65-152ھ)، عیسی بن عمرو ثقفی (م147ھ)، اور عطاء بصری (م170ھ) اور خلیل بن احمد فراہیدی ازدی (100-160ھ) کا شمار کیا جاتا ہے۔ مذکورہ بالا امامان لغت میں سے اکثریت کی وفات عہد عباسی میں ہوئی تھی ان کا ذکر یہاں صرف اس لیے کر دیا گیا ہے کہ انہوں اپنی زندگی کا اچھا خاصا حصہ عہد اموی میں گذرا تھا اور اس فن کو فروغ دینے کا آغاز عہد اموی میں کیا تھا۔

ابو خیرہ اعرابی نے "کتاب الحشرات" نامی کتاب لکھی تھی جس کی روایت ابو عمرو بن علاء نے کی تھی۔ابو عمرو بن علاء نے اس موضوع پر "کتاب النوار" اور "کتاب الامثال" جیسی کتابیں بطور یادگار چھوڑیں ہیں۔ علم لغت کو فنی طور پر مرتب کرنے کا سہرا خلیل بن احمد فراہیدی ازدی کے سر بندھتا ہے جنہوں نے ابو عمرو بن علاء اور عیسی بن عمر ثقفی جیسے اساتذہ سے کسب فیض کیا تھا۔ان کی کتاب "کتاب العین" کو اس فن کی اولین کتاب قرار دیا جاتا ہے۔

16.11 ترجمہ نگاری

فن ترجمہ کو بنیادی طور پر فروغ عہد عباسی میں حاصل ہوا تھا تاہم اس فن کا آغاز بھی عہد اموی میں ہو چکا تھا۔ فن تاریخ میں اس بات کا ذکر کیا جا چکا ہے کہ ایک روایت کے مطابق حضرت معاویہؓ کے سامنے جو تاریخی کتابیں پڑھی جاتی تھیں وہ عربی زبان میں نہیں ہوتی تھیں۔ان کتابوں کے کتاب خواں ساتھ ہی ساتھ اس کتاب کے مباحث کا ترجمہ بھی کرتے چلے تھے تاکہ خلیفۂ وقت ان مباحث کو سمجھ سکیں۔ خلیفۂ وقت کے اس طرز عمل کو ترجمہ نگاری کا ابتدائی نقش قرار دیا جا سکتا ہے۔

روایات کے مطابق حضرت معاویہؓ کے پوتے خالد بن یزید کو سائنسی علوم سے کافی دلچسپی تھی۔ ترجمہ نگاری کی ابتدء کا سہرا ان کے ہی سر بندھتا ہے۔ بقول احمد حسن زیات انہوں نے اسکندریہ سے علماء کی ایک جماعت کو بلوایا تھا جس نے انہیں علم کیمیا سکھایا تھا اور موضوع سے متعلق کچھ کتابوں کا ترجمہ بھی کیا تھا۔ فن کیمیاء کے علاوہ نجوم اور طب کے موضوع پر بھی انہوں نے کچھ کتابوں کا ترجمہ کرایا تھا۔

عہد اموی میں فن ترجمہ کو فروغ دینے میں حضرت عمر بن عبدالعزیز اور ہشام بن عبدالملک نے بھی کسی قدر دلچسپی کا مظاہرہ کیا تھا۔اول الذکر کے حکم پر ماسرجویہ بصری نے اہرن بن اعین کی ایک طبّی کتاب "قرابا دین" کا ترجمہ عربی میں کیا جب کہ مؤخر الذکر کے آزاد کردہ غلام سالم نے ارسطو کے بعض رسائل کا عربی ترجمہ کرنے کے علاوہ امور سلطنت سے متعلق ایک فارسی کتاب کو عربی زبان میں منتقل کیا تھا۔ ترجمہ نگاری کے حوالہ سے عہد اموی کا سب سے بڑا کارنامہ دفتر مالیات کا عربی زبان میں منتقل کرانا ہے۔اس اہم کارنامہ کو صالح بن عبدالرحمن اور ابوثابت سلیمان بن سعد نامی اشخاص نے اموی مملکت کے مختلف صوبوں میں انجام دیا تھا۔

16.12 فرہنگ

النقائض: وہ ہجوئی قصائد ہیں جو عہدِ اموی میں جریر اور فرزدق کے درمیان کہے گئے۔ جہاں ہر شاعر اپنی تعریف کرتا اور دوسرے کو ذم کا نشانہ بناتا، اس شرط کے ساتھ کہ جس قصیدے کا جواب دیا جا رہا ہو، اسی بحر اور قافیہ میں کہا جائے۔

انشاپردازی:(Art of Essay writing): خوبصورت، دلکش اور فنی مہارت کے ساتھ نثر لکھنے کا فن ہے۔ یہ خیالات کو مربوط، ادبی اور موثر انداز میں پیش کرنے کا نام ہے.

16.13 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے درج ذیل نکات سیکھے:

- عہد اموی میں پروان چڑھنے والے شرعی علوم کے علاوہ دیگر علوم وفنون سے جانکاری حاصل کی۔
- عہد اموی میں پروان چڑھنے والے دیگر علوم کے حوالہ سے یہ جانکاری حاصل کی کہ ان علوم کا تعلق دینی ، سماجی علوم، ادبی علوم سے ہے۔
- فن سیرت نگاری کے آغاز وارتقاء کے ساتھ ساتھ اس عہد کے ممتاز سیرت نگاران اور ان کے علمی کارناموں کے بارے میں معلومات

حاصل ہوئیں۔

- عہد اموی میں پروانے چڑھنے والے سماجی علم ''تاریخ'' کے آغاز وارتقاءاور اس عہد کے مؤرخین اور ان کی کتب تاریخ کے بارے میں جانا۔
- اس عہد میں پروان چڑھنے والے ادبی علوم جیسے رسائل نگاری اور علم لغت کے آغاز وارتقاء کے بارے میں پتہ چلا۔

16.14 نمونہ امتحانی سوالات

16.14.1 معروضی جوابات کے متقاضی سوالات

1. سیرت نبوی پر سب سے پہلے کس نے کتاب لکھی تھی؟

(a) .عروہ بن زبیر (b) .محمد بن اسحٰق (c) .ابن ہشام (d) .ابن جریر طبری

2. کس اموی خلیفہ کی تاریخی کتابیں سننے کی عادت تھی؟

(a).حضرت عمر بن عبدالعزیز (b).حضرت عبدالملک (c).حضرت خالد بن یزید (d).حضرت معاویہؓ

3. کتاب الملوک واخبار الماضیین کس کی تالیف ہے؟

(a) .عبید بن مروہ (b) .ابن جریر طبری (c) .عبید بن شریہ (d) ابو مخنف ازدی

4. نقائض کا فروغ کس عہد میں ہوا تھا؟

(a) .عہد نبوی ﷺ (b) .عہد راشدین (c) .عہد بنوامیہ (d) .عہد بنو عباس

5. عبدالحمید کاتب کس خلیفہ کے سکریٹری تھے؟

(a) .حضرت امیر معاویہ (b) .حضرت عمر بن عبدالعزیز (c) .عبدالملک (d) .مروان

6. علم نحو کا بانی کون ہے؟

(a) .حضرت علیؓ (b) .ابوالاسود الدویلی (c) .سحبان بن وائل (d) .ابن المقفع

7. کس اموی خلیفہ کو سائنسی علوم سے دلچسپی تھی؟

(a) .حضرت معاویہ بن یزید (b) .عبدالملک بن مروان (c) .خالد بن یزید (d) .ہشام

8. عمر بن ابی ربیعہ کس صنف سخن کا نمائندہ شاعر کہلاتا ہے؟

(a) .اباحی غزل (b) .عذری غزل (c) .روایتی غزل (d) .مدح

9. عہد اموی میں ارسطو کے رسائل کا ترجمہ کس نے کیا تھا؟

(a) .سالم (b) .عبدالحمید کاتب (c) .فرزدق (d) .جریر

10. سحبان وائل کس فن میں مشہور ہیں؟

(a) .شاعری (b) .رسائل نگاری (c) .لغت (d) .خطابت

16.14.2 مختصر جوابات کے متقاضی سوالات

1. فن رسائل نگاری کے ارتقاء پر ایک نوٹ لکھیے۔
2. علم لغت کے آغاز اور ارتقاء پر روشنی ڈالیے۔
3. عہد اموی میں ترجمہ نگاری کی صورتحال کا جائزہ لیجیے۔
4. عبدالحمید کاتب پر ایک نوٹ لکھیے۔
5. عہد اموی میں فن خطابت کے آغاز

16.14.3 طویل جوابات کے متقاضی سوالات

1. عہد اموی کے سیرت نبوی کے تحریری سرمایہ کا تعارف کرائیے۔
2. عہد اموی کے مورخین پر ایک تفصیلی نوٹ لکھیے۔
3. عہد اموی کی شاعری کا جائزہ لیجیے۔

16.15 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1. تاریخ ادب عربی : احمد حسن زیات، ترجمہ از عبدالرحمن طاہر سورتی
2. تاریخ افکار وعلوم اسلامی (حصہ اول ودوم) : راغب الطباخ/افتخار احمد بلخی
3. تاریخ اسلام (جلد دوم) : شاہ معین الدین احمد ندوی
4. تاریخ تہذیب اسلامی (حصہ دوم) : پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی
5. تدوین سیر ومغازی : قاضی اطہر مبارکپوری

معروضی سوالات کے جوابات

1. B	2.D	3. C	4. C	5. B
6. B	7. C	8.A	9. A	10. D

نمونہ امتحانی پرچہ

Maulana Azad National Urdu University

B.A. III Semester Examination

(Paper 3 : The Umayyad Period)

Paper Code: BNIS301DCT

Time: 3hrs. Marks: 70

یہ پرچہ تین حصوں پر مشتمل ہے، حصہ اول، حصہ دوم، حصہ سوم۔ ہر جواب کے لیے لفظوں کی تعداد اشارۃ دی گئی ہے۔ تمام حصوں سے سوال کے جواب دینا لازمی ہے۔

حصہ اول میں 5 لازمی سوال ہیں جو کہ معروضی سوالات / خالی جگہ کو پر کرنا / مختصر جوابات والے سوالات ہیں۔ ہر جواب کے لیے 1 نمبر مختص ہے۔

1x10=10

حصہ دوم مختصر جواب کے 8 متقاضی سوالات پر مبنی ہے۔ 5 سوالات کے جواب مطلوب ہیں۔ جواب 100 الفاظ پر مشتمل ہوں۔ ہر سوال کے لیے 6 نمبر مختص ہیں۔

5x6=30

حصہ سوم طویل جواب کے متقاضی سوالات پر مبنی ہے۔ 5 سوالات دیے گئے جن میں سے 3 سوال کے جواب دینا لازمی ہیں۔ جواب 250 الفاظ پر مشتمل ہو۔ ہر سوال کے لیے 10 نمبر مختص ہیں۔ 3x10=30

حصہ اول

1. سوال: معروضی سولات

i. اموی حکومت کے بانی کون ہیں؟

(a).امیر معاویہ (b).ابوالعباس عبداللہ سفاح (c).عبداللہ المہدی (d).مروان

ii. محمد بن قاسم نے کس دور میں سندھ فتح کیا؟

(a) .امیر معاویہ (b).ولید بن عبدالملک (c).سلیمان بن عبدالملک (d).سب غلط

iii. طارق بن زیاد کا تعلق کس ملک کی فتح سے ہے؟

(a).افریقیا (b).سندھ (c).اندلس (d).وسط ایشیا

iv. کس حکمراں کو اموی دور کا موسس ثانی کہا جاتا ہے؟

(a).امیر معاویہ (b).مروان (c).عبدالملک بن مروان (d).ہشام بن عبدالملک

v. جنگ زاب کس سنہ میں لڑی گئی؟

(a).680ء (b) 750ء (c) 756ء (d) 1250ء

vi. واقعہ کربلا کس ہجری میں پیش آیا؟

(a).61ھ (b).65ھ (c).70ھ (d)89ھ

vii. کس اموی خلیفہ کے حکم پر حدیث نبوی ﷺ کو جمع کرنے کا کام سرکاری سرپرستی میں انجام پایا؟

(a).امیر معاویہ (b).حضرت عمر بن عبدالعزیز (c).مروان (d).ہشام بن عبدالملک

viii. کس حکمراں نے عربی کو سرکاری زبان قرار دیا؟

(a).امیر معاویہؓ (b).ہشام (c).مروان (d).عبدالملک بن مروان

ix. اموی دور کے دور کا تعمیری شاہکار کیا ہے؟

(a) .قبۃ الصخری (b).مسجد نبوی (c).تعمیر کعبہ (d).سامرا

x. قصر 'خربۃ المفجر' کا دوسرا نام کیا ہے؟

(a) .قصر ہشام (b).قصر مروان (c).قصر امیہ (d).قصر عمر

حصہ دوم

2. امیر معاویہ پر ایک نوٹ تحریر کیجیے؟
3. واقعہ کربلا پر تنقیدی نوٹ تحریر کیجیے۔
4. اموی دور کے دو مشہور سپہ سالاروں کا تعارف پیش کیجیے۔
5. عمر بن عبدالعزیز کو خلیفہ خامس کیوں کہا جاتا ہے؟
6. اموی معاشرہ کی تکثیری پہلوؤں پر تفصیلا تحریر کریں۔
7. اموی دور میں عقلی علوم کے مراکز پر مفصل مضمون تحریر کیجیے۔
8. خلافت بنوامیہ کے قیام کے خارجی اسباب پر تبصرہ کیجیے۔
9. مسلم تاریخ میں فن خطاطی کی ترقی اور اس کے استعمال کے اعتبار سے اموی عہد کی اہمیت کو اجاگر کیجیے۔

حصہ سوم

10. اموی دور کی فتوحات کا اجمالی جائزہ پیش کیجیے۔
11. عبدالملک بن مروان کے دور اصلاحات و کارناموں پر تجزیاتی مضمون قلمبند کیجیے۔
12. غزوۂ احد کب اور کن حالات میں پیش آیا؟ مفصلاً تحریر کیجیے۔
13. حضرت عمرؓ کے عہد حکومت پر مفصل نوٹ لکھیے۔
14. خلافت راشدہ کے نظم و نسق کا جامع تعارف کروائیے۔

****